

اردو ترجمہ

تفسیر روح البیان

پارہ نمبر ۱۸

مصنف

سراج العلمائ زبدۃ الفضلائ حضرت مولانا شیخ اسمٰعیل حقّی قدس سرہ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث مولانا ابو الصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی مدظلہ

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ ملتان روڈ بہاولپور

نام کتاب ـــــــــ فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ تفسیر روح البیان
پارہ نمبر ۱۸
مصنف ـــــــــ سراج العلماء والفضلاء علامہ اسمٰعیل حقی قدس سرہٗ
مترجم ـــــــــ شیخ التفسیر والحدیث مولانا محمد فیض احمد اویسی رضوی
تصحیح ـــــــــ الحاج چوہدری مشتاق محمد خاں لاہور
خطاط ـــــــــ محمد شریف گل
سنِ طباعت ـــــــــ ربیع الاوّل ۱۴۰۶ھ / نومبر ۱۹۸۵ء
مطبع ـــــــــ
ناشر ـــــــــ مکتبہ اویسیہ رضویہ، ملتان روڈ، بہاولپور
قیمت ـــــــــ روپے

پارہ ۱۸

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ

اٰیاتها ۱۱۸ (۲۳) سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ (۷۴) رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا
الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ
عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ
خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ
غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ

لَقٰدِرُوْنَ ۝ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا
تَاْكُلُوْنَ ۝ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ وَاِنَّ
لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝
وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝

ترجمہ: بیشک اہل ایمان فلاح پا گئے وہ جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں اور وہ جو لغو باتوں کی طرف توجہ نہیں کرتے اور جو زکوٰۃ کی ادائیگی کا فعل کرنے ہیں اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھتے ہیں مگر اپنی بیبیوں پر یا اپنی لونڈیوں پر جو ان کی اپنی ملک ہیں کہ ان پر انھیں کوئی ملامت نہیں تو جو ان کے ماسوا کو چاہے وہی حد سے تجاوز کرتے ہیں اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی پابندی کرتے ہیں اور جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں یہی لوگ ہی وارث ہیں جو فردوس کی وراثت پائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور بے شک ہم نے انسان کو چنی ہوئی مٹی سے پیدا کیا پھر اسے پانی بنایا ایک مضبوط جگہ میں پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کا لوتھڑا بنا دیا، پھر اس لوتھڑے کو خون کی بوٹی بنایا پھر گوشت میں سے ہڈیوں کو بنایا پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت پہنایا، پھر ہم نے اسے اور صورت میں اٹھان دی، سو اللہ تعالیٰ بڑی برکت والا ہے وہی تمام بہتر بنانے والوں سے بڑھ کر ہے پھر اس کے بعد تم سب ضرور مرنے والے ہو پھر قیامت کے دن تم سب اٹھائے جاؤ گے اور بیشک ہم نے تمھارے اوپر سات راہ بنائے ہیں اور ہم پیدائش سے بے خبر نہیں! اور ہم نے آسمان سے ایک مقدار پر پانی برسایا پھر ہم نے اسے زمین میں ٹھہرایا اور بے شک ہم اس کے لے جانے پر قادر ہیں سو اس سے ہم نے باغات پیدا کیے کھجوروں اور انگوروں کے تمھارے لیے ان میں بہت سے میوے ہیں اور انھیں سے تم کھاتے ہو اور ایک درخت پیدا فرمایا، جو طورِ سینا سے تیل اگتا ہے اور کھانے والوں کے لیے سالن۔ اور بیشک تمھارے لیے جانوروں میں عبرت ہے ہم تمھیں پلاتے ہیں اس سے جو ان کے پیٹوں میں ہے اور تمھارے لیے ان میں بہت فوائد ہیں اور ان سے تم کھاتے ہو اور ان پر اور کشتیوں پر سوار کیے جاتے ہو۔

تفسیر عالمانہ سورۃ مومنین مکیہ ہے اور بصریوں کے نزدیک اس کی ایک سو دس اور کوفیوں کے نزدیک ایک سو اٹھارہ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بے شک کامیاب ہیں اہلِ ایمان یعنی تصدیق کرنے والے سعادت منداور

اور ہمیشہ بہشت میں رہنے والے۔

ف: مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو پیدا فرمایا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بول، کیا کہتی ہے؛ اس نے عرض کی: قد افلح المؤمنون۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جنتِ عدن! تجھے مبارک ہو کہ تیرے اندر جنت کے بادشاہ داخل ہوں گے۔ اس نے عرض کی: جنت کے بادشاہ کون ہیں؛ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وہ فقراء جو صبر کرنے والے ہیں۔

ف: ماضی کا صیغہ دلالت کرتا ہے کہ مومن کو کامیابی نصیب ہوگئی اور کلمۂ قد سے واضح ہوتا ہے کہ جو امر متوقع الثبوت تھا وہ واقع ہوگیا اس لیے کہ اہلِ ایمان کو فلاح و کامیابی کی امید تھی اور فلاح بمعنے بقاء اور مراد کو پہنچنے اور مکروہ امر سے نجات کو کہتے ہیں۔ اور افلاح بمعنے ان امور میں داخل کرنا جیسے ابشاد بمعنے بشارۃ میں داخل کرنا۔ اور فلاح کبھی خود بھی متعدی ہو کر استعمال ہوتا ہے بمعنے ادخال فی الفلاح۔ جس قرأت میں فعل مجہول پڑھا گیا ہے اس کا یہی معنیٰ ہے۔

مسئلہ: جب تک ایمان کی دولت نصیب نہ ہو فلاح حقیقی نصیب نہیں ہوتی۔

ایمان کی تعریف

هو التصديق بما علم ضرورة انه من دين نبينا عليه السلام من التوحيد والنبوة والبعث والجزاء ونظائرها بل يحصل بالايمان الحقيقي المقيد بجميع الشرائط قال بطريق الايضاح او المدح۔

ایمان سے ان امور کی تصدیق مراد ہے جس کے متعلق یقین ہے کہ یہ ہمارے نبی علیہ السلام کے دین سے ہیں جیسے توحید، نبوّت اور قیامت میں اٹھنا اور اعمال کی جزا و سزا وغیرہ بلکہ فلاح حقیقی بس ایمان حقیقی سے حاصل ہوتی ہے جو جمیع شرائط سے مقید ہے۔

ربط: اب اہلِ ایمان کے اوصاف بیان فرمائے تاکہ مزید وضاحت ہو۔ یا ان اوصاف سے اہلِ ایمان کی مدح مقصود ہے۔

اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ الخشوع بمعنے الخوف والتذلیل۔ اور المفردات میں ہے کہ الخشوع بمعنے الضراعة۔ اور اس کا اکثر استعمال ان افعال پر ہوتا ہے جو قلب سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اذا ضرع القلب خشعت الجوارح (جب قلب کو تضرع نصیب ہوتا ہے تو جوارح کو خود بخود خشوع حاصل ہو جاتا ہے) اب معنیٰ یہ ہُوا کہ مومن وُہ ہیں جو نماز میں اللہ تعالیٰ کے خوف سے

عاجزی کرتے ہیں اور ہر وقت ان کی نگاہیں سجدہ گاہوں پر لگی رہتی ہیں۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ آنکھیں سجدہ گاہ پر لگا کر بدل و جان بارگاہِ حق میں حاضر ہو کر مناجات کرتے ہیں۔

حکایت و روایت مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ نماز کے وقت آسمان کی طرف دیکھتے رہتے تھے جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے اپنی سجدہ گاہ کو دیکھنا شروع فرمایا۔ ایک دن آپ نے ایک نمازی کو نماز میں اپنی داڑھی سے کھیلتے ہوئے دیکھا آپ نے فرمایا اگر اس کا قلب خشوع سے بہرہ ور ہوتا تو اس کے جوارح بھی خاشع و خاضع ہوتے۔

مسئلہ : نماز کی تکبیر اولیٰ کے وقت آسمان کی طرف نظر اٹھانا مکروہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا ممنوع ہے اور تکبیر اولیٰ میں آسمان کی طرف دیکھنا بھی اسی نہی میں داخل ہے۔

مسئلہ : نماز کے علاوہ دوسرے افعال میں آسمان کی طرف دیکھنا ممنوع ہے۔ وہ اس لیے کہ آسمان دعا کا قبلہ ہے کیونکہ آسمان نزول البرکات کا مرکز ہے۔

مسئلہ : حضرت کاشفی نے لکھا ہے کہ لباب میں ہے کہ نماز میں قیام کے وقت سجدہ گاہ کو دیکھنا چاہیے لیکن مکہ معظمہ میں بیت اللہ شریف کو دیکھنا لازم ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ بندہ نماز میں رب رحمٰن کے سامنے ہوتا ہے۔ نماز میں جب بندہ ادھر ادھر دیکھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! تُو کدھر دیکھ رہا ہے، کیا مجھ سے بہتر تجھے کوئی اور نظر آتا ہے جسے تُو دیکھتا ہے، میری طرف دیکھ اس لیے کہ میں ان سب سے بہتر ہُوں جن کی طرف دیکھا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مومن وہ ہے جو ظاہراً و باطناً خشوع کرتا ہے اس کے ظاہر کے خشوع کا نام یہ ہے کہ سر کو جھکا دے اور آنکھ کو ادھر ادھر دیکھنے سے روک لے اور کان کو بیرونی باتیں سننے سے باز رکھے اور زبان کو صرف تلاوتِ قرآن میں لگا دے اور نہایت ترتیل سے پڑھے۔ ہاتھوں کا خشوع یہ ہے کہ سیدھے ہاتھ کو تعظیم کے ساتھ بائیں ہاتھ پر ایسے رکھ دے جیسے غلام اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ پیٹھ کا خشوع یہ ہے کہ رکوع میں اسے بالکل سیدھا رکھے۔ فرج کا خشوع یہ ہے کہ اس میں شہوات کا خیال نہ آنے پائے۔ قدموں کا خشوع یہ ہے کہ انھیں اپنی جگہ پر مضبوط رکھے اور انھیں حرکت نہ دے۔ باطن کا خشوع یہ ہے کہ نفس کو فواطر و ہواجس سے دُور رکھے۔ دل کا خشوع یہ ہے کہ اسے ذکر و حضور میں لگا دے۔ سر کا خشوع یہ ہے کہ اسے مکونات کی طرف توجہات سے روکے۔ روح کا خشوع یہ ہے کہ اسے بحرِ محبّت میں غرق کر دے اور صفت جمال و جلال کی تجلّی کے وقت اسے پگھلا دے۔

ف : کسی محقق نے فرمایا کہ نماز میں سب سے پہلے اپنے آپ سے بیزار ہو جائے اس کے بعد قرب یار اور

اس کے وصال میں پہنچے ؎

۱ یار بیزار است از تو تا توئی
اول از خود خویش را بیزار کن

۲ گر زتو یک ذرہ ماندہ است
خرقہ و تسبیح با زنار کن

۳ ترک خویش و ہر دو عالم گیر ورو
ذرۂ میندیش و چوں عطار کن

ترجمہ: تجھ سے تیرا یار بیزار ہے جب تک تیرے اندر دوئی ہے اس لیے پہلے اپنے آپ کے لیے بیزاری اختیار کیجئے۔ اگر تیرے اندر ذرہ برابر بھی دوئی ہے تو خرقہ و تسبیح و زنار میں کوئی فرق نہیں۔ دوئی کو چھوڑ پھر دونوں عالم تیرے قبضہ میں ہوں گے ذرہ برابر بھی اپنا تصور دل میں نہ لایا کر، اور عطار کی طرح ہوجا۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ۔ لایعنی اقوال وافعال کو لغو کہتے ہیں۔ المفردات میں ہے غیر معتبر کلام کا دوسرا نام لغو ہے۔ ایسا کلام انسان کے ارادہ و فکر کے بغیر منہ سے خارج ہوجاتا ہے۔ ایسا کلام لغا کی طرح ہوتا ہے۔ اور لغا بمعنے صوت العصافیر (چڑیوں وغیرہ کی آواز)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ لغو ہر وہ فعل جو غیر اللہ سے ہو اور ہر وہ قول جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے نہ ہو۔ اور غیر اللہ کو دیکھنا بھی لغو میں داخل ہے۔ وہ فعل جو اللہ تعالیٰ سے دور رکھے وہ بھی لغو ہے۔

ف: حضرت کاشفی نے فرمایا کہ امام قشیری کا ارشاد ہے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نہ ہو وہ حشو ہے اور وہ کام جو اللہ تعالیٰ سے باز رکھے وہ سہو ہے اور جس فعل میں بندے کو حظِ نفس حاصل ہو وہ لہو ہے اور جو شے خدا تعالیٰ سے نہ ہو وہ لغو ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ لغو وہ افعال و اقوال ہیں جو کسی کام نہ آئیں۔

تفسیر عالمانہ مُعْرِضُوْنَ۔
حلِ لغات: اعراض بمعنے عرضہ۔ عرض بمعنے ناحیۃ (کنارہ)۔ مثلاً جب کہا جائے گا عرض لی کذا یعنی مجھے اس کا کنارہ ظاہر ہوا تو مجھے اس کے حصول میں ممکن حاصل ہوگیا۔ اور جب اعراض کہا جائے گا تو اس کا معنیٰ ہوگا وتی مبدیا عرضہ۔ اب آیت کا معنی ہوا کہ وہ اپنے جملہ اوقات میں لغو سے روگردانی کرنے والے ہیں۔ استمرار کا معنی صیغۂ اسم فاعل سے حاصل ہوا۔ جب وہ حضرات عام اوقات میں لغو سے روگردان

رہتے ہیں تو پھر نماز تو بطریق اولیٰ ہے کہ اس میں لغو سے معرض ہوں۔

ف : نماز میں اعراض کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز کی اصل غرض وغایت کے مطابق غیر اللہ سے روگردانی کریں نہ یہ کہ وہ نماز میں مشغول ہو کر غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوں اگرچہ وہ دینی امور ہوں (یہ عوام کا حکم ہے خواص کے احکام اور ہوتے ہیں) وہ اس لیے کہ امورِ دین سے عموماً یہ خیال گزرتا ہے ممکن ہے وہ لغو میں نہ ہو حالانکہ نماز میں وہ امور بھی لغو میں داخل ہوتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ اور وہ زکوٰۃ وصدقات ادا کرتے ہیں۔ ادا کو لفظ فعل سے تعبیر کرنا عرب میں مستعمل ہے۔

امیہ بن ابی الصلت نے کہا:

المطعمون الطعام فی السنة اللازمه و الفاعلون للزکوٰت و توسیط حدیث الاعراض بین الطاعة البدنیة والعالیة لکمال ملابسته بالخشوع فی الصلاة والزکاة مصدر لانه الامر الصادر عن الفاعل لا المحل الذی هو موقعه۔

وہ حضرات سخت قحط میں بھوکوں کو کھانا کھلاتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اعراض من اللغو کو نماز و زکوٰۃ کے درمیان لانے میں نکتہ یہ ہے کہ انسان پہ لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں طاعت بدنیہ وعبادت مالیہ پیش کرے کیونکہ نماز کے ساتھ لفظ خشوع کو خصوصی تعلق ہے اسی لیے وہاں خاشعون کہا گیا۔ الزکوٰۃ مصدر ہے اس لیے کہ امر فعل کے لیے وارد ہوتا ہے نہ کہ محل فعل کے لیے۔ اس لیے فاعلون فرمایا۔ کیونکہ فعل کا صدور فاعل سے ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

زکوٰۃ کا معنیٰ ہے نفس کو صفات ذمیمہ خبیثہ یعنی حُبِ دنیا وغیرہ سے پاک وصاف کرنا۔ کما قال: خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها۔

پس فلاح تزکیۃ النفس میں ہے۔ کقولہ:

قد افلح من تزکی۔

اور کہا جاتا ہے:

قد افلح من زکاها وقد خاب من دسّاها۔

اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ صرف مالِ دنیا کو خرچ کیا جائے بلکہ قلب کو محبّتِ دنیا اور جملہ صفاتِ ذمیمہ سے پاک وصاف کرنا

مطلوب ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ ۔

تفسیر عالمانہ حلِ لغات: الفرج و الفرجۃ بمعنے، وچیزوں کے درمیان سوراخ ۔ دیوار کے سوراخ کو فرج ، فرجۃ سے تعبیر کرتے ہیں ۔ دو پاؤں کے درمیان کے حصے کو فرج کہا جاتا ہے ۔ یہاں پر شرمگاہ مراد ہے ۔ اور جمع کے صیغے میں تصریح مطلوب ہے ۔

حٰفِظُوْنَ یعنی وہ اپنے فروج (شرمگاہوں) کو حرام سے روکنے والے ہیں اور انھیں غیروں کے ملک میں نہیں چھوڑتے اور نہ ہی انھیں بیجا استعمال کرتے ہیں اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ سوائے اپنی عورتوں کے ۔ لفظ زوج نرو مادہ دونوں کے لیے مستعمل ہے ۔ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ یا (سوائے) اپنی کنیزوں کے جو ان کی اپنی ملک میں ہیں ۔

ف: ما ملکت اگرچہ غلاموں کو شامل ہے لیکن یہاں پر بالاجماع صرف کنیزیں مراد ہیں ۔

ف: ممالیك پر صیغہ غیر ذوی العقول یعنی لفظ ما میں اشارہ ہے کہ لفظ ھلذی عام ہے ۔ ذوی العقول و غیر ذوی العقول دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے ۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ صرف رقیق (غلام وکنیز) کے لیے ملک یمین کی تخصیص کیوں ۔ دوسرے املاک کو ملک یمین سے کیوں نہیں تعبیر کیا جاتا ؟

جواب: غلام وکنیز کے ملک میں مخصوص تصرف کی اجازت ہے بخلاف دوسرے املاک کے ۔ مثلاً دار کی ملکیت پر اسے توڑنا جائز ہے لیکن غلام وکنیز کی ملکیت کے بعد نقض کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ۔

نکتہ: اگرچہ ما ملکت کا مفہوم عن اللغو میں ادا ہوجاتا تھا لیکن یہ چونکہ تمام لذات وشہوات سے لذیذ ترین ہے اسی لیے اسے خصوصیت سے علٰحدہ بیان کیا گیا ، نیز یہ دوسرے امور سے زیادہ خطرناک بھی ہے اسی لیے اسے علٰحدہ ذکر کرنا نہ صرف موزوں بلکہ اشد ضروری تھا ۔

فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ بے شک اپنے ازواج کے سوا فروج کی حفاظت کرنے والوں پر کوئی بلامت نہیں اس لیے کہ ان کی اپنی عورتوں سے انھیں مباشرت کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ حیض ونفاس اور روزہ و احرام میں نہ ہوں ۔

ف: اللوم بمعنے انسان کو ایسے فعل سے منسوب کرنا جس میں ملامت ہو ۔ التہذیب میں ہے کہ اللوم بمعنے ملامت کرنا ۔

سوال: اللوم و الذم میں کیا فرق ہے ؟

جواب: الذم صفات میں مستعمل ہے ۔ مثلاً کہا جاتا ہے : الکفر مذموم ۔ اور اللوم کا استعمال

اشخاص میں ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: فلان ملوم۔ (کذا فی الاسئلۃ المقحمہ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ لوگ تلذذ بالشہوات سے محفوظ ہیں یعنی ان کی ازواج اور لونڈیاں ان کی دشمن نہیں کہ انھیں اللہ تعالیٰ سے دُور کر دیں۔ اگر ایسی ازواج و لونڈیاں ہوں تو ان سے دُور رہنا لازم ہے۔ کما قال: عدوا لکم فاحذروھم۔

نکتہ: لفظ علیٰ میں اشارہ ہے کہ مردوں کو عورتوں پر غلبہ و استیلاء حاصل ہے۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ عورتیں مردوں پر غالب یا مرد عورتوں کے مملوک ہیں۔

مسئلہ: عورتوں سے مباشرت نکاح کے ساتھ ہو تو اس طرح کی مباشرت سے مردوں اور عورتوں پر کوئی ملامت نہیں۔ اس لیے کہ ایسی مباشرت نسلِ انسانی کے اضافہ کا سبب ہے اور اس میں سنت نبویہ پر عمل بھی۔

تفسیر عالمانہ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ۔ ابتغیٰ بمعنے طلب، یعنی جو مباشرت کے لیے طریقہ مذکورہ کے سوا کوئی اور طریقہ تلاش کرے۔ وراء ذٰلک میں طریقہ اسلامیہ و سنّتِ نبویہ کی طرف اشارہ ہے، اس لیے کہ اس طریقہ میں وسعت ہے۔ وہ اس طرح کہ آزاد عورتوں میں چار سے اور لونڈیوں میں جتنا چاہے۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ یہی لوگ تجاوز عن الحد کے کمال کو پہنچنے والے یا وہ حلال سے تجاوز کر کے حرام کا ارتکاب کرتے ہیں۔ دراصل العدوان، الاخلال بالعدالۃ کو کہا جاتا ہے اور الاعتداء مجاوزۃ الحق کو بھی۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ ان سے ظلم کرنے میں کامل اور حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے میں حد سے گزرنے والے ہیں۔

مسئلہ: مشت زنی بھی اسی تجاوز عن الحد میں داخل ہے۔ (کذا فی تفسیر الفارسی)

مسئلہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص تم میں نکاح نہیں کر سکتا اسے روزے رکھنے چاہئیں۔ (کذا فی انوار المشارق)

ف: اسی حدیث شریف سے مالکیہ نے استدلال فرمایا ہے کہ مشت زنی حرام ہے کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے عجز پر روزہ رکھنے کا ارشاد فرمایا اگر ایسی صورت میں مشت زنی جائز ہوتی تو اسے بھی صراحۃً نہ سہی کنایۃً تو بیان فرماتے۔ اور روزے کے لیے اس لیے ارشاد فرمایا کہ روزہ شہوتِ نفسانی کو توڑتا ہے۔

مسئلہ: روایۃ الخلاصہ میں ہے کہ جس شخص نے بحالتِ روزہ مشت زنی کر کے ذکر سے منی خارج کی تو اس پر کفارہ نہیں قضا ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ گندا دھندا غیر رمضان میں بھی ناجائز ہے کہ کوئی شخص محض تسکین شہوت کے لیے مشت زنی کرے تو حرام ہے لیکن امید ہے کہ قیامت میں اسے عذاب نہ ہوگا۔

مُشت زنی حرام ہے صحیح بخاری کی شرح میں ہے کہ مشت زنی حرام ہے۔ اس کا ثبوت کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے:

(۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

والذین ھم لفروجھم حافظون ،

الیٰ قولہ فاولئک ھم العادون ۔

عادون وہ ظالم جو حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والے ہیں ۔ امام بغوی نے فرمایا کہ آیت ہیں دلیل یہ ہے کہ مشت زنی حرام ہے ۔

(۲) ابن جریج نے فرمایا ؛

میں نے عطأ سے مشت زنی کے متعلق پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے سُنا ہے کہ ایک قوم کو قیامت میں اٹھایا جائے گا جن کے ہاتھ گابھن ہوں گے ۔ میرے خیال میں وُہ یہی مشت زنی کرنے والے ہوں گے ۔

(۳) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ؛

اللہ تعالیٰ اس قوم کو عذاب میں مبتلا کرے گا جو اپنے ذکر سے کھیلتے ہیں ۔ یعنی مشت زنی کرتے ہیں ۔

مسئلہ : مشت زنی کرنے والے پر تعزیر ہے ۔ کذا قال ابن الملقن وغیرہ ۔

مسئلہ : امام ابوحنیفہ و امام احمد رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس شرط پر (مشت زنی) جائز ہے کہ انسان کو زنا میں مبتلا ہوجانے کا یقین ہو ۔

مسئلہ : ایسے ہی اسی شرط پر اپنی زوجہ اور اپنی لونڈی کے ہاتھ کے ذریعہ منی خارج کرنے کی اباحت ہے ۔ لیکن قاضی حسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے مکروہ لکھا ہے اس لیے کہ یہ عزل میں داخل ہے ۔

مسئلہ : التاتارخانیہ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایسے شخص کا حساب وکتاب برابر ہو تو بھی اسے نجات کی امید رکھنی چاہیے (یعنی فتنۂ زنا سے بچنے کا ثواب جو نیکی کی وجہ سے ہوا اور مشت زنی کا ارتکاب کرکے جو گناہ ہوا یہ دونوں برابر ہوجائیں)

وَالَّذِیۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ یعنی وہ امانتیں اور وہ وعدے جو اللہ تعالیٰ سے یا بندوں سے کئے جائیں یعنی انھیں امانتوں پر امین مقرر کیا جائے از جانب مخلوق ، یا وہ امانات اللہ تعالیٰ کی ہوں ، جیسے نماز ، روزہ ، غسل جنابت ۔ ایسی امانات کی پابندی لازم ہے ۔

الامانۃ وہ شے جس کی انسان حفاظت کرے ۔ اور عھد شے کو ہر حال میں محفوظ رکھنا اور وہ معاہدہ جس کی مراعات ضروری ہو ، اسے بھی عھد کہتے ہیں ۔

رَاعُوۡنَ یعنی ان پر وہ قایم ہیں اور اصلاح کے ارادہ پر ان کی نگرانی کرتے ہیں ۔

تفسیرِ صوفیانہ (والّذین ھم لامٰنٰتھم وعھدھم) تاویلات النجمیہ میں ہے کہ امانت سے وہی امانت مراد ہے جسے انسان نے ازل میں اٹھانے کا عزم ظاہر کیا۔ یعنی وُہ فیضِ الٰہی جسے انسان نے ازل میں بلاواسطہ قبول کیا اور یہ وہی اعزاز و اکرام ہے جس کی وجہ سے انسان جملہ مخلوق سے ممتاز اور مکرم و معظم قرار پایا۔ اور عہد سے وہ عہد مراد ہے جو انسان نے روزِ میثاق اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرے گا۔ کما قال:

وان اعبدونی ھذا صراط مستقیم۔

اور راعون کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اماناتِ ظاہرہ و باطنہ میں خیانت نہیں کرتے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت کرتے ہیں۔ غیر اللہ کی عبادت میں سب سے مبغوض ترین خواہشاتِ نفسانی کا مرتکب ہونا ہے۔

ف: حضرت محمد بن الفضل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انسان کے سارے اعضاء اس کے ہاں امانت ہیں اور وہ اس طرح کہ جس عضو کے لیے جو حکم ہوا ہے اسی کو اسی پر استعمال کرنا۔ مثلاً آنکھ کو محارم کے دیکھنے سے بند رکھنا اور نظر کو عبرت میں لگانا اور کان کو لغویات اور بُری باتوں کے سننے سے بچانا اور اسے مجالسِ ذکر میں لگانا اور زبان کی امانت غیبت و بہتان سے بچا کر ذکرِ الٰہی میں مصروف رکھنا اور پاؤں کی امانت یہ ہے کہ اسے طاعاتِ الٰہی کی طرف لے جانا اور معاصی سے دور رکھنا۔ اور منہ کی امانت یہ ہے کہ صرف حلال شے کھانا۔ اور ہاتھ کی امانت یہ ہے کہ اسے حرام کی طرف نہ پھیلانا اور نیکی سے نہ روکنا۔ اور قلب کی امانت ہر وقت اسے مراعاۃ حق میں مصروف رکھنا، یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی تصور نہ ہو اور نہ ہی غیر کا مشاہدہ کر سکے اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ کے سوا سکون ملے۔

تفسیرِ عالمانہ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ اور وہ لوگ اپنی فرض نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔ یعنی انھیں شرائط و آداب کے ساتھ اوقاتِ معیّنہ میں ادا کرتے ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ نماز کی اس لیے محافظت کرتے ہیں تاکہ نمازوں میں صورۃ و معنیٰ خلل واقع نہ ہو اور صفِ اوّل میں حضورِ قلب پر صورۃ و معنیٰ پوری نگرانی کرتے ہیں۔

حدیث شریف جو شخص پہلی صف میں امام کے پیچھے بالمقابل کھڑا ہو اسے ایک سو نیکی کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور جو دائیں طرف کھڑا ہو اسے پچھتر نیکیوں کا، اور جو بائیں جانب ہو اسے پچاس کا۔ اور جو دوسری صفوں میں ہو اسے پچیس کا۔ (کذا فی شرح المجمع)

ف: صفِ اوّل والے امام کے حال سے زیادہ باخبر ہوتے ہیں، اسی لیے وہ بہ نسبت دوسروں کے متابعتِ امام میں سبقت کرنے والے ہیں۔ اسی لیے ان کا اجر و ثواب بھی زیادہ ہے۔ (کذا فی شرح المشارق لابن الملک)

حدیث شریف جو لوگ مسجد میں پہلے زمرہ میں داخل ہوں وہی صفِ اوّل والے ہیں اگرچہ وہ مسجد کے کسی کونے میں نماز پڑھیں۔ (کذا فی خالصۃ الحقائق)

ف : لفظ یحافظون ہیں تجدّد و تکرّر ہے۔ اسی لیے صلوات کا صیغہ جمع لایا گیا ہے۔ خشوع کے ذکر کے بعد محافظت سے تکرار لازم نہیں آتا اس لیے کہ محافظت ایک علیحدہ فضیلت ہے۔

نکتہ : حضرت کاشفی نے لکھا کہ لفظ صلوٰۃ کو مضمون ہذا کے اوّل و آخر میں لانے میں نماز کی عظمت کا اظہار ہے۔

تفسیر عالمانہ اُولٰٓئِكَ یہ اشارہ ان مومنوں کی طرف ہے جن کے اوصاف جلیلہ اوپر مذکور ہوئے۔ یعنی وہ مومن جو ان چھ اوصاف جلیلہ سے موصوف ہیں هُمُ الْوٰرِثُوْنَ وہی اس لائق ہیں کہ صرف انہیں بہشت کا وارث سمجھا جائے۔ ورنہ دوسرے لوگ اگر وارث کہلاتے ہیں تو وہ اچھے مال و اسباب اور ذخائر اور بہترین ترکہ کی وجہ سے۔ الورثۃ یعنی کسی کو کسی کا مال بلا عقد منتقل کرنا اور عقد کے قایم مقام انتقالِ مال کا موجب ہو۔ جیسے میت کا مال منتقل ہوگا اسے وارث اور جو شے منتقل ہو گی اسے میراث سے تعبیر کیا جائے گا۔ اَلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط یہ لفظ ما کا بیان ہے کہ یعنی وہ لوگ جس شے کے وارث بنیں گے وہ جنۃ الفردوس ہے پہلے وراثت کو مطلقاً اور ابہام کے طور پر ذکر فرمایا ہے اس کے بعد اس کی تفسیر فرمائی۔ اس سے اس کی عظمت اور بزرگی کا اظہار مطلوب ہے۔

ف : یہ ان کے مستحق ہونے سے استعارہ کیا گیا ہے۔ یعنی وہ جنۃ الفردوس کے مستحق صرف اعمالِ صالحہ کی وجہ سے ہیں۔ جیسا کہ اس کا وعدہ کریمہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو اعمال صالحہ کے بدلے جنۃ الفردوس عطا فرمائے گا اور اسے وراثۃ سے تعبیر کرنے ہیں مبالغہ مطلوب ہے۔ وہ اس لیے کہ شے کی ملکیت کا اعلیٰ سبب وراثت ہے اور وہ ایسی ملکیت ہے کہ نہ وہ رد ہو سکتی ہے اور نہ منسوخ۔ نہ اس میں اقالہ ہوتا ہے اور نہ اسے توڑا جا سکتا ہے۔

هُمْ فِيْهَا ضمیر ھا کا مرجع فردوس ہے بایں معنیٰ کہ وہ جنت کا نام ہے یا وہ چونکہ طبقۂ علیا ہے اسی بنا پر اس کے لیے مونث کی ضمیر موزوں ہوئی۔ در اصل وہ ایک باغ ہے جو جملہ ثمرات پر مشتمل ہے۔

روایت مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس تیار فرمائی تو اس کی ایک اینٹ سونے کی اور دوسری چاندی کی، اور اس کے درمیان میں خالص مشک ڈالی گئی اور اس میں بہترین میوہ جات اور اور اعلیٰ قسم کے پھول بوئے۔

خٰلِدُوْنَ ○ خلود در اصل اس شے کو کہا جاتا ہے جسے فساد عارض نہ ہو اور اس حالت پر قائم ہو جس حالت پر اسے ابتداءً بنایا گیا اور بہشت میں خلود کا مطلب بھی یہی ہے کہ بہشت کی جملہ اشیاء جس حالت میں پیدا کی گئیں وہ اسی حالت پہ ہمیشہ رہیں گی ان میں تغیر و تبدّل اور فساد عارض نہ ہو گا۔

تفسیرِ صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الفردوس قربِ الٰہی کے ایک اعلیٰ مرتبے کا نام ہے جن کے قلوب مُردہ ہو چکے ان کے یہ مراتب انھیں ملیں گے جن کے دل زندہ ہیں ۔ اس معنی پر انھیں وراثت سے تعبیر فرمایا ہے ۔

ف : تفسیر الفاتحہ للمولانا الفناری رحمہ اللہ الباری میں ہے :

جنان تین ہیں :

(۱) جنۃ الاختصاص

یہ وہ جنّت ہے جس میں وہ بچّے داخل ہوں گے جو عمل کرنے کے سِن تک پہنچنے سے پہلے فوت ہو گئے ۔ یہ پیدائش سے لے کر چھ سال تک ہے ۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہے گا یہ جنت عطا فرمائے گا ۔ اس جنت میں مجنونوں کو بھی داخل کیا جائے گا یعنی وہ لوگ جو عقل سے فارغ ہو کر زندگی بسر کر گئے ۔ اس جنت میں اہلِ توحید علمی کو بھی داخل کیا جائے گا اور اہل فترات اور ان لوگوں کو بھی جنھیں کسی نبی اور رسول علیہ السلام کی دعوتِ اسلام نہیں پہنچی ۔

(۲) جنۃ المیراث

یہ بھی ان لوگوں کو نصیب ہوگی جو اوپر مذکور ہوئے اور دیگر اہلِ ایمان کو بھی ۔

ف : یہ جنت دراصل اہلِ نار کے لیے تھی لیکن وہ کفر کی نحوست سے محروم ہُوئے تو وراثۃً اہلِ ایمان کو عطا فرمائی گئی ۔

(۳) جنۃ الاعمال

یہ جنت اعمال کے مطابق نصیب ہو گی جس کے اعمال اچھے ہوں گے ان کو اچھا مقام نصیب ہوگا ۔ ہر صاحبِ فضیلت کو اسی کے مطابق ملے گا ۔ اگر کسی دوسری وجہ سے وہ کسی سے کم درجہ ہوگا تو اسے اسی کمی کے مطابق کمتر درجہ ملے گا ۔

حضرت بلالؓ جُوتے سمیت بہشت میں حدیث صحیح میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا :

میں بہشت کے جس مقام پر پہنچا وہاں میں نے تیرے جُوتے کی آہٹ سُنی اس کی وجہ کیا ہے ؟ عرض کی : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! جب میں بے وضو ہوتا ہوں تو فوراً وضو کر لیتا ہُوں اور ہر وضو کے بعد دوگانہ پڑھتا ہوں ۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا : یہ اسی دوگانہ کی برکت ہے ۔

ف : اس حدیث صحیح سے معلوم ہُوا کہ ہر نیک عمل کے لیے مخصوص جنت اور مخصوص نعمت نصیب ہوگی ۔

خلاصہ یہ کہ ہر فرض ونفل اور ہر نیک کام پر، اسی طرح ہر حرام ومکروہ کے ترک پر مخصوص جنّت ومخصوص نعمت حاصل ہوگی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر صاحبِ فضیلت کو مخصوص مراتب نصیب ہوں گے۔ اس لیے کہ جو چاہے کہ اسے قیامت میں اعلیٰ مراتب وبلند منازل نصیب ہوں تو اسے زیادہ سے زیادہ نیکی کرنی چاہیے۔ ہماری یہ تقریر قرآنی مضمون کے مطابق ہے کہ اہلِ ایمان کفار کی جنّت کے وارث ہوں گے بایں معنیٰ کہ کفار نے اپنے مراتب کفر وشرک سے ضائع کیے تو وہ مراتب اہلِ ایمان کو عطا کر دئے گئے۔ دراصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی ایک منزل بہشت میں اور ایک منزل دوزخ میں پیدا فرمائی۔ اسی لیے حضرت کاشفی نے لکھا کہ بہشت کے منازل اہلِ ایمان میں اور دوزخ کے منازل اہلِ دوزخ میں وراثۃً تقسیم ہوں گے۔

ف : زاد المسیر میں لکھا ہے کہ قیامت میں کفار کو بہشت کی منزلیں دکھا کر کہا جائے گا کہ اگر دنیا میں تم ایمان لاتے تو تمھیں یہ مراتب نصیب ہوتے۔ کفار کو اس منظر سے حسرت ہوگی ؎

نظر از دور در جانان بدان ماند کہ کافر را
بہشت از دور بنمایند وآن سوز دگر باشد

ترجمہ : دُور سے محبوب کا منظر ایسے ہے جیسے کافر کو دُور سے بہشت کا منظر بہت خوشنما نظر آئے گا۔

دعا : اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو جنت الفردوس کے وارث اور اس کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوں گے اور اس کی نسیم کو سُونگھیں گے۔ اور ہمیں ان اسباب سے بچا جو دوزخ میں لے جانے والے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ یہ لام قسم کا جواب ہے، یعنی بخدا ہم نے انسان کی جنس کو پیدا فرمایا مِنۡ سُلٰلَةٍ ۔ سل الشی من الشیٔ سے مشتق ہے بمعنے نزع، جیسے سل السیف من الغمد اور سل الشیٔ من البیت یعنی شے گھر سے جدا ہوگئی۔ اور کہا جاتا ہے :

سل الولد من الاب ۔ (بیٹا باپ سے جُدا ہوگیا)

اسی معنے پر بچّے کو سلیل کہا جاتا ہے۔ اور سلالہ اس شے کا نام ہے جو کسی شے سے جُدا ہوئی ہو اس لیے کہ فعالہ کا وزن اس شے کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی دوسری شے سے حاصل ہوئی ہو۔ کبھی وہ مقصود ہوتی ہے جیسے خلاصہ، اور کبھی غیر مقصود جیسے قلامہ وکناسہ۔ اور سُلالہ پہلی قسم سے ہے اس لیے کہ اسے جس شے سے جُدا کیا جاتا ہے یہی مقصود ہوتی ہے۔ آیت ہذا میں مِن ابتدائیہ اور خلق کے متعلق ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ من خلاصہ سلت من بین الکدر۔ (کذا فی الجلالین)

مِنۡ طِیۡنٍ ۚ مِن بیانیہ ہے اس کا متعلق محذوف سلالۃ کی صفت ہے۔ عبارت یوں تھی : من

سلالۃ کائنۃ من طین یعنی وہ خلاصہ جسے مٹی سے علیحدہ کیا گیا ہے۔ اور الطین بمعنی التراب والماء المختلط بہ یعنی مطلق مٹی یا وہ جس میں پانی ملایا جائے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ انسان کی مٹی روئے زمین سے جُدا کی گئی جس میں اچھی اور شور اور نرم اور سخت اور مختلف رنگ اور متفاوت طبائع کے ذرات تھے۔ اسی وجہ سے ان کے مختلف رنگ اور مختلف اخلاق ہیں کیونکہ ان میں ان کی طبیعتوں میں مٹی کے خواص رکھے گئے ہیں۔ مثلاً بہیمیت، سبعیت، شیطنت اور ملکیت۔ یعنی صفاتِ مذمومہ و محمودہ سے انھیں مرکب کیا گیا ہے۔ صفاتِ مذمومہ میں سے حرص چُوہے اور چیونٹی سے، اور شہوت چڑیا سے اور غضب چیتے اور شیر سے، اور تکبّر بھیڑیے سے، اور بخل کُتّے سے، اور شر خنزیر سے اور کینہ سانپ سے، وغیرہ۔ اور صفات محمودہ میں سے جیسے بہادری شیر سے، اور سخاوت مُرغ سے اور قناعت اُلّو سے اور حوصلہ اُونٹ سے، اور تواضع بلّی سے اور وفا کُتّے سے اور علی الصبح بیداری کوّے سے اور ہمّت باز اور کچھوے سے، وغیرہ۔ یہ تمام صفات مذمومہ و محمودہ آدم (علیہ السلام) میں بطور امانت رکھ دی گئیں۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ پھر ہم نے جنسِ انسان کو بنایا۔

ف : ہم نے جنس کی قید اس لیے لگائی ہے کہ انسان باعتبار افراد کے آدم علیہ السلام سے متغایر ہیں۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی نسلہ۔ اس معنے پر اس سے آدم علیہ السلام مراد ہوں گے اس لیے کہ آدم علیہ السلام کو زمین کے خلاصہ اور صاف شدہ ٹکڑے سے تیار کیا گیا۔

نُطْفَةً ہم نے انسان کو نطفہ سے بنایا۔ دراصل نطفہ صاف ستھرے پانی کو کہا جاتا ہے۔ اور عرفِ عام میں انسان کے مخصوص پانی یعنی منی کو کہتے ہیں۔ فِيْ قَرَارٍ قرارگاہ میں، یعنی رحم میں۔ اسے مصدر سے تعبیر کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے مَّكِيْنٍ ۝ بمعنے حصین۔ یہ قرار کی صفت ہے جیسے طریق سائر میں سائر طریق کی صفت ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے اسے ایسی قرارگاہ میں رکھا جو بہت محفوظ اور مضبوط ہے۔ یعنی رحم میں۔ اور وہ چالیس دن اسی اپنی اصلی شکل (سفید) میں رحم کے اندر محفوظ پڑا رہا۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً پھر ہم نے نطفے کو علقہ بنایا یعنی ہم نے اس سفید پانی کو سُرخ رنگ کی پُھٹکی میں تبدیل کیا۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ علقہ جامد خُون کو کہا جاتا ہے اسی لیے تخلیق انسانی میں نطفہ جب خون کی شکل اختیار کرتا ہے تو اسے علقۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً۔ المضغۃ گوشت کے اس ٹکڑے کو کہا جاتا ہے جسے چبایا جائے۔

یعنی ہم نے علقہ کو مضغہ بنایا، جس میں کسی قسم کا اظہار اور امتیاز نہ تھا۔
ف : کاشفی نے لکھا کہ چالیس روز اسی علقہ کو اسی صورت میں رکھا پھر چالیسویں روز علقہ سے مضغہ ہوا۔
فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ پھر ہم نے اس مضغہ کے اکثر اور معظم حصہ کو بنایا **عِظٰمًا** ہڈیاں ۔ وہ تینتالیسویں دن کے بعد ہوا ۔ یعنی اسی عمودی شکل میں انسانی ہیأت واوضاع کا ڈھانچہ تیار کیا جس طرح ہماری حکمت کا تقاضا تھا **فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ** ہم نے انہی مخصوص ہڈیوں کو **لَحْمًا** گوشت چڑھایا مضغہ کے بقایا سے ۔ یعنی اس ڈھانچے کی ہڈیوں کو ویسا ہی گوشت پہنایا جیسا ان کے لیے مناسب تھا، اور ہیأت مخصوصہ میں اسے تیار کیا ۔ یعنی رگیں اور اعصاب واوتار وعضلات تیار کرنے کے بعد اس پر گوشت چڑھایا ۔
ف : واؤ کا عطف استحالات کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے ۔ ایسے ہی عِظام صیغہ جمع بھی ہڈیوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے ۔
ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ ۔ الانشاء بمعنے شے کا پیدا کرنا اور اسے مرتب کرنا اور اس کا اکثر استعمال حیوان کے لیے ہوتا ہے **خَلْقًا اٰخَرَ** پھر ہم نے رُوح پھُونک کر اسے ایک اور تخلیق بخشی ۔ یعنی روح پھونک کر اسے موجود کیا جبکہ اس سے قبل وہ معدوم تھا یا اس سے دانت اور بال وغیرہ کی شکل وصورت بنانے کی طرف اشارہ ہے یا اس سے مراد یہ ہے کہ ماں کے پیٹ سے باہر آنے کے بعد ہم نے اسے دُودھ پینے اور دُودھ چھڑانے پھر مختلف غذاؤں کی تربیت اور پھر اس کے چلنے پھرنے اور حدِ بلوغ تک پہنچنے اور جوانی کے دَور سے گزرنے اور بڑھاپے تک پہنچنا مراد ہے ۔
ف : ہر خلقۃ کے درمیانی دور میں ایک عرصہ گزر جانے کی وجہ سے ثُمّ لایا گیا ہے ۔
مسئلہ : امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی آیت سے استدلال کیا ہے کہ جس نے کسی سے انڈہ چھین کر اس سے بچہ نکلوایا تو اس پر غصب کی ادائیگی انڈے کی قیمت سے ہوگی کیونکہ بچہ نکلوانا تخلیق ثانی ہے ۔
سوال : اسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو مختلف اطوار سے کیوں پیدا فرمایا اگر اسے دفعۃً واحدۃً پیدا فرماتا تو قدرت کے اظہار کے لیے موزوں تر ہوتا اور اس پر یہ اعتراض بھی نہ ہوتا کہ وہ اسباب کا محتاج ہے (معاذاللہ)
جواب : تقلیب الاعیان اور اختراع الاعیان کے بعد تخلیق در تخلیق قدرت کے اظہار کے لیے موزوں تر ہے ۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کو نطفہ متماثلۃ الاجزاء سے پھر مختلفۃ المراتب اور متفاوت الدرجات مثلاً گوشت اور ہڈیوں اور خون اور چمڑے اور بالوں وغیرہ سے پیدا کرکے ہر ایک جزو کو عجیب ترکیب اور اختصاص غریب مثلاً آنکھ، کان، لمس، ذوق، شم، چلنا پھرنا و دیگر کوائف سے تیار فرمایا ۔ یہی طریقہ اس کی کمال الوہیت و قدرت پر زیادہ دلالت کرتا ہے ۔

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اور برکت والا ہے اللہ تعالیٰ، اس کی شان بلند ہے۔ قربان اس کے علم شامل اور قدرت کامل پر اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۝ وہ احسن الخالقین ہے اس لیے کہ احسن المخلوقین کو پیدا فرمایا۔ یہ لفظ اللہ سے حال ہے اور خالقین خلق بمعنے تقدیر ہے اور اس کا ممیز یعنی خلقاً مقدر ہے۔ لفظ خٰلِقِیْن اس کے مقدر ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

سوال: اسئلۃ المتحمہ میں ہے کہ یہاں سے معتزلہ کے عقیدے کا اثبات صحیح ہے جبکہ وہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو احسن الخالقین فرمایا ہے۔

جواب: ہم نے پہلے بھی کہا ہے کہ یہاں خلق اپنے معنے میں نہیں۔ اب پھر سُن لیجئے کہ احسن الخالقین بمعنے احسن المصورین ہے اس لیے کہ مصوّر (فوٹوگرافر) مخلوق (یعنی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ صورت وشکل کے مطابق کی تصویر[1] (فوٹو) کھینچتا ہے۔ لیکن وُہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو نہیں پہنچ سکتا اس لیے کہ وہ خالق اسی ڈھانچے میں رُوح پھونکتا ہے اور تصویر کھینچنے والے (فوٹوگرافر) کو یہ طاقت کہاں! اور قرآن مجید میں خلق

---

[1] تصویر (فوٹو) کھینچنا اور کھچوانا سخت حرام ہے لیکن افسوس کہ ہمارے دور میں اس گناہِ عظیم میں بڑے بڑے پیر اور مولوی بھی مبتلا ہیں (الا من رحم) عوام وحکام اور دیگر لیڈر بیچاروں کا کیا کہنا۔ افسوس تو یہ ہے کہ ان میں بعض مولویوں اور اکثر لیڈروں کی عورتیں بھی اسی مرض کا شکار ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ اس گندے فعل کے ارتکاب پر احساسِ زیاں تک نہیں، فخریہ انداز میں اس کی نشر واشاعت کی جا رہی ہے۔ ستم بالائے ستم تو یہ ہے کہ اس بیماری سے بچنے والے اور اسے غلط کہنے والے کو مطعون کیا جاتا ہے۔ فقیر نہایت ادب سے اپنے دَور کے سجادہ نشینوں، پیروں، فقیروں، مولویوں، لیڈروں، عوام اور حُکام سے عرض کرتا ہے کہ خدارا اس لعنت سے بچئے اور اپنے اندر خوفِ خدا پیدا کرکے اُمتِ مصطفویہ کو بچائیے۔ اگر آپ کی بدستور یہی کیفیت رہی تو پھر دین کا خدا حافظ۔

لیکن جناب! یہ ذہن نشین فرمالیں کہ آقائے کونین محبوبِ رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذیل میں درج بیان کردہ سزائیں رائیگاں نہیں جائیں گی ان پر عملدرآمد ضرور ہوگا۔ چند احادیثِ مبارکہ ملاحظہ ہوں:

۱۔ ہر تصویر پر عذاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ہر مصوّر (تصویر بنانے والا) جہنمی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر تصویر کے بدلے میں جو اس نے بنائی ایک مخلوق پیدا کرے گا، وہ اسے جہنم میں عذاب کرے گی۔ (بخاری ومسلم ومسند امام احمد)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

بمعنے تصویر استعمال ہوا ہے۔ کما قال تعالیٰ ؛ واذ تخلق من الطین کہیئۃ الطیر۔ بمعنے اذ تصور، یعنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸)

۲۔ سخت سزا

انھیں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : بے شک نہایت سخت عذاب روزِ قیامت تصویر بنانے والوں پر ہے۔ (بخاری و مسلم)

۳۔ بڑا ظلم

انھیں میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : اللہ عزّ وجل فرماتا ہے اس سے بڑھ کر ظالم کون جو میرے بنائے ہوئے کی طرح بنانے چلے، بھلا کوئی چیونٹی یا گیہوں یا جَو کا دانہ تو بنا دیں۔ (بخاری و مسلم)

۴۔ جان ڈالو

بخاری و مسلم و نسائی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بے شک جو تصویریں بناتے ہیں قیامت کے دن عذاب کیے جائیں گے اُن سے کہا جائے گا یہ صورتیں جو تم نے بنائی تھیں ان میں جان ڈالو۔

۵۔ عذاب اٹھاؤ

مسند امام احمد و صحیحین و سنن و نسائی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کوئی تصویر بنائے تو بے شک اللہ تعالیٰ اُسے عذاب دے گا یہاں تک کہ وہ اس میں رُوح پھُونکے اور وہ نہ پھُونک سکے گا۔

۶۔ تین فرقے

مسند احمد و جامع ترمذی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں؛ قیامت کے دن جہنم سے ایک گردن نکلے گی جس کی دو آنکھیں ہوں گی، دیکھنے والی۔ اور دو کان سننے والے اور ایک زبان کلام کرتی، وہ کہے گی میں تین فرقوں پر مسلط کی گئی ہوں۔ جو اللہ کا شریک بنائے اور ظالم ہٹ دھرم اور تصویر بنانے والوں پر۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

اے عیسیٰ (علیہ السلام) ! جب تم تصویر بناتے تھے گارے سے پرندے کی شکل میں ...... الخ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹)

۷۔ پانچ مجرم

حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بے شک روزِ قیامت سب دوزخیوں میں زیادہ سخت عذاب اس پہ ہے جس نے کسی نبی کو شہید کیا یا کسی نبی نے جہاد میں اسے قتل فرمایا، یا بادشاہ ظالم، یا جو شخص بے علم حاصل کیے لوگوں کو بہکانے لگے اور جو تصویریں بناتا ہے۔

۸۔ پانچ دیگر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بے شک روزِ قیامت سب سے زیادہ سخت عذاب میں وُہ ہے جو کسی نبی کو شہید کرے، یا کوئی نبی اسے جہاد میں قتل فرمائے، یا جو اپنی ماں یا باپ کو قتل کرے، اور تصویر بنانے والے پر، اور عالم جو علم پڑھ کر گمراہ ہو۔ (بیہقی شریف)

۹۔ پردہ کی تصویر

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (دروازے پر تصویردار) پردہ اتار کر پھینک دیا اور فرمایا: اے عائشہ رض! اللہ تعالیٰ کے یہاں سخت تر عذاب روزِ قیامت ان مصوّروں پر ہے جو خدا کے بنائے ہوئے کی نقل کرتے ہیں۔ ان کو روزِ قیامت کہا جائے گا یہ جو تم نے بنایا ہے اس میں جان ڈالو۔ اور فرمایا کہ جس گھر میں یہ تصویریں ہوتی ہیں اس میں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔ (بخاری، ابنِ ماجہ)

۱۰۔ تصویر کا سر کاٹ دیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے پاس جبرائیل علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کی، حضور مورتوں کے لیے حکم دیں کہ ان کے سر کاٹ دیے جائیں پیڑ کی طرح رہ جائیں۔ اور تصویردار پردے کے لیے حکم فرمائیں کہ کاٹ کر دو مسندیں بنالی جائیں کہ زمین پر ڈال کر پاؤں سے روندی جائیں۔ (ترمذی)

۱۱۔ ملائکہ رحمت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرائیل امین نے عرض کی، تین چیزیں ہیں کہ جب تک ان میں سے ایک بھی

(باقی ص ۲۱ پر)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے ثُمَّ اَنشَانٰہُ خَلقًا اٰخَر یعنی ہم نے تمھیں اس مخلوق سے دوسرے طریقے سے پیدا فرمایا کیونکہ تم احسن تقویم اور استعداد کے لحاظ سے اکمل اور تکریم و تعظیم کے لحاظ سے اعلیٰ اور فضیلت کی وجہ سے مخصوص ترین ہو اس لیے انسانی تخلیق پر اپنی مدح و ثنا فرمائی۔ کما قال:

(بقیہ حاشیہ ص ۲۰)
گھر میں ہوگی کوئی فرشتہ رحمت و برکت اس گھر میں داخل نہ ہوگا، ان میں سے ایک کُتا، دُوسرا جنبی، تیسری جان دار کی تصویر ہے۔ (احمد، نسائی، ابنِ ماجہ)

۱۲۔ تصویر توڑ دیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس چیز میں تصویر (جان دار) ملاحظہ فرماتے اسے بے توڑے نہ چھوڑتے۔ (بخاری و ابو داؤد)

۱۳۔ تصویر مٹادو

حضور سیدعالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنازے میں تھے، حضور نے ارشاد فرمایا: تم میں سے ایسا کون ہے کہ مدینہ جاکر ہر بُت کو توڑ دے اور ہر قبر کو برابر کر دے [۱] (جو شرع کے خلاف ہو) اور ہر تصویر کو مٹا دے۔ (امام احمد بسندِ جیّد)

۱۴۔ فوٹوگرافر ملعون

حضور سیدعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے ذی رُوح کی تصویر بنائی وہ لعنتی ہے۔ (جامع صغیر)

۱۵۔ اللہ کی مار

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ کی مار اس قوم پر جو ان چیزوں کی مصوّری کرتی ہے جنھیں بنا نہیں سکتی۔ (جامع صغیر)

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے (احادیث مذکورہ بالا میں) ذی روح کی تصویر بنانا، بنوانا، اعزازاً اپنے پاس رکھنا سب حرام فرمایا اور اس پر سخت وعیدیں ارشاد کیں اور اُن کو دُور کرنے اور مٹانے کا حکم دیا۔ مسلمان بنظرِ ایمان دیکھے کہ صحیح وصریح حدیثوں میں اس پر کیسی سخت سخت وعیدیں فرمائی گئیں۔ اور یہ تمام (باقی برصفحہ ۲۲)

---

[۱] یہ احکام عوام کے لیے تھے خواص اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (فتاویٰ شامی) تفصیل مطولات میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

فتبٰرك الله احسن الخالقين چونکہ انسان احسن المخلوقین ہے اسی لیے اس کا خالق احسن الخالقین ہے، انسان احسن الخالقین اس لیے ہے کہ اسے اپنی معرفت کا سرچشمہ اور محبت و عشق کا مرکز اور عنایت و رحمت کا مخزن بنایا۔

(بقیہ حاشیہ ص ۲۱)

احادیث شامل محیط کامل ہیں جن میں اصلاً کسی تصویر کی کسی طریقہ کی تخصیص نہیں۔ شرع مطہر میں زیادہ شدت عذاب تصویر کی تعظیم ہی پر ہے۔ اور خود ابتداءِ بت پرستی انھیں تصویراتِ معظمین سے ہوئی۔ قرآن کریم میں جو پانچ بتوں کا ذکر سورہ نوح (علیہ السلام) میں فرمایا وہ (۱) ود (۲) سواع (۳) یغوث (۴) یعوق (۵) نسر تھے یہ پانچوں بندگانِ صالحین تھے کہ لوگوں نے ان کے انتقال کے بعد باغوائے ابلیس لعین ان کی تصویریں بنا کر مجلسوں میں آویزاں کیں پھر آنے والی نسلوں نے انھیں معبود سمجھ لیا (اور تصویروں کی پوجا شروع کر دی)

خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

بدترین خلق "جب ان میں کوئی نیک بندہ، نبی یا ولی انتقال کرتا تو اس کی قبر پہ مسجد بنا کر اس میں (تبرکاً) اس کی تصویر لگاتے یہ لوگ بدترین خلق ہیں"۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

صحیح صریح احادیث کے مطابق تصویر خواہ دستی ہو یا مشینی (کیمرہ وغیرہ) سب کی سب حکمِ حرمت (حرام ہونے) میں برابر ہیں اور کبیرہ گناہ ہیں اور کسی طرح بھی جائز نہیں اور قرآن و حدیث میں ان کے جواز کی کوئی گنجائش موجود نہیں اور اس گھر میں واقعی رحمت کے فرشتے نہیں آتے اور وہ گھر بے برکت ابتلائے مصائب ہوتا ہے۔ بس تقوٰی اور عزیمت اسی میں ہے کہ تمام معاشرتی، معاشی اور اخلاقی برائیوں کے خلاف بھرپور جنگ کی جائے۔ یہ بات خوب سمجھ لینی چاہئے کہ کسی برائی اور گناہ کے عام ہو جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ گناہ اور برائی جائز ہو گئی ہے۔ نہیں نہیں وہ گناہ گناہ اور برائی برائی ہی رہتی ہے البتہ گناہگاروں کی تعداد میں اضافہ ضرور ہو جاتا ہے۔ کسی قانونی مجبوری سے بھی شریعت کے احکام کی قلبِ ماہیت نہیں ہوتی۔ شریعت کا ہر حکم ناقابلِ ترمیم ہے۔ لا تبدیل لکلمات اللہ۔ الآیۃ۔ شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام حکومت اور عوام کے طرزِ عمل کی محتاج نہیں کہ کون کیا کرتا ہے۔ اور معاشرہ ان کے ہمنوا ہے یا نہیں۔ تصویر بہر نوع بہرحال از روئے شریعت حرام اور گناہِ کبیرہ ہے۔ اس گئے گزرے دور میں آرٹ اور تصویروں سے بچنے سے یقیناً حسنات میں اضافہ اور اس کے اجر و ثواب میں برکت ہوگی۔

سوال : بعض لوگ کہتے ہیں کہ احادیث مبارکہ میں ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر کی ممانعت ہے نہ کہ کیمرہ سے کھینچی ہوئی کی۔

جواب : فوٹو گرافی اور مصوری میں کوئی فرق نہیں کیا جا سکتا۔ اور ممانعت چونکہ جاندار اشیاء کی تصویروں کی ہے

(باقی بر صفحہ ۲۳)

یوں سمجھیے کہ عرش، کرسی، لوح وقلم اور ملائکہ اور نجوم اور ساتوں زمینوں اور ساتوں آسمانوں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں عزیز ترین انسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی دوسری تمام مخلوقات کی تخلیق پر فتبارك الله احسن الخالقین نہیں فرمایا۔ یہ صرف انسانی تخلیق پر ارشاد ہوا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان اللہ کی بے نظیر مخلوق ہے ؎

بر ورق روئے لطفِ الٰہ
آئینۂ حسن کہ تحریر کرد

ترجمہ: ہر پتے پر لطفِ الٰہی ہے کہ اس نے اس کے اس کے آئینہ پر حسن کا نقشہ کھینچا ہے۔

اور مثنوی میں ہے: ؎

۱ اے رخ چوں زہرہ است شمس الضحیٰ
اے گدائے رنگ تو گلگونہا

۲ تاج کرمناست بر فرق سرت
طوق فضلنا ست آویز برت

ترجمہ: (۱) تیرا چہرہ زہرا کی طرح روشن ہے تیرے رنگ تمام رنگ والے گداگر ہیں۔
(۲) تیرے سر پر کرّمنا کا تاج ہے اور تیرے گلے میں فضّلنا کا طوق ہے۔

؎

ہیچ کرمنا شنید ایں آسماں
کہ شنید آں آدمئ پُر غماں

(بقیہ حاشیہ ص ۲۲)
اس لیے تمام تصویریں حرام رہیں گی۔ خواہ وُہ فحش ہوں یا غیر فحش، البتہ فحش تصویر میں ایک وجہ حرمت کی اور بڑھ جاتی ہے۔ مشائخ وعلماء و لیڈروں کی تصویریں اور جلسوں جلوسوں کی تصویریں کسی طرح بھی جائز نہیں۔ خصوصاً لیڈروں کی تصویریں تو بندگانِ خدا کو اس خطرہ سے بہت ہی قریب پہنچا دیتی ہیں جس کی وجہ سے تصویر کو حرام قرار دیا گیا۔

خلاصہ یہ کہ شریعتِ اسلامیہ میں جاندار کی تصویر بنانا مطلقاً معصیت (گناہ) ہے خواہ کسی کی تصویر ہو خواہ مجسمہ ہو یا غیر مجسمہ، شریعت نے تصویر کشی کو حرام قطعی اور اس کے استعمال کو نا جائز قرار دیا ہے۔
اس مسئلہ کی مزید تحقیق فقیر کی کتاب اسؤ العزیز فی تصویر التصویر میں دیکھیے۔
(اویسی غفرلہٗ)

ترجمہ : آسمان نے ایسا کر منا نہیں سنا اگر سنا ہے تو اس آدمی پر غم کے لیے۔

۱ احسن التقویم در والتین بخواند
کہ گرامی گو ہر ست اے دوست جاں
۲ گر بگویم قیمت آں ممتنع
گر بسوزم ھم بسوزد مستمع

ترجمہ : (۱) احسن تقویم سورۂ والتین میں فرمایا اے جانِ من ! یہ گراں قدر جوہر ہے۔ (۲) اگر کوئی قیمت بتاؤں تو ناممکن ہے۔ اگر سناؤں تو سننے والا جل کر راکھ ہو جائے۔

نکتہ : بعض اہلِ وجدان نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کے مراتب و درجات مختلفہ بیان فرمائے ، انھیں سُن کر گویا انسانیت حیران ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی جس کی ترجمانی خود خالقِ کائنات نے فتبارك الله احسن الخالقین سے فرمائی۔

گستاخ اور عاشقِ رسولؐ کے درمیان فرق

مروی ہے کہ عبداللہ بن سرح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی مبارک لکھتا تھا ، اور آیاتِ مذکورہ کے نزول کے وقت وہی کاتبِ وحی تھا ، جونہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا "خلقاً اٰخر" تو اس کے منہ سے نکلا فتبارك الله احسن الخالقين ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اے عبداللہ ! اسے لکھ دے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی اسی طرح نازل ہوا ۔ کاتب کو بدگمانی ہوئی اور کہا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اگر منجانب وحی نازل ہوتی ہے تو مجھ پر بھی ہوتی ہے ۔ اسی بدگمانی سے وہ مرتد ہو کر مکہ معظمہ چلا گیا ۔ پھر فتح مکہ کے موقعہ پر دوبارہ اسلام میں داخل ہوا ۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ کافر ہو کر مرا[1] (اب ایک عاشقِ رسول کی سُنیے)

مروی ہے کہ جب یہی آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا فتبارك الله احسن الخالقين ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے رب تعالیٰ سے ایسے ہی وحی آئی ہے ۔ اسے سُن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خوشی سے جھوم اُٹھے اور ہمیشہ فخریہ طور (خوشی سے) کہا کرتے کہ الحمد للہ مجھے وحی ربانی کی موافقت نصیب ہوئی ۔

---

[1] اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بدگمانی بے ایمانی کی نشانی ہے ۔ تفصیل فقیر کی تصنیف "گستاخوں کا برا انجام" میں ہے ۔ اویسی غفرلہٗ

سبق یہی واقعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سعادت کا موجب بنا اور بعینہٖ یہی واقعہ عبداللہ بن سرح کی شقاوت کا سبب بنا۔ سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے :

یضل بہٖ کثیراً ویھدی بہٖ کثیرا۔

سوال : اس سے یہ تو ثابت ہوگیا کہ انسان کلامِ الٰہی کی طرح کلام بنا سکتا ہے اور قرآن کا دعویٰ ہے کہ اس جیسا کلام کوئی شخص نہیں لا سکتا۔

جواب : قرآن مجید کا چیلنج چھوٹی سورۃ کی مقدار کلام بنانے کے متعلق ہے اور یہ ایک جملہ ہے۔ اور ایک دو جملوں کو چیلنج کا جواب نہیں کہا جا سکتا۔[1]

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ امور مذکورہ عجیبہ کے بعد پھر تم یقیناً لَمَيِّتُوْنَ ۝ موت کی طرف رجوع کرنے والے ہو۔ صیغۂ صفت سے ثبوتِ موت کا اثبات ہوا، ورنہ ظاہر ہے کہ فاعل کے صیغہ میں ثبوت کے بجائے حدوث ہوتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اسے آدم زادو! تمہارا انجام بکار موت ہی ہے اور تم نے لازماً ساقیِ اجل کے ہاتھ سے فنا کا پیالہ پینا ہے۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ جو دُنیا میں موت کا شکار ہوا وہ آخرت کی حیات کی طرف لوٹا۔ اور جو آخرت کے تصوّرات سے بھی فارغ ہوگیا اسے حیاتِ اصلیہ یعنی البقاء مع اللہ نصیب ہوئی۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ پھر اس کے بعد قیامت میں یعنی نفخۂ ثانیہ کے وقت تُبْعَثُوْنَ ۝ تم اپنی قبروں سے حساب وکتاب اور ثواب وعقاب کے لیے اٹھائے جاؤ گے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ انسان رتبۂ انسانیہ پر پہنچنے پر موت کے قابل ہوجاتا ہے۔ جیسے قلب اور نفس پر موت واقع ہوتی ہے ویسے ہی انسانی ڈھانچے پر۔ قلب ونفس دونوں حشر کے قابل ہیں۔ نفس کی حیات سے قلب کی موت ہے اور قلب کی حیات سے نفس کی موت ہے اور نفس کی حیات خواہشِ نفسانی سے منسلک ہے اور انہی خواہشاتِ نفسانیہ سے نفس پر ظلمت چھا جاتی ہے اور قلب کی حیات ذکر ونورِ الٰہی سے ہے۔ کما قال تعالیٰ :

او من کان میتا فاحییناہ وجعلنا لہ نوراً۔

اور یہی ثُمَّ انکم یوم القیٰمۃ تبعثون کا حقیقی معنیٰ ہے۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سوال (از پرویزی وکمیونسٹ وغیرہ) : الاسئلۃ المقحمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کا ابتداء سے

---

[1] اویسی کہتا ہے کہ یہ کلام بنایا نہیں گیا بلکہ قلب پر نبوت کی برکت سے آیا ہے۔ تفصیل تفسیر اویسی میں ہے۔ اویسی غفرلہٗ

حشر اجساد تک تفصیل سے حال بتایا ہے۔ اس میں قبر، برزخ کا حال مذکور نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر و برزخ کا مسئلہ مولویانہ ہے۔

جواب : کسی شے کا مذکور نہ ہونا اس کے عدمِ وجود کو مستلزم نہیں۔ اس کی ہزاروں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ یہاں پر چونکہ حیات اولیٰ و حیات ثانیہ کا ذکر مقصود تھا اس لیے کہ حیاتِ اولیٰ اعمال کا سبب ہے، اور حیاتِ ثانیہ جزائے اعمال کا۔ اسی لیے اہتمام سے ان دونوں کو بیان کیا گیا ہے۔

قاعدہ : جو شے موضوعِ بحث ہو اسی کا ذکر کیا جاتا ہے اور جو امور خارج از موضوع ہوں انھیں نہ کرنا اولیٰ ہوتا ہے۔

ف : موت کو صفت سطوات العزۃ اور ظہور انوار عظمت سے تعلق ہے اور حیات کو کشف الجمال ازلی سے اس لیے کہ ارواح و اشباح کو عیش و عشرت حیات وصالیہ سے نصیب ہوتی ہے اس کے بعد موت الفراق کا اجراء نہیں ہوتا۔

ف : حیاۃ و موت دونوں کی شکل و صورت ایک ہے جنھیں تربیتِ الٰہیہ سے حصہ نصیب ہوتا ہے اس لیے کہ موت کے بعد مٹی سے مٹی میں ملنے سے مٹی میں تربیت ثانیہ نصیب ہوتی ہے۔ اسی کو صوفیہ کرام فنا سے تعبیر کرتے ہیں اور حیاۃ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار ہے کہ اس نے ہمارے اجساد میں حیاتِ ثانیہ داخل فرمائی اور ہماری ارواح کو تربیت ثانیہ کا موقعہ بخشا۔

تفسیرِ عالمانہ

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ طرائق، طریقۃ کی جمع ہے اور طریق کی جمع طرق آتی ہے۔ اس سے آسمان کے ہفت طبق مراد ہیں۔ چنانچہ المفردات میں ہے طرائق السماء بمعنے طبقات آسمان یعنی ہم نے تمھارے اوپر سات آسمان طبق در طبق پیدا فرمائے۔ انھیں طرائق سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر ایسے ہیں جیسے جوتے کے نچلے حصے کا چمڑا ایک دوسرے کے ساتھ چمٹا ہوتا ہے۔ ایک شے پر جو دوسری شے واقع ہو اسے طریق کہا جاتا ہے۔ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝ اور ہم اپنی پیدا کردہ ہفت طبق کی مخلوق سے بے خبر نہیں کہ اسے ضائع کر دیں بلکہ ہم اس کی ہر طرح سے حفاظت کرتے ہیں نہ اسے مٹنے دیتے ہیں اور نہ اس میں خلل پڑنے دیتے ہیں بلکہ اس کے جملہ امور کی ہر طرح کی بہتر تدبیر کرتے ہیں یہاں تک کہ اس کے اندر جتنے امور مقدر ہیں وہ اپنے کمال کو اسی طرح پہنچتے ہیں جس طرح ہماری قضاء و قدر و مشیت کا تقاضا ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہم جملہ مخلوق کے امور سے غافل نہیں ان کے خیر و شر اور نفع و ضرر اور شرک و کفر سے ہر وقت باخبر ہیں۔

ملفوظ بایزید سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا عرفان نہیں لیکن وہ تو جانتا ہے اور تم اس کی طرف واصل نہیں۔ لیکن وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے اور اگر تم اس سے غائب ہو یا اس سے غافل ہو تو وُہ نہ تم سے غائب ہے نہ غافل۔

فائدہ صوفیانہ: بعض مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے اوپر ظاہری و باطنی حجابات ہیں۔ ظاہری حجابات یہی ہیں کہ آسمان کے طبقات منازل عالیہ اور عرش و کرسی ہمارے درمیان حائل ہیں اور باطنی حجابات ہمارے قلوب کے پردے ہیں۔ مثلاً مادہ منویہ اور خواہشاتِ نفسانیہ اور ارادات شاغلہ اور غفلات متراکمہ۔ لیکن اللہ تعالےٰ غافلین کی سکنات اور مریدین کی حرکات اور زاہدین کی رغبات اور عارفین کے لحظات سے غافل نہیں۔

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ مِن ابتدائیہ اور انزلنا کے متعلق ہے۔ ماء سے بارش کا پانی مراد ہے بِقَدَرٍ یعنی ہم نے بندوں کی صلاحیت کے مطابق آسمان سے پانی اتارا۔

ف: بحر العلوم میں ہے کہ ہم نے آسمان سے پانی اس اندازے سے اتارا کہ لوگ اس کے ضرر سے محفوظ ہیں اور اس سے وُہ فوائد و منافع حاصل کرتے ہیں جو ان کے لیے مفید و نافع ہیں۔

فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖ اور ہم نے اسی پانی کو زمین میں ثابت اور برقرار فرمایا۔ وَ اِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ اور ہم اس کے لے جانے اور مٹانے یا اُوپر لے جانے یا اسے زمین میں دھنسانے پر کہ جسے وُہ حاصل نہ کر سکیں اور وہ اور ان کے جانور پیاس سے مرجائیں لَقٰدِرُوْنَ ۚ ایسی قدرت رکھتے ہیں جیسے اس کے اتارنے میں۔

ف: حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت سے زمین پر پانچ نہریں جاری فرمائی ہیں:

۱۔ جیحون ۲۔ سیحون
۳۔ دجلہ ۴۔ فرات
۵۔ نیل

یہ سب ایک ہی چشمہ سے آرہی ہیں اور وہ چشمہ بہشت کے سب سے نچلے حصے سے اتر رہا ہے جسے جبریل علیہ السلام کے دو پروں کے ذریعے سے پہاڑوں میں امانت رکھ کر زمین پر جاری فرمایا اور ان میں لوگوں کے منافع پیدا فرمائے۔ اس کی تائید انزلنا من السماءُ ماء بقدر فاسکنّاہ فی الارض سے ہوتی ہے۔

یاجوج ماجوج کی نحوست جب یاجوج ماجوج زمین میں پھیلیں گے تو اللہ تعالیٰ جبریل علیہ السلام کو بھیج کر قرآن مجید اور علم اور حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ

علیہ السلام کے تابوت کی امانت اوران پانچوں نہروں کو آسمان پر اُٹھالے گا۔ چنانچہ و انا علیٰ ذھاب بہٖ لقادرون سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جب یہ تمام اشیاء آسمان پر لے جائی جائیں گی تو اہلِ ارض دین و دُنیا کی بھلائی سے محروم ہوجائیں گے۔ (ہذا حدیث حسن کذا فی بحر العلوم)

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ ہم نے تمہارے لیے پیدا فرمائے بِهٖ اسی آسمان کے پانی کے سبب سے جَنّٰتٍ باغات مِّنْ نَّخِيْلٍ کھجوروں کے۔

المفردات میں ہے کہ نخل مشہور درخت ہے۔ یہ لفظ واحد و جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس کی جمع نخیل بھی آتی ہے۔

وَّ اَعْنَابٍ اور انگوروں کے۔ انگور کے درخت کو عنب کہتے ہیں۔ انگور کے میوے کا واحد عِنَبَةٌ ہے۔ (کذا فی المفردات)

ف : کاشفی نے لکھا کہ نخیل کی تخصیص اہلِ عرب کی وجہ سے اور انگور کی اہلِ طائف کی وجہ سے ہے۔ اور یہ دونوں عرب و طائف میں بہ نسبت دوسرے علاقوں کے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

لَكُمْ فِيْهَا تمہارے لیے ان باغات میں فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ بہت سے میوے ہیں جنھیں تم کھاتے ہو۔

ف : المفردات میں لکھا ہے کہ فاکھہ بعض کے نزدیک ہر قسم کے ثمرات کو کہا جاتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ انگور اور انار کے سوا باقی تمام ثمرات کو فاکھہ کہا جاتا ہے۔ اس کے قائل نے ان کی کثرتِ استعمال اور ان کی عظمت کے پیشِ نظر ایسے کہا ہے۔

مسئلہ : امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ وہ فاکھہ نہ کھائے گا تو وہ انگور، کھجور اور انار کے کھانے سے حانث نہ ہوگا اس لیے کہ لغۃً و عرفاً یہ تینوں میوے ہیں لیکن ان میں تفکہ یعنی تلذذ و تنعم کے علاوہ ایک اور شے زائد ہے۔ یعنی غذائیت اور قوامِ بدن۔ اسی زیادتی کی وجہ سے یہ مطلق تفکہ سے مخصوص ہوجائیں گے اور قاعدہ ہے جس میں کچھ زیادتی پائی جائے وہ اطلاق سے نکل جاتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنی عام جنس میں داخل نہ ہوگا۔

اس مسئلہ میں صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے امام صاحب علیہ الرحمۃ کے خلاف کیا ہے۔

وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ اور انہی میں سے تم کھاتے ہو غذا کے طور پر، یا ہر قسم کا رزق دیے جاتے ہو یا تم اس سے اپنی روزی کماتے ہو۔ یہ اہلِ عرب کے اس محاورے سے ہے:

فلان یاکل من حرفتہ۔

چنانچہ حضرت کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ تم اسی سے کماتے ہو جو تمہاری معاشں میں ضروری ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ جیسے آسمان سے پانی اتار کر اہلِ زمین کو زندگی بخشی۔ ایسے ہی آسمانِ عنایت سے رحمت کا پانی اتار کر قلوب کو زندہ کرتا ہے۔ اسی پانی سے ہی گناہوں کی میل کچیل دھوتا ہے بلکہ ان کی جملہ غل وغش اسی پانی سے صاف ہوتی ہے اور اسی پانی سے ہی دلوں کے باغات میں لبسط کے پھول اور انوار روح کے اصناف اگاتا ہے۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ جیسے آسمان کے پانی سے خشکیوں کو شاداب کرتا اور درختوں کو پھل دیتا اور نہروں کو جاری کرتا ہے ایسے ہی عنایت کے پانی سے عرفان کے درخت کو اگاتا اور کشف وعیان کے میوے عطا فرماتا ہے اور ہم اس کے بیان وشرح سے عاجز ہیں اور نہ ہی اس کے اشارات کی حصر ہو سکتی ہے۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی نعمتیں گنائی ہیں اور ان کی رہبری احسن اسلوب سے فرمائی۔ پھر جو بندہ اس کی نعمتوں سے اس کے وصال سے فائض ہوتا ہے وہی مطلوب حقیقی سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

سوال : جب یہ نعمتیں بندوں کے لیے پیدا فرمائی گئی ہیں پھر دُنیا میں زہد کا حکم کیوں ؟

جواب : بندوں کی علو ہمتی کا امتحان لیا جاتا ہے اس لیے کہ یہ دنیا آزمائش خانہ ہے اگر کوئی اس میں دُنیوی اشیاء کے حصول کی جدّ وجہد کرے تو وہ عنداللہ معیوب انسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اولیاء کرام نے دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا اور اپنے آپ کو اس سے کوسوں دُور رکھا اور صرف اپنی ضرورت پُوری کرنے پر دنیا کی قلیل مقدار کو قبول کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے درجات بلند فرمائے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :
جوعوا انفسکم لولیمۃ الفردوس۔
(جنت الفردوس کے ولیمہ کے لیے اپنے آپ کو بھُوکا رکھو)

ف : مہمان اگر سمجھدار ہوتا ہے تو وہ پیٹ بھر کر نہیں کھاتا تاکہ طبع سکون میں رہے۔

حکایت ایک زاہد عابد کا کسی درخت کے نیچے سے گزر ہوا اس کے میوے کھانے کے لیے اس کے نفس نے خواہش کی۔ اس نے نفس کو کہا کہ سال بھر روزہ رکھو پھر کھلاؤں گا۔ سال گزر جانے کے بعد پھر نفس نے خواہش ظاہر کی تو درخت سے نیچے پڑے ہوئے میوے اپنے نفس کو کھلائے۔ نفس نے کہا اوپر والے میوے اچھے ہیں ان میں سے کھلاؤ۔ نفس سے کہا اگر یہ شرط منظور ہو کہ اس کے اچھے بھلے ہر طرح کے کھائیں گے ورنہ خاموش رہو۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ مرو در پے ہرچہ دل خواہدت
کہ تمکین تن نور جان کاہدت

۲ کند مرد را نفس امارہ خوار
اگر ہوشمندی عزیزش مدار

۳ اگر ہر چہ باشد مرادت خوری
ز دوران بسی نامرادی بری

ترجمہ :(۱) خواہشاتِ نفس کے تابع نہ ہو کیونکہ یہی وہ ظاہر ہے کہ جس کا کوئی تریاق نہیں۔
(۲) انسان کو نفس امارہ خوار کرتا ہے اگر تُو دانا ہے تو اسے عزّت نہ دے۔
(۳) اگر اس کی ہر مراد پُوری کرو گے تو دُنیا میں بہت بڑی نامرادی اٹھائے گا۔

ف : بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اخروٹ، بادام، پستہ، چلغوزہ، سیتا سپاری، صنوبر، انار، نارنگی، کیلا، خشخاش، کھجور تر، زیتون، خوبانی، آڑو، آلو بخارا، عناب۔ غبیراء (ایک قسم کا پودا بقدر عناب، دراق (ایک قسم کا میوہ)، زعرود (ایک قسم کا پھل، اس کی گٹھلی گول اور بڑی ہوتی ہے)، بیر، سیب، ناشپاتی، انجیر، انگور، لیموں، خرنوب (ایک قسم کا درخت، اس کے پتے سبز اور چکنے ہوتے ہیں اور اس کے دانے باقلا کے مشابہ ہوتے ہیں)، ککڑی، کھیرا، خربوزہ یہ تمام بہشتی میوے ہیں۔ پہلی دس قسموں پر چھلکا ہوتا ہے اور دوسری دس پر چھلکا نہیں ہوتا اور تیسری قسم پر نہ چھلکا ہوتا ہے نہ گٹھلی۔

تفسیر عالمانہ وَشَجَرَةً منصوب ہے۔ اس کا عطف جنات پر ہے۔ اس کی تخصیص دوسرے اشجار سے اس لیے ہے کہ اس درخت کے منافع بہت زیادہ اور مشہور و معروف ہیں۔ بعض نے کہا کہ طوفان کے بعد سب سے پہلے یہی درخت پیدا ہُوا۔ اس سے زیتون کا درخت مراد ہے۔
المفردات میں ہے کہ الشجر اس درخت کو کہا جاتا ہے جس کی پنڈلی نہ ہو، اسے ثمرۃ و ثمر کی طرح شجرۃ و شجر پڑھا جاتا ہے۔

تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ سیناء مصر و ایلہ کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے۔ یہ وہی پہاڑ ہے جس سے موسٰی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہُوا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے دُوسرا اور درخت تمہارے لیے پیدا کیا جو کہ حسین پہاڑ میں ہے اور وہ پہاڑ موسٰی علیہ السلام کی طرف منسوب ہے جو مصر اور ایلہ کے درمیان واقع ہے اسے طور سینین بھی کہتے ہیں۔ سیناء بمعنے حسن یا مبارک ہے۔

ف : اہلِ تفاسیر لکھتے ہیں کہ جبل کا نام طور اور اسی مقام کا نام سیناء ہے جس کی طرف یہی پہاڑ منسوب ہے، یا دونوں سے مرکب ہو کر ایک نام بن گیا ہے۔ جیسے امرأ القیس دو مرکب اسموں کا ایک شخص کا نام مقرر کیا گیا ہے۔

ف : سَیناء بالفتح بروزنِ فعلاء صحراء کی طرح ہے اور غیر منصرف ہے بوجہ تانیث کے، اور اسے بکسر الفاء بر وزن فیعال، ہمچوں دیماس بھی پڑھا گیا ہے ۔ السناء بالمد سے مشتق ہے بمعنے بلندی، یا بالقصر بمعنے نور ہے۔ اس کا غیر منصرف ہونا عجمہ و تعریف تانیث کی وجہ سے ہے بتاویل بقعہ اور الف مقصورہ و ممدودہ کی وجہ سے اسے غیر منصرف نہیں پڑھا گیا۔

ف : باوجودیکہ یہ دوسرے مقامات سے بھی پیدا ہوتا ہے لیکن اس کی اس مقام کی تخصیص میں ان دونوں کی شرافت کا اظہار مطلوب ہے علاوہ ازیں وہی اس کا منشائے اعلیٰ ہے۔

ف : جلالین میں ہے کہ اس جگہ پر سب سے پہلے یہی زیتون پیدا ہوا ۔

تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ تیل کے ساتھ اگتا ہے ۔ یہ شجرۃ کی دوسری صفت ہے اور باء کا متعلق محذوف ہے اور منہا سے حال واقع ہوا ہے ۔ اصل عبارت تھی : تنبت ملتبسة به و مستصحبة له (کذا قال الراغب) اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگتا ہے درانحالیکہ اس میں تیل بالقوہ موجود ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ باء صلہ کی ہے اور تنبت کو متعدی بنانے کے لیے واقع ہوئی ہے جیسے ذهبت بزید میں باء تعدیہ کی ہے اب معنیٰ ہوا تنبته بمعنے تتضمنه و تحصله ۔ اس لیے کہ بنات در اصل صفت شجرۃ کی ہے نہ کہ دھن کی ۔ وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ ۝ اور کھانے والوں کے لیے سالن ہے ۔ ہم نے اس کا معنیٰ سالن اس لیے کیا ہے کہ اہلِ عرب کہتے ہیں : اصطبغت بالخل۔ اس کا عطف بالدھن پر ہے اور اس کا اعراب بھی وہی ہے جو الدھن کا ہے اور یہ عطف الصفة علی الصفة الاخری کے قبیل سے ہے ۔ یعنی ایک ایسی شے اگتی ہے جو دو صفتوں کی جامع ہے :

(۱) اس سے تیل حاصل کیا جاتا ہے ۔

(۲) اسے سالن کے کام بھی لایا جاتا ہے ۔ یعنی اس سے (سالن کا) وہی کام لیا جاتا ہے جو سرکہ وغیرہ سے لیا جاتا ہے ۔

تفسیرِ صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے اس سے شجرِ خفی مراد ہے جو تجلی انوار صفات کی تاثیر سے روح کے طور سیناء سے پیدا ہوتا ہے اس سے دُھن یعنی وہ استعداد مراد ہے جس سے بلاواسطہ فیضِ الٰہی کو قبول کیا جاتا ہے اور اس کی قرارگاہ وہی (مقام) خفی ہے جو رُوح کے اوپر ہے اور یہ اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان ایک راز ہے جس پر مقرب ملائکہ بھی مطلع نہیں ہو سکتے اور یہی سالن ہے دونوں جہانوں کی قوت کو ہمت سے قابو میں لانے والوں کے لیے ۔

تفسیرِ عالمانہ

وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ اور بے شک تمہارے لیے جانوروں یعنی اونٹ، گائے، بکری وغیرہ میں لَعِبۡرَةً ؕ البتہ عبرت ہے ۔ یعنی ان کے حالات سے عبرت پکڑتے ہو اور اپنے رب تعالیٰ کی عظیم قدرت و حکمت پر استدلال کرتے ہو ۔ نُسۡقِيۡكُمۡ یہ سوال مقدر کا جواب ہے ۔ سوال

یہ ہے کہ وہ کیسے ؟ جواب ملا کہ ہم تمھیں پلاتے ہیں مِمَّا فِی بُطُوْنِھَا ، ما سے یا تو ان کے پستان مراد ہیں اور مِن تبعیضیہ ہوگا اور بطون سے پیٹ مراد ہے۔ یا لفظ ما سے گھاس مراد ہے کہ اسی سے دُودھ بنتا ہے اس معنے پر من ابتدائیہ ہوگا اور بطون اپنے حقیقی معنے پر ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جیسے جانوروں کے پیٹ میں سے خُون و گوبر کے درمیان سے دودھ نکلنا ایک عبرت ہے ایسے ہی صفاتِ انسانیہ کے گوبر اور صفات شیطانیہ کے خون سے خالص توحید اور محبت کے دودھ سے عبرت ہے کہ ایسا دودھ صدیقین کی ارواح کو نصیب ہوتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا : ؎

سقانی شربة احیی فؤادی

بکأس الحب من بحر الوداد

ترجمہ : مجھے صرف ایک گھونٹ نصیب ہُوا تو اس نے میرے دل کو زندہ کر دیا۔ یعنی محبت الٰہی کے دریا کے پیالوں سے ایک گھونٹ نصیب ہوا۔

تفسیر عالمانہ وَلَکُمْ فِیْھَا اور تمھارے لیے ان میں مَنَافِعُ کَثِیْرَۃٌ اور بہت سے منافع ہیں۔ (یعنی مذکورہ فوائد کے علاوہ ان میں اور بھی بہت زیادہ فائدے ہیں) یعنی اُون اور بال وغیرہ۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ تمھارے لیے ان میں بے شمار فائدے ہیں مثلاً ان کے بعض پر تم سوار ہوتے ہو اور بعض پر بوجھ لادتے ہو۔

وَمِنْھَا تَاْکُلُوْنَ ۙ اور ان کے بعض سے کھاتے ہو یعنی گوشت یا ان کی کمائی۔

(حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :)

حدیث شریف "گائے کا دُودھ پیو کیونکہ وہ ہر قسم کے درخت جمع کر کے کھاتی ہے۔"

حدیث شریف "گائے کا دُودھ پیو اور اس کا گھی اور مکھن کھاؤ لیکن اس کے گوشت سے بچو اس لیے کہ اس کے دودھ، مکھن اور گھی میں شفا ہے اور اس کا گوشت بیماری ہے۔"

گائے کی قربانی: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کی طرف سے عید قربانی پر گائے ذبح فرمائی۔

ف : گائے کے گوشت کو اس لیے بیماری فرمایا کہ اہلِ عرب خشک مزاج ہیں اور گائے کا گوشت بھی خشک ہے اس لیے انہیں اس کے گوشت سے احتراز لازم ہے اور گائے کا دودھ و مکھن (گھی) تر ہے اور خشک مزاجوں

کے لیے شفا اسی معنیٰ پر ہے۔

خلاصہ یہ کہ گوشت سب کے لیے بیماری نہیں بلکہ مخصوص لوگوں کے لیے یعنی خشک مزاجوں کے لیے ہے۔ اور یہی تاویل نہایت موزوں ہے کیونکہ اگر مطلقاً گائے کا گوشت بیماری ہوتا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے عید الاضحیٰ کے موقع پر ہرگز ذبح نہ کرتے۔

دوسرا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے کو بیانِ جواز کے لیے ذبح فرمایا ہو نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس وقت آپ کو صرف گائے میسر آئی ہو۔ (کذا فی المقاصد الحسنہ للامام السخاوی)

وَعَلَيْهَا اس سے یہ نہ سمجھنا کہ تمام جانوروں پر بوجھ لادا جاتا ہے بلکہ ان کی جنس مراد ہے۔ یعنی ان میں بعض وہ ہیں جن پر بوجھ لادا جاتا ہے جیسے اونٹ وغیرہ۔ بعض مفسرین نے کہا کہ یہاں پر صرف اونٹ ہی مراد ہے کیونکہ بوجھ اٹھانے کا رواج عرب میں صرف اونٹ پر ہے اور لفظ الفلك سے بھی یہی معنیٰ مناسب ہے کیونکہ فُلك دریائی اونٹ ہے اور اونٹ جنگلی کشتی۔ وَعَلَى الْفُلْكِ امام راغب نے فرمایا کہ یہ لفظ واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے لیکن ان دونوں کی اصل علیٰحدہ علیٰحدہ ہے مثلاً واحد ہو تو اس کا وزن قفل ہوگا۔ اگر جمع ہو تو اس کا وزن حمر آئے گا۔ تُحْمَلُوْنَ ۝ یعنی خشکی میں اونٹوں پر اور دریاؤں میں کشتی پر بوجھ اٹھاتے ہو۔ یعنی یہ تمہارے تابع ہیں کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

سوال: یہاں پر وفی الفلك کیوں نہیں فرمایا حالانکہ سورۃ ہود میں قلنا احمل فیها فرمایا ہے۔ یعنی اس کا صلہ فی ہونا چاہیے۔

جواب: (۱) دراصل اس سے ایعاء و استعلاء کا معنیٰ مطلوب ہے اور وہ دونوں صورتوں میں پایا جاتا ہے اس لیے کہ کشتی ہر اس شخص کے لیے بمنزلہ برتن کے ہے کہ وہ اس پر سوار ہو کر اپنا سامان لے جاتا ہے۔ جب دونوں معانی صحیح ہوئے تو دونوں طرح (علیٰ، فی) کا صلہ لانا صحیح ہوا۔

(۲) چونکہ اس کا عطف علیها پر ہے اس کی مناسبت سے الفلك پر بھی لفظ علیٰ لایا گیا ہے۔ (کذا فی بحر العلوم)

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ دریائی سفر مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے بلا کراہت جائز ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے۔ لیکن بعض نے عورتوں کے لیے کراہت کا حکم فرمایا ہے۔ وہ دلیل میں کہتے ہیں کہ کشتی میں پردے وغیرہ کی احتیاط نہیں ہو سکتی اور نہ ہی وہ مردوں سے چہرہ وغیرہ چھپا سکتی ہیں اور قضاء حاجت وغیرہ کے لیے مردوں سے کس طرح چھپ سکیں گی بالخصوص جب کشتی چھوٹی ہو۔ (کذا فی انوار المشارق)

مسئلہ: ذخیرہ میں لکھا ہے کہ کشتی پر برائے ضرورت تجارت وغیرہ سوار ہونے سے اپنے اوپر اعتماد ہو

کہ خدانخواستہ اگر کشتی ٹوٹ جائے یا ڈوب جانے کا خطرہ ہو تو وہ تیر کر اپنی جان بچا لے گا تو دریائی سفر جائز ہے اگر تیراکی نہیں جانتا تو پھر مکروہ ہے۔

مسئلہ: ذخیرہ کی تقریر سے معلوم ہوا کہ اگر تیرنا نہیں جانتا تو کشتی کا سفر اس کے لیے مکروہ ہے خواہ تجارت کے لئے سفر ہو یا طلبِ علم کے لیے یا دیگر امورِ خیر کے لیے۔ مثلاً حج یا زیارۃ الاقارب وصلۂ رحمی وغیرہ۔ اگرچہ اس میں صحت وسلامت اور سفر باظفر کی امید غالب ہو یا نہ۔

مسئلہ: ذخیرہ کے برعکس دوسری کتبِ فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر سفر اطمینان بخش ہو تو غیر تیراک کو بھی بلاکراہت کشتی کا سفر جائز ہے ورنہ ناجائز۔

حکایت شرح حزب البحر میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو فرمایا کہ مجھے دریا کے اوصاف سنائیے۔ اُنھوں نے عرض کی: وہ ایک عظیم مخلوق ہے جس پر ضعیف ترین مخلوق سوار ہوتی ہے اور وُہ بھی ایک کمزور لکڑی پر۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر حج فرض نہ ہوتا اور لوگ اس ذریعہ سے حج ادا نہ کرتے ہوتے تو میں دریائی سفر کرنے والوں کو دُرّے مارتا۔ اس کے بعد آپ نے اس سفر کی ممانعت فرما دی لیکن بعد کو اس رکاوٹ سے رجوع فرما لیا۔ اسی طرح حضرت عثمان و حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو بھی دریائی سفر کے خطرات محسوس ہوئے تو رکاوٹ ڈالنے کا ارادہ فرمایا لیکن انسانی عام ضروریات کے پیشِ نظر جواز کا فتویٰ دیا۔ اسی پر اُمّت کا اجماع ہے لیکن پھر بھی مشروط طور پر۔

مسئلہ: دریا وغیرہ میں تیرنا نبی علیہ السلام کی سنّت ہے۔

(اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:)

تیراکی کی سُنّیت کے دلائل

(۱) انسان العیون میں ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی لیکن انھیں دار المتابعہ میں دفنایا گیا۔

ف ۔ المتابعہ بالتاء المثناۃ فوق و بالباء الموحدۃ والعین المہملۃ: یہ ایک مرد کا نام ہے جو بنی عدی بن النجار کے قبیلے سے تھا اور حضرت عبدالمطلب کے ماماؤں سے تھا اور النجار کا نام تیم تھا۔ بعض نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بنائی کہ انھوں نے اپنا ختنہ قدوم سے خود کیا۔ اور قدوم نجار کے ایک آلۂ صنعت کا نام ہے۔

جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو راستہ میں آپ کا اسی دار سے گزر ہوا تو آپ نے اس جگہ کو پہچان لیا اور فرمایا کہ مجھے اس جگہ پر میری والدہ کریمہ لے آئی تھیں اور میرے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا مزار شریف اسی دار میں ہے۔ اس مختصر تمہید و تعارف کے بعد اب

جاننا چاہیے کہ یہ لوگ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ثابت ہوئے اور یہ لوگ تیراکی میں مشہور و معروف تھے جو بنی عدی بن النجار کے بڑے کنوئیں میں تیرتے تھے۔ (اگر تیراکی ناجائز فعل ہوتا تو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کی مدحت کے بجائے مذمت فرماتے)

(۲) حضرت عکرمہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے بیان فرمایا کہ حضرت ابن عباس اور آپ کے اصحاب جحفہ کے کنوئیں میں خوب تیرتے تھے۔

(۳) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر شخص اپنے ساتھی کو تیراکی سکھائے۔ جب تمام اصحاب نے ایک دوسرے کو یہ فن سکھا دیا تو خود حضور علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بچ گئے۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گلے میں ہاتھ ڈال کر تیرنا شروع کیا اور ساتھ ساتھ یہ فرماتے جاتے تھے:

انا وصاحبی انا وصاحبی۔

(میں ہوں اور میرا دوست میں ہوں اور میرا دوست)[1]

ایک روایت میں ہے:

انا الی صاحبی وانا الی صاحبی۔

ف: ان روایات سے عدمِ جواز کے قائلین کا رد ہوگیا۔

ف: یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم واقعی تیراکی میں مہارت رکھتے تھے یا نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ تیراکی کا علم فی نفسہٖ تو تھا لیکن تیراکی کی مہارت تو اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کوئی تیر کر دکھائے۔ حضور علیہ السلام کو نہ کبھی دریائی سفر درپیش ہوا اور نہ ہی حرمین شریفین میں دریا تھا۔

---

[1] یہ تھی شانِ صدیقِ اکبر کی (رضی اللہ عنہ) کسی نے کیا خوب منقبت لکھی ہے: ؎

یہ عظمت یہ شرف یہ مرتبا صدیقِ اکبر کا — نبی صدیق اکبر کے خدا صدیقِ اکبر کا
بڑھا جب نشۂ ذوقِ وفا صدیقِ اکبر کا — مشیّت نے سجایا میکدہ صدیقِ اکبر کا
زمیں نے پھول برسائے جب ان کی نیک نامی پر — فلک نے جھک کے بوسہ لے لیا صدیقِ اکبر کا
فنا کے بعد رسمِ تعزیت رسمِ زمانہ ہے — پڑھیں گے مرثیا جُود و سخا صدیقِ اکبر کا
کدورت لاکھ آجائے صداقت چھپ نہیں سکتی — جلے گا آندھیوں میں بھی دیا صدیقِ اکبر کا
شبِ ہجرت بہم شمس و قمر تھے ایک منزل میں — نبی کی ذات تھی اور دوش تھا صدیقِ اکبر کا
محمد کی اطاعت کا یہ فیضِ خاص ہے اختر — جہاں میں نام روشن ہو گیا صدیقِ اکبر کا

(اویسی غفرلہٗ)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا
تَتَّقُوْنَ ○ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ
يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚۖ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ○ اِنْ
هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ○ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ○
فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا
مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ
ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ○ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ
نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ○ اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ○ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ○ ع فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ ع

ترجمہ: اور بے شک ہم نے نوح (علیہ السلام) کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو تو اس کی قوم کے وہ سردار جنھوں نے کفر کیا بول پڑے کہ یہ تو نہیں مگر تم جیسا بشر چاہتا ہے کہ وہ تمہارا لیڈر بنے اور اگر اللہ تعالےٰ چاہتا تو فرشتے نازل فرماتا ہم نے تو یہ بات اپنے اگلے آباؤ اجداد میں نہیں سُنی وہ تو ایک ایسا آدمی ہے جسے جنون ہے سو ایک مدّت تک اس کا انتظار کیجیو۔ نوح (علیہ السلام) نے کہا اے میرے پروردگار! میری مدد فرمائیے اس پر جو انہوں نے میری تکذیب کی تو ہم نے اس کو وحی بھیجی کہ ہماری نگرانی میں اور ہمارے حکم سے کشتی بنائیے پھر جب ہمارا فرمان ہو اور تنور اُبلے تو اس میں بٹھا دینا ہر جوڑے میں دو اور اپنے کنبے والوں کو مگر ان میں اسے نہ بٹھانا جس پر حکم سبقت کر چکا اور ان ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کرنا بیشک وہ تمام غرق کیے جائیں گے پھر جب تو اور تیرے ساتھی کشتی پر ٹھیک ٹھاک بیٹھ چکو تو کہنا تمام تعریفیں اللہ تعالےٰ کے لیے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات بخشی اور کہنا اے میرے پروردگار مجھے برکت والی جگہ پر اتار اور تو سب سے بڑھ کر اتارنے والا ہے بے شک اس میں نشانیاں ہیں اور بیشک ہم آزمانے والے ہیں پھر ان کے بعد ہم نے اور گروہ پیدا فرمائے تو ان میں ایک پیغمبر انہیں میں سے بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کہ اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ لام قسم کا جواب ہے اور قصے کو قسم سے شروع کرنے میں اس کی عظمتِ شان کا اظہار مطلوب ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ مضمون نہایت ہی مہتم بالشان ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ بخدا ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ جمال الدین کے قصہ میں ہے: ؎

من کثیر الذنب نوحوا　　نوح نوح فی الرسل

انہ عمرا طویلا　　من قلیل النطق ناح

ترجمہ: زیادہ گناہوں سے آنسو بہاؤ۔ نوح علیہ السلام رسولوں میں بہت رونے والے تھے۔

انھوں نے بڑی عمر پائی اور ایک تھوڑی سی بات سے عمر بھر روتے رہے۔

اعجوبہ: حضرت نوح علیہ السلام ایک خارش زدہ کتے کے پاس سے گزرے اور آپ نے اس کو کہہ دیا کہ یہ کیسا گندا کتا ہے۔ اس کے بعد ندامت سے عمر بھر روتے رہے۔

فَقَالَ توحید کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا یٰقَوۡمِ اے میری قوم! ۔ دراصل یا قومی تھا۔ اعۡبُدُوا اللّٰہَ ایک اللہ کی عبادت کرو۔ توحید کا معنیٰ ہم نے مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰـهٍ غَيۡرُهٗ کے قرینہ کی وجہ سے کیا ہے۔ یعنی وجود یا عالم میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں اس معنے پر الٰہ مرفوع ہے اس لیے کہ الٰہ کے محل کے اعتبار سے الٰہ کی صفت ہے اور الٰہ کا محل رفع اس لیے ہے کہ وہ فاعل ہے یا مبتدا ہے اور اس کی خبر لکم ہے اور من زائد ہے۔ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝ ہمزہ واقع کے انکار و استقباح کے لیے ہے اور فاء کا معطوف مقدر ہے جیسا کہ محل و مقام کا تقاضا بتاتا ہے کہ یہ دراصل الا تعرفون ذالک یعنی کیا تم مالکم من الٰہ غیرہ کے مضمون سے واقف نہیں ہو۔ فلا تتقون تو اس کے ساتھ اس کی عبادۃ میں دوسروں کو شریک کر کے اس سے ڈرتے نہیں کہ جو عبادت کا استحقاق نہیں رکھتے کیونکہ انھیں اللہ تعالیٰ پیدا نہ کرتا تو سرے سے عالم وجود میں بھی نہ ہوتے تو پھر وہ عبادت کے مستحق کیسے ہوئے۔ خلاصہ یہ کہ تحقق موجب کے باوجود تقویٰ نہ کرنا بُرا کام ہے۔ کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو اور اس کے غیر کی عبادت کی طرف مائل نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے نوح یعنی رُوح کو اس کی قوم یعنی قلب، سر، نفس، قالب اور اس کے اعضاء کی طرف بھیجا فقال یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الٰہ غیرہ تو اس نے انھیں کہا کہ خواہشات اور شیطان کی پرستش مت کرو۔ قلب کی عبادت یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی محبت میں مستغرق ہو اور ما سوی اللہ سے تعلقات ختم کرے اور سِرّ کی عبادت یہ ہے کہ توحید میں گم ہو اور نفس کی عبادت یہ ہے کہ اخلاق مذمومہ کو محمودہ سے تبدیل کرے اور قالب کی عبادت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے لیے متجرد ہو اور جوارح کی عبادت یہ ہے کہ وہ ارکانِ شریعت کو قائم رکھیں افلا تتقون کیا وہ ان عبادات کی وجہ سے حرمان و خذلان اور عذاب نیران سے

تفسیر عالمانہ فَقَالَ الْمَلَؤُا لیڈروں اور بڑے آدمیوں نے کہا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ اس کی قوم کے کافروں میں سے۔ یعنی عوام کو لیڈروں اور بڑے آدمیوں نے کہا اس میں مبالغہ مطلوب ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو رتبہ عالیہ سے گرانے اور منصبِ نبوت سے ہٹانے میں معمولی لوگوں نے جدوجہد نہیں کی بلکہ قوم کے چودھریوں اور بڑے بڑے لیڈروں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ حضرت کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ جب قوم کے اکابر نے دیکھا کہ ان کے اصاغر حضرت نوح علیہ السلام کی دعوتِ حق کی طرف میلان رکھتے ہیں تو انھوں نے نوح علیہ السلام سے نفرت دلاتے ہوئے انھیں کہا مَا هٰذَآ نہیں ہے یہ شخص جو تمھیں توحید کی دعوت دیتا ہے اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ مگر ایک بشر جو تمھاری جنس سے اور تمھارے وصفِ بشریت سے موصوف ہے تمھارے اور اس کے مابین کوئی فرق نہیں یعنی وہ اور تم سب برابر ہو (جیسے[1] آج کل وہابی دیوبندی نجدی وغیرہم کہتے ہیں کہ نبی و غیر نبی میں کوئی فرق نہیں، وہ بھی ہمارے جیسے بشر تھے صرف نبوت و غیرنبوت کا فرق ہے، معاذاللہ۔ ہم کہتے ہیں ان کی بشریت حق ہے لیکن بشریت بشریت کا فرق ہے وہ یہ کہ ان کی بشریت نور بن گئی اور ہماری بشریت گناہوں کی گندگیوں سے آلودہ۔ پھر قاعدہ ہے کہ کفار کے مقولہ سے اہلِ ایمان کو ممانعت ہے۔ کما قال لا تقولوا راعنا الخ اور یہ بشر بشر کی رٹ ابلیس سے لے کر ابوجہل تک پھر خارجیوں سے لے کر دیوبندیوں وہابیوں تک ایک گستاخی کا کلمہ بن گیا ہے اس لیے اس کے اطلاق علی الانبیاء سے احتراز ضروری اور لازمی ہے۔ مزید تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھیے)

ف : کاشفی نے لکھا کہ کافروں کو لیڈروں نے کہا کہ نوح علیہ السلام تمھارے جیسا انسان ہے دیکھو وہ تمھاری طرح کھاتا پیتا اور شادیاں وغیرہ کرتا ہے (یہی[2] آج وہابی اور ان کے جملہ ہم نوا کہتے ہیں)

يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ چاہتا ہے کہ وہ تمھارے اوپر فوقیت حاصل کرے اور نبوت و رسالت کا دعویٰ کر کے تمھارا امیر بن جائے باوجودیکہ وہ تمھارے جیسا انسان ہے۔ الجلالین میں ہے کہ وہ تمھارے اوپر شرافت کا خواہاں ہے اور چاہتا ہے کہ وہ تم سے افضل ہو اور تم اس کے زیرِ فرمان اور وہ تمھارا افسر۔ یہ ایسے ہے جیسے فرعونیوں نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کے لیے کہا وتکون لکما الکبریاء فی الارض۔ لیڈروں نے طیش دلانے اور حضرت نوح علیہ السلام کی دشمنی پر اکسانے کی نیت سے کہا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۚ اور اگر اللہ تعالیٰ تمھارے ہاں رسول بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو رسول بنا کر بھیجتا تاکہ مرسل اور مرسل الیہم کے درمیان امتیاز ہو۔

ف : انزل اس لیے کہا کہ ملائکہ کا بھیجنا اسی طریقۂ انزال سے ہوتا ہے۔ مشیت کا مفعول نفسِ مضمون نہیں بلکہ مطلق

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ [2] ایضاً

ارسال ہے جو جواب سے سمجھا جاتا ہے جیسے ولوشاء لہبط الخ اور اس جیسی عبارات سے واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے بعض باطل پرست سالکوں کے مقالات کی طرف اشارہ ہے مثلاً بعض ان میں طلبِ الٰہی میں سُستی کرتے ہُوئے کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ ہم اس کی طلب میں سعی کریں تو صفاتِ ملکیہ و توفیق ربانی سے ہماری تائید ہوتی ہے۔

تفسیر عالمانہ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا ہم نے تو ایسی گفتگو اپنے پہلے بزرگوں میں سے کسی سے نہیں سُنی۔ واحد رب تعالیٰ کی عبادت اور اس کی توحید کا کلام ہم نے اپنے اسلاف سے نہیں سنا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ۝ اس سے ان کے بعثتِ نوح علیہ السلام سے قبل کے لوگ مراد ہیں۔

ف : بحر العلوم میں ہے کہ بھٰذا سے ارسال البشر مراد ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا علیٰ رجل منھم۔ لیکن انھیں اس پر اعتماد نہ تھا اس لیے کہہ دیا کہ ہم نے تو کسی سے نہیں سُنا کہ آدمی رسولِ خدا بن کر مخلوق کی رہبری کے لیے آتا ہے۔

سوال : نوح علیہ السلام سے پہلے ادریس علیہ السلام بھی نبی گزرے تھے ان کا نام انہوں نے سنا ہوگا، پھر ان کا مطلق انکار کس طرح صحیح ہو سکتا تھا۔

جواب : غلو فی التکذیب میں افراط اور عناد کے طور کہہ دیا جیسے سرکشوں کی عادت ہے یا ادریس علیہ السلام کی مدتِ نبوت کو ایک لمبا عرصہ گزرا جو ان کے اور ان کے درمیان فترت کے دور کو خاصی مدت گزری اس لیے انھیں معلوم نہ ہونا بعید از امکان نہیں۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ یہ نہیں مگر ایسا مرد جسے جنون ہے ورنہ وُہ ایسی بہکی بہکی باتیں نہ کہتا اور نہ ہی بشر کو رسالت کی قابلیت و صلاحیت ہے۔

ف : جنون ایک عارضہ ہے جو نفس و عقل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ **ردِ منکرین ولایت** : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ اربابِ حقیقت کے احوال اصحابِ طبیعت کو جنون محسوس ہوتا ہے ایسے ہی اربابِ حقیقت اصحابِ طبیعت کے احوال کو جنون سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف : ترکِ عقل و اختیارِ عشق کے بعد کا جنون اہلِ حق کو نصیب ہوتا ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطر ہاست درو
شرط اوّل قدم آنست کہ مجنون باشی

ترجمہ : لیلیٰ کی منزل کی راہ میں بڑے خطرے ہیں اس کے لیے مجنون بننا شرطِ اوّل ہے۔

حضرت صائب نے فرمایا : ؎

روزن عالم غیبست دل اہل جنون
من و آن شہر کہ دیوانہ فراوان باشد

ترجمہ : اہلِ جنون کا دل عالمِ غیب کا دریچہ ہے۔ میں اور وہ ایسے شہر میں ہیں جہاں بے شمار دیوانگانِ عشق ہیں۔

فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ پس صبر کرو اور انتظار کرو۔

تفسیر عالمانہ امام راغب نے فرمایا کہ التربص بمعنے کسی شے کا چند لمحات اس لیے انتظار کرنا کہ ممکن ہے وہ شے سستی ہو جائے یا اس کے لیے عام رخصت ہو جائے یا اس کے زوال یا حصول کے لیے انتظار کرنا۔

حَتّٰى حِيْنٍ ۝ اس وقت تک کہ اسے جنون سے افاقہ ہو۔ یعنی تھوڑا سا صبر کرو کہ ممکن ہے وہ مر جائے یا جنون سے شفا پا کر ایسی بہکی باتیں نہ کہے فلہٰذا تم اپنے کام میں لگے رہو۔

قَالَ نوح علیہ السلام جب کفار سے مایوس ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے کہا رَبِّ اے میرے پروردگار! انْصُرْنِيْ میری مدد فرما ان کی تباہی و ہلاکت پر، بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ اس لیے کہ انہوں نے میری خوب تکذیب کی ہے یا میری تکذیب کے بدلے میں فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اس کے بعد ہم نے ان کے ہاں وحی بھیجی یا انھیں چپکے چپکے سمجھایا اس لیے کہ الوحی اور الایحا بمعنے اعلام فی خفاء یعنی کسی کو چپکے چپکے کچھ بتانا اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ یہ اِن مفسرہ ہے اوحینا کی تفسیر کرتا ہے اس لیے کہ الوحی قول کے معنے کو متضمن ہے۔ الصنع بمعنے کسی کو ٹھیک طور پر کرنا بِاَعْيُنِنَا وہ متلبس ہو ہماری حفاظت کے ساتھ۔ یعنی ہم اس کی نگرانی کریں گے تاکہ اس کی تیاری میں غلطی نہ ہو جائے یا کوئی مفسد نقصان نہ کر ڈالے۔ یہ فلان بعینی کے محاورے سے ہے بمعنے احفظہ و راعیہ۔ اسی طرح ھو منی بمرأی و مسمع بھی یہی معنے دیتا ہے۔

ملفوظ جنید سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ جو مشاہدہ سے عمل کرتا ہے اسے اللہ تعالےٰ اپنی رضا کا وارث بناتا ہے۔ کما قال: واصنع الفلك باعيننا۔

وَوَحْيِنَا بمعنے امرنا و تعلیمنا لکیفیۃ صنعھا۔ یعنی اس کی تیاری کے کوائف ہماری تعلیم اور امر کے مطابق ہوں۔

ف : مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ کشتی کو جُوجُو کی شکل و صورت میں تیار فرمائیں۔ (جُوجُو، ایک پرندہ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے نوح یعنی روح کو حکم فرمایا کہ وُہ ہماری نگرانی میں شریعت پر کاربند ہو اس میں نہ نفس کی خواہش کو دخیل ہونے دے اور نہ عقل کو، کیونکہ فلاسفہ و براہمہ اسی عقل و خواہش نفسانی کی وجہ سے مارے گئے ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا جب ہمارا امر برائے عذاب قریب ہو جائے وَفَارَ التَّنُّوْرُ اور تنور جوش مارے۔ یعنی جب آپ کی عورت روٹی پکا کر فارغ ہو گی تو اس کے بعد تنور سے آگ کا شعلہ نکلے گا۔ (کذا فی تفسیر الفارسی) الفور بمعنے شدت کا شعلہ مارنا۔ یہ آگ کے لیے مستعمل ہے۔ مثلاً ؛ ھاجت النار۔ یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب آگ جوش مارے۔ ہانڈی اور غضب اور پانی کے جوش کے وقت بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اور پانی کے جوش کو ہانڈی سے مشابہت کی وجہ سے فورؔ کہا جاتا ہے۔ کبھی الفور الساعۃ (یعنی ابھی ابھی) کے معنیٰ میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور التنور سے یہی روٹیوں والا تنور مراد ہے۔ خرقِ عادت کے طور پر اس سے پانی کے چشمے بہنے لگے۔ اور یہ تنور مسجد کے مقام پر کوفہ میں تھا۔

ف ؛ نوح علیہ السلام کو حکم تھا کہ جب تنور سے پانی جوش مارے تو آپ اور آپ کے ساتھی کشتی میں بیٹھ جائیں۔ یاد رہے کہ یہ آدم علیہ السلام کا تنور تھا جو نوح علیہ السلام کے زمانے تک بدستور چلا آیا۔ جب پانی نے تنور سے جوش مارا تو نوح علیہ السلام کو ان کی اہلیہ نے خبر دی۔

فَاسْلُكْ فِيْهَا کشتی میں داخل کیجئے۔

حل لغات ؛ اہلِ عرب کہتے ہیں ؛ سلك فيه بمعنے دخل اور سلكه فيه ای ادخله یعنی اس نے اسے داخل کیا۔ اسی لغت سے ہے ؛ ما سلككم فی سقر۔ (یعنی تمہیں جہنم میں کس شئے نے داخل کیا)

مِنْ كُلٍّ ہر گروہ اور نوع سے زَوْجَيْنِ جوڑا یعنی نر و مادہ اثْنَيْنِ یہ زوجین کی تاکید ہے۔ اس سے نر اور مادہ مراد ہے۔

ف ؛ تیسیر میں لکھا ہے کہ کشتی میں وہ چیزیں داخل کی گئیں جو بچے جنتی یا انڈے دیتی تھیں۔

وَاَهْلَكَ یہ منصوب ہے اس کا فعل مذکور ناصب ہے۔ یعنی اسلك اهلك یہاں پر اھل سے آپ کی زوجہ اور آپ کی اولاد مراد ہے۔ اور اھل کی تاخیر بوجہ تفصیل کے ہے یعنی استثناء وغیرہ سے اس کی تفصیل کی جائے گی۔ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ مگر وہ جس پر قولِ کفر سبقت کر گیا ہے یعنی اہل سے وہ اس کشتی میں داخل نہ ہو جس کے کافروں کے ساتھ تباہ اور ہلاک ہونا ہے۔ اس سے کنعان ابن نوح اور اس کی والدہ واغلہ مراد ہے اور لفظ علیٰ ضرر کے لیے ہے اس لیے سبقت کرنے والی تقدیر اس اھل کے لیے مضر تھی۔ لام نفع کے لیے آتی ہے اسی لیے ان الذین سبقت لهم منا الحسنیٰ میں لام لائی گئی ہے کہ ایسے لوگوں پر

تقدیر کی سبقت فائدہ کے لیے تھی۔ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اور مجھے ان کے بارے میں کچھ نہ کہنا جو جبر ائم و معاصی کا ارتکاب کرکے ظالم ہوئے اور جو جرائم پیشہ میں شفاعت کے قابل نہیں، نہ ہی ان کی سفارش کی جائے۔ اور ان کی شفاعت ہو بھی کیسے جبکہ نجات یافتہ لوگوں کو کشتی میں داخل ہونے والوں کے لیے الحمد پڑھی گئی اگر ان کی نجات بھی ہو جائے تو اس کا معنی یہ ہوا کہ جرائم پیشہ لوگوں کے لیے بھی حمد ہو۔ اور یہ غلط طریقہ ہے۔ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ اس معنے پر وہ یقیناً غرق ہوں گے کیونکہ وہ کفر و شرک میں مبتلا تھے اور کافر و مشرک کے لیے غرق ہونا ضروری ہو چکا تھا فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ اور جب آپ اور آپ کے اہل و عیال اور آپ کی جماعت کشتی میں سوار ہو جائیں۔

ف : امام راغب نے فرمایا کہ لفظ استواء دو طریقوں سے استعمال ہوتا ہے :

(۱) اس کی طرف دو یا اس سے زائد فعل کا اسناد ہو۔ مثلاً :

استوی زید وعمر کذا بمعنے تساویا۔

قرآن مجید میں ہے :

لا یستوون عند اللہ۔ اس میں استواء کا اسناد دو سے زاید فاعلوں کی طرف ہوا ہے۔

(۲) جو شے فی نفسہ معتدل ہو اس کے لیے استعمال ہوتا ہے فاذا استویت یعنی آیت ہذا۔

قاعدہ : پھر یہ جب متعدی بعلی ہو تو استعلاء کا معنی دیتا ہے۔ مثلاً الرحمٰن علی العرش استوی۔

عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اور جب آپ کشتی پر سوار ہوں تو کہنا جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں ظالم قوم سے نجات بخشی۔

سوال : کشتی میں اور لوگ بھی تو تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے حمد کا حکم صرف نوح علیہ السلام کو کیوں دیا؟

جواب : ان کی بزرگی اور شرافت کے اظہار کے لیے۔ اور متنبہ کرنا ہے کہ نوح علیہ السلام کی حمد میں وہ خلوص ہے جو دوسروں میں بہت کم ہے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ اور کہنا اے میرے اللہ تعالیٰ! مجھے اتار کشتی میں یا کشتی سے باہر۔ یعنی یہ دعا دونوں وقتوں کو شامل ہے۔ یعنی کشتی میں داخل ہونے کے لیے بھی اور اس سے فراغت کے بعد بھی۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دعا صرف کشتی میں داخلے کے لیے ہے۔ لیکن مشہور تر یہ ہے کہ یہ دونوں وقتوں کے لیے ہے۔

مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا منزل بمعنے مصدر ہے یا ظرف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ ہمیں ایسی جگہ پر اتار جو خیر کثیر سے بھرپور ہو۔ اسے بفتح المیم بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی موضع نزول۔ اور نزول بمعنے اوپر سے نیچے اترنا۔

مثلاً کہا جاتا ہے: نزل عن ودابتہ و تزل فی مکان کذا۔ یعنی اس جگہ پر اپنا سامان اتارا اور دوسرے کو اسی جگہ پر ٹھہرایا۔ وَاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ○ الجلالین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی انھیں حکم فرمایا، اھبط بسلام منا و برکات علینا ہماری طرف سے سلامتی اور بے شمار برکات کے ساتھ اُتریئے۔ چنانچہ کشتی سے اُترنے کے بعد انھیں وہ برکات نصیب ہوئیں کہ زہے نصیب۔ مثلاً تا حال تمام نسلِ انسانی نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کی مرہونِ منت ہے[1] افسوس کہ وہابی نجدی وغیرہ انبیاء علیہم السلام بالخصوص نوح علیہ السلام کی ایسی دعاءِ مستجاب کو بھول جاتے ہیں اور ان کے وہ واقعات بار بار دہراتے ہیں جن میں بظاہر ان کے خلاف نظر آتے ہیں اگرچہ درحقیقت وہ دعا نہیں ہوتی اگر ہوتی ہے تو اس میں اسرار و رموز مضمر ہوتے ہیں مثلاً بار بار پیش کرتے ہیں کہ کنعان کے لیے نوح علیہ السلام کی دعا رد ہوئی (معاذ اللہ) تفصیل ہم نے پارہ نمبر ۱۲ میں لکھ دی ہے مزید تفسیر اولیسی میں ملاحظہ ہو)

فائدہ صوفیانہ: حضرت کاشفی نے لکھا کہ سلمی از ابن عطا نقل فرماتے ہیں کہ منزل مبارک سے وہ منزل مراد ہے جو ہواجسِ نفسانی و وساوسِ شیطانی سے محفوظ و مامون ہو اور اس میں آثار قرب از جمال قدس نازل ہوں ؎

۱ ہر کجا پرتو انوار جمال بیشتر
برکت آں منزل از ہر منازل افزوں تر

۲ در منزلے کہ یارے روزے رسیدہ باشد
با ذرہ ہائے خاکش داریم مرحبا ئے

ترجمہ: (۱) جہاں انوار جمال کا پرتو (عکس) بہت زیادہ ہو وہ منزل دوسری منازل سے بڑی بابرکت ہو۔
(۲) کسی منزل میں دوست کی تشریف آوری ہو اس منزل کے ہر ذرہ کو صدہا مبارک۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ نوح علیہ السلام اور آپ کی اُمت کے ساتھ جو کچھ ہوا یہ اشارہ اسی کی طرف ہے لَاٰیٰتٍ بہت بڑی جلیل القدر آیات ہیں انہی سے اولی الابصار استدلال کرتے اور اہلِ اعتبار عبرت پکڑتے ہیں۔ وَاِنْ کُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ○ یہ اِنْ مخففہ ہے اور لام فرق بتاتی ہے کہ یہ نافیہ نہیں بلکہ ثقیلہ ہے اور اس کی ضمیر شان محذوف ہے دراصل عبارت یوں ہے وان الشان کنا الخ یعنی شان یہ ہے کہ ہم نے انہی آیات سے اپنے مخصوص بندوں کا امتحان لیا تاکہ ظاہر ہو کہ وہ ان سے نصیحت حاصل کرتے اور عبرت پکڑتے ہیں یا نہیں۔

---

[1] اضافہ از اولیسی غفرلہٗ

قاعدہ لفظ ابتلاء : امام راغب نے فرمایا کہ جب کہا جائے ابتلی فلاں یا ابلاہ ، تو وہ دو معانی کو متضمن ہوتا ہے :

(۱) معلوم کیا جائے کہ اس کا معاملہ کیسا ہے، مخلص ہے یا منافق -
(۲) اس کے کھرے کھوٹے ہونے کو ظاہر کرنا -

اللہ تعالیٰ کے لیے یہی دوسرا معنی استعمال ہوتا ہے کیونکہ اسے تو پہلے ہی سب کا حال معلوم ہے -

شانِ انبیاء علیہم السّلام اور اولیاء کرام آزمائش کو نمک کی طرح سمجھنا چاہیے - اکابر انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام اگرچہ مصائب و مشکلات کے سامنے پہاڑ کی طرح مضبوط تھے تب بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کی تو ان حضرات نے اس پر صبر کیا - مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کو ساڑھے نو سو سال آزمائش میں رکھا تو نوح علیہ السلام نے اُف تک نہ کی ، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں قل الحمد للہ الذی نجانا من القوم الظّٰلمین کے خطاب سے نوازا - حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گرت چو نوح نبی صبر ہست بر غم طوفان
بلا بگردد و کام ہزار سالہ بر آید

ترجمہ : اگر تجھے نوح علیہ السلام کی طرح صبر کی طاقت ہے جیسے انھوں نے طوفان کے غم سے صبر کیا تو مراد پوری ہوئی اسی طرح تیری مراد بھی پوری ہوگی۔

ف : نوح علیہ السلام نے ظالم قوم کے لیے بددعا فرمائی یہ بھی اذنِ الٰہی تھا - پھر جب قہرِ الٰہی آیا تو لطفِ رحمانی نے ظالمین پر کوئی لطف و کرم نہ فرمایا اور دعا میں عاجزی و انکساری کا اظہار مطلوب ہے اور اس میں بھی درحقیقت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی رفعتِ شان کا اظہار مطلوب ہوتا ہے بلکہ یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پیارے بندوں کے لیے نفع بخش ہے -

ف : حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عبادت بمنزلہ تالہ کے ہے اس کی کنجی دعا ہے اور اس کنجی کے دندانے اکلِ حلال - حضرت نوح علیہ السلام کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ تھی کہ اے اللہ تعالیٰ! جو کچھ میں چاہتا ہوں اگر تیری رضا اس کے خلاف ہے تو مجھے اس پر صبر کی توفیق بخش -

سبق آیت میں اشارہ ہے کہ مومن پر لازم ہے کہ وہ اپنے لیے منزل مبارک کی طلب کرے - یعنی وہ مبارک منزل جس میں دین و دنیا کی بھلائی ہو ؎

سعدیا حُبِ وطن گرچہ حدیث ست صحیح ۔۔۔ نتوان مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ: اے سعدی! اگرچہ حب الوطن من الایمان صحیح حدیث ہے لیکن وہاں اس ارادہ پر سختی کی موت مرنا کہ وہی میرا مولا ہے۔

ف: اگر غور سے دیکھا جائے تو انبیاء علیہم السلام اور اکابر اولیاء میں سے اکثر نے اپنے وطن اصلی سے ہجرت کی اس لیے کہ ظالم قوم میں زندگی بسر کرنا اچھا نہیں۔

(صاحب رُوح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ

صاحبِ روح البیان کی اپنی کہانی

کی حمد کرتا ہُوں کہ اس نے مجھے بار بار ہجرت کا موقعہ بخشا اور شکر ہے کہ اب بہتر شہر بروسہ میں مقیم ہونے کا شرف بخشا اور میرے نام نیک فال آئی کہ مجھے اچھے شہر میں رہنے کا موقعہ نصیب ہُوا اور جن لوگوں نے میرے ساتھ مخالفت کی اور میرے وعظ و نصیحت سے منہ موڑا وہ تباہ و برباد ہوئے اور میری آزمائش ہُوئی اس سے میں نے نجات پائی اور قہر و لطف سے اور جلال جمال سے تبدیل ہوا۔[۱]

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قومِ نوح کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ہم نے پیدا کی قَرْنًا اٰخَرِيْنَ قومِ آخرین۔ اس سے قومِ عاد وغیرہ مراد ہے۔ کما قال تعالیٰ:

حکایة عن هود علیه السلام واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح۔

اور قرن سے وُہ قوم مراد ہے جو یکے بعد دیگرے آئی۔

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ پھر ہم نے ان میں بھیجے رَسُوْلًا مِّنْهُمْ رسول علیہ السلام انہی میں سے، یعنی ان کے نسب سے۔ اس سے ہُود کی قوم مراد ہے نہ کہ خود ہُود اور صالح علیہما السلام۔ ہاں اگر قرن سے قومِ عاد و ثمود مراد ہو تو رسول سے ہُود و صالح علیہما السلام مراد ہو سکتے ہیں اور رسول بمعنے مرسل پر مقام کی مناسبت سے تثنیہ و جمع ہو سکتا ہے، جیسے انا رسولا ربك۔ اور قرن ارسال کی ظرف ہے جیسے امة کا لفظ آیۃ کذالك ارسلناك فی امة میں ظرف ہے اور یہ لقد ارسلنا نوحًا الیٰ قومه کی غایت نہیں اس میں اشارہ ہے کہ وہ رسل کرام علیہم السلام بر ممالک سے نہیں بلکہ ان کے اپنے مولا و منشا اور ان کی اپنی برادری سے تھے اور ان کے سامنے جوان ہوئے اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ ان مفسرہ ہے ارسلنا کی تفسیر کرتا ہے اس لیے کہ ارسال میں قول کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ

(باقی برصفحہ ۴۷)

---

[۱] فقیر اویسی غفرلہ کو بھی ہجرت نصیب ہُوئی۔ اگرچہ اپنے اصلی وطن حامد آباد ضلع رحیم یار خان میں دینوی لحاظ سے ہر طرح سے آرام تھا لیکن دینی خدمات سرانجام دینے کے لیے سخت دشواریاں تھیں۔ الحمد للہ جب سے بہاول پور شہر میں ہجرت کر کے یہاں پر مستقل اقامت رکھی۔ دینی خدمات میں بہتر مواقع میسر آئے۔ خدا کرے یہ مختصر خدمات قبول ہوں۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتْرَفْنَاهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
مَا هٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُونَ ۝ وَلَئِنْ
أَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ إِنَّكُمْ إِذًا لَّخٰسِرُونَ ۝ أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا
أَنَّكُمْ مُّخْرَجُونَ ۝ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ۝ إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَ
مَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلُ ٱفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ۝ قَالَ
رَبِّ انْصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ
فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَاءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِينَ ۝ ثُمَّ أَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا اٰخَرِينَ ۝ مَا تَسْبِقُ
مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝ ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ
فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ أَحَادِيثَ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ۝ ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسٰى وَ
أَخَاهُ هٰرُونَ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۝ إِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا
عَالِينَ ۝ فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُونَ ۝ فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ
الْمُهْلَكِينَ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ اٰيَةً وَّ
اٰوَيْنٰهُمَا إِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِينٍ ۝

ترجمہ: اور کہا اس کی قوم کے ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا اور جنھوں نے آخرت کی حاضری کی تکذیب کی اور ہم نے انھیں دنیوی زندگی میں عیش دیا تھا یہ تو تمھارے جیسا بشر ہے جو تم کھاتے ہو اسی میں سے کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو اسی میں سے وہ پیتا ہے اگر تم کسی اپنے جیسے بشر کی اطاعت کرو گے جب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو کیا یہ تمھیں وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مرو گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے تو پھر تم مٹی سے نکالے جاؤ گے بہت ہی بعید ہے اور بہت ہی بعید ہے وہ جو تم وعدہ دیے جاتے ہو۔ وہ تو نہیں مگر یہی ہماری دنیوی زندگی ہم مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور ہم (قبروں سے) اٹھائے نہیں جائیں گے اور وہ تو نہیں مگر ایک مرد جس نے اللہ تعالیٰ پر افترا کیا اور ہم اس کی تصدیق نہیں کرتے، کہا اے میرے پروردگار! میری مدد فرما اس پر کہ اُنھوں نے میری تکذیب کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عنقریب یہ پشیمانی سے صبح کریں گے تو انھیں سچی سخت آواز نے پکڑ لیا پھر ہم نے کوڑا کرکٹ بنا دیا تو خدا کی مار ہو ظالموں کو پھر ان کے بعد ہم نے اور لوگ پیدا کیے کوئی اُمت اپنی مقررہ مدت سے نہ پہلے جا سکتی ہے اور نہ پیچھے ہو سکتی ہے پھر ہم نے اپنے رسول یکے بعد دیگرے بھیجے جب بھی کسی اُمّت کے پاس اس کا رسول آیا اُنھوں نے اس کی

تکذیب کی تو ہم نے بھی ایک کو دُوسرے کے پیچھے لگا دیا اور انہیں کہانیاں بنا ڈالا تو خدا کی مار ہو بے ایمانوں کو، پھر ہم نے موسٰی (علیہ السلام) اور اس کے بھائی ہارون (علیہ السلام) کو اپنی آیات اور روشن نشانی دے کر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے تکبّر کیا اور تھے بھی وہ لوگ متکبر۔ تو کہنے لگے کہ کیا ہم ایمان لائیں اپنے جیسے دو بشروں پر اور ان کی قوم ہماری بندگی میں ہے تو انھوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو ہو گئے وہ ہلاک کیے ہوؤں میں اور بیشک ہم نے موسٰی علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی کہ ان کو ہدایت ہو اور مریم اور اس کے بیٹے کو ہم نے نشانی بنایا اور ہم نے انھیں ایک بلند زمین میں پناہ دی جو ٹھہراؤ کے لائق اور شاداب جگہ تھی۔

(بقیہ ص ۵۴)

نے فرمایا: قلنا لهم علىٰ لسان الرسول ان اعبدوا الله وحده۔ اس لیے کہ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں اس کا اعراب بیان ہو چکا اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ بحر العلوم میں ہے کہ دراصل عبارت یُوں تھی: اتشرکون بالله کیا تم اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہو۔ کیا تم شرک کر کے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے نہیں ہو؛ شرک کرنا اور تقویٰ نہ کرنا دونوں گناہ ہیں۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا امام راغب نے فرمایا کہ الملاء بمعنے ایسی جماعت جو جب کسی رائے پر مجتمع ہو تو آنکھوں اور نفوس کو دلالت اور رونق سے بھرپور کر دے۔ یہاں پر نوح علیہ السلام کی کافر برادری کے لیڈر مراد ہیں اور انھیں کفر سے موصوف کرنے میں ان کی مذمت مطلوب ہے اور اس مضمون کو فا کے بجائے واؤ سے بیان کرنے میں اشارہ ہے کہ یہ کلام کلام رسول علیہ السلام سے متصل نہیں کیونکہ قولِ حق و قولِ باطل کا اجتماع محال ہے اور ان کے مابین بہت بڑا فرق ہے۔

ف: برہان القرآن میں لکھا ہے کہ اس آیت میں قومہ کو مقدم اور ماقبل والی آیت میں مؤخر لانے میں حکمت ہے وُہ یہ کہ ماقبل والی آیت میں الذین کا صلہ فعل اور فاعلین کی ضمیر پر مقصور ہے پھر اس کے بعد جار و مجرور پھر فاعل و منعول مذکور ہوا۔ یہاں پر یہ بات نہیں، اس لیے موصول کا صلہ فاعل و مفعول اور اس پر دوبارہ عطف ڈالنے سے طویل ہو گیا ہے اور جار و مجرور کو مقدم کرنے میں ضرورت ہے کہ اس طرح نہ کیا جاتا تو التباس پڑ جاتا اور اسے درمیان میں لانے سے بھی عبارت رکیک ہو جاتی بنا بریں اسے مقدم لانا مناسب ہوا۔ وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ

اور انھوں نے آخرت کی طرف رجوع کرنے اور اس میں اٹھنے اور جمع ہونے اور اس کے حساب اور ثواب و عقاب کا انکار کیا وَ اَتْرَفْنٰهُمْ اور ہم نے انھیں نعمت سے نوازا اور ان کے معاملات میں وسعت پیدا فرمائی۔ یہ ترف فلان بمعنی توسع فی النعمۃ و اترفتہ النعمۃ اطغتہ سے ہے فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا حیاۃ دنیا میں کثرتِ اموال اولاد سے، پھر انھوں نے اپنے ماتحت لوگوں سے ہود علیہ السلام سے نفرت دلاتے ہوئے کہا مَا هٰذَاۤ نہیں ہیں ہود علیہ السلام اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ مگر تمہارے جیسے بشر یعنی صفات و اقوال میں تمہارے جیسے ہیں یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ یَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۙ جس سے تم کھاتے پیتے ہو اس سے وہ بھی کھاتا پیتا ہے یہ تاکید ان کے اس دعویٰ کی ہے کہ یہ تمہارے جیسے بشر ہیں وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اگر تم مذکورہ بالا صفات و احوال والے بشر کی اطاعت کروگے تو بخدا اِنَّكُمْ اِذًا بے شک تم اس وقت (یعنی جب تم ان کی اطاعت کروگے) لَّخٰسِرُوْنَ ۙ خسارہ والے ہوگے یعنی تم بے عقل سمجھے جاؤگے اور تم فکر و نظر کے لحاظ سے بالکل گرے ہوئے متصور ہوگے۔

حضرت کاشفی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ لکھا کہ تم بڑا نقصان اٹھاؤگے اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی اطاعت کی۔

سبق : غور کیجئے کہ کفار و مشرکین نے انبیاء علیہم السلام کی اطاعت اور ان کی اتباع (جو سراسر سعادۃ دارین ہے) کو کیسے غلط انداز میں بیان کیا کہ اسے خسارہ اور نقصان سے تعبیر کیا اور بت پرستی جو سراسر نقصان اور گھاٹا ہے اس کے لیے نقصان و خسران کا تصور ہی نہیں رکھتے تھے۔ (اللہ تعالیٰ انھیں ذلیل کرے)

ترکیب : لفظ اذاً ان کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان واقع ہوا ہے حرف شرط کے مضمون کی تاکید کے لیے، اور جملہ قسم محذوف کا جواب ہے۔

ف : بعض فضلاء نے فرمایا کہ اذاً اسم ظرف مضاف ہے۔ اس کا مضاف الیہ محذوف ہے۔ یہی تنوین

---

[1] آج بھی ہم اہلسنت کو وہابی نجدی، دیوبندی انبیاء علیہم السلام بالخصوص آقائے کائنات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہی آیت سناتے ہیں۔ یعنی وہ نبی غذا میں تمہاری طرح محتاج ہے اگر وہ نبی ہوتا تو وہ ملائکہ کے صفات سے موصوف ہو کر نہ کھاتا نہ پیتا۔ ہم اہلسنت انبیاء علیہم السلام کی بشریت کے منکر نہیں لیکن یہ کہتے ہیں کہ ان کی بشریت ہماری بشریت کی طرح خواہشاتِ نفسانی اور ضروریاتِ زندگانی میں ملوث نہیں بلکہ انھوں نے اپنی بشریت کا تزکیہ و تصفیہ کر کے اسے نورٌ علیٰ نور بنادیا۔ اس معنے پر ہم ان کو نور اور ان کی بشریت کو نورانی بشریت سے تعبیر کرتے ہیں اور ان پر بشریت کے اطلاق سے اس لیے روکتے ہیں کہ یہ اطلاق ابلیس اور کفار و مشرکین کا تھا۔ قاعدہ ہے کہ گستاخ کی نقل قولی یا فعلی بھی گستاخی ہے۔ اس کی تفصیل فقیر اویسی کی کتاب نور و بشر دیکھیے۔ اویسی غفرلہٗ

اسی مضاف الیہ کا عوض ہے ۔

ف : العیون میں ہے کہ اذا شرط محذوف کا جواب ہے ۔ دراصل عبارت انکم ان اطعتموہ اذن لخاسرون تھی ۔

اَیَعِدُکُمْ کیا تمہیں یہی پیغمبر وعدہ دیتا ہے کہ اَنَّکُمْ اِذَا مِتُّمْ بکسر المیم از مَاتَ یَمَاتُ ۔ اور بضم المیم بھی پڑھا گیا ہے از مَاتَ یَمُوْتُ ۔ یعنی بے شک تم مرجاؤ گے وَکُنْتُمْ اور ہوجاؤ گے تُرَابًا وَّعِظَامًا مٹی اور ہڈیاں ۔ یعنی تمہارے اجسام گوشت سے خالی ہو کر صرف بوسیدہ ہڈیاں رہ جائیں گے ۔ یعنی تمہارے اجزا جن کے بعض حصص گوشت تھے وہ مٹی ہوجائیں گے اور باقی ڈھانچہ بوسیدہ ہڈیاں بچ جائے گا ۔ مٹی کی تقدیم اس لیے ہے کہ گوشت کا مٹی ہوجانا عقلاً محال ہے ۔ لیکن مرنے کے بعد اس کیفیت کے بغیر اور کیا تصور ہو سکتا ہے یا اس کی تقدیم اس لیے کہ مرنے کے بعد تمہارا اگلا حصہ مٹی اور پچھلا حصہ ہڈیاں رہ جائے گا ۔

فقیر (اسمعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ تم پہلے ہڈیوں کی صورت میں پھر مٹی میں مل جاؤ گے ۔ کیونکہ واؤ مطلق جمع کے لیے آتی ہے [1]

اَنَّکُمْ یہ پہلے انکم کی تاکید ہے اور دوبارہ اس لیے لایا گیا ہے کہ اِنَّ اور اس کی خبر مُخْرَجُوْنَ ۝ کے درمیان عبارت کا فاصلہ طویل ہوگیا ہے ۔ مخرجون بمعنے قبور سے زندہ کر کے اٹھائے ہوئے ۔ یعنی جیسے تمام عالم دنیا میں زندگی بسر کر رہے تھے ۔ ایسے ہی دوبارہ پھر تمہیں عالم آخرت میں زندہ اٹھایا جائے گا ۔ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ یہ اسم فعل بمعنے بَعُدَ ہے اور بَعُدَ کی تاکید کے لیے مکرر لایا گیا ہے یعنی اس کا وقوع بعید ہے لِمَا تُوْعَدُوْنَ ۝ جس کے لیے تم وعدہ دیے جا رہے ہو ۔ یعنی مرنے کے بعد اُٹھنا اور حساب وکتاب کے لیے جمع ہونا یہ ہرگز نہ ہوگا ۔ یا اس کا معنیٰ ہے کہ بعید ہے جس کا تم وعدہ دیئے جا رہے ہو ۔ یہ لام مستبعد کے بیان کے لیے ہے گویا جب کلمۂ استبعاد کی آواز ان کے کان میں پڑی تو ان سے پوچھا گیا یہ استبعاد کیسا ؟ جواب ملا یہ وہی ہے جس کے لیے تم کو وعدہ دیا جا رہا ہے اِنْ هِیَ اِن نافیہ ہے ۔ نہیں ہے یہ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا مگر ہماری دنیوی زندگی نَمُوْتُ وَنَحْیَا جملہ متقدمہ کی تفسیر ہے ۔ یعنی بعض مریں گے

---

[1] مٹی میں مل جانے والا عقیدہ وہابیوں نجدیوں دیوبندیوں کو نصیب ہوا ہے ان کے مولوی اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان اور اس سے پہلے محمد بن عبدالوہاب نجدی نے نہ صرف عوام کے لیے بلکہ امام الانبیاء علیہ وعلیہم السلام پر تہمت باندھ کر ایک حدیث حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کردی کہ ایک دن میں مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں ۔ حوالہ جات فقیر کی کتابوں " دیوبندی اور بریلوی فرق " اور " از ابلیس تا دیوبند " کا مطالعہ کیجئے ۔ اویسی غفرلہٗ

اور بعض نئے پیدا ہوں گے یہاں تک کہ زمانہ کا دور ختم ہو جائے گا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ہمیں دو امر پہنچیں گے موت یا حیات۔ حیات سے ان کی مراد یہی دنیوی حیات تھی اور موت سے مراد اس کے بعد مرنا، اس کے بعد جی اُٹھنے کے قائل نہ تھے۔

وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ۝ اور ہم مرنے کے بعد نہیں اٹھائے جائیں گے۔ کفار کی یہ گفتگو حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ تھی اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے کے عقیدے کو ہُود علیہ السلام کا ایک وہم و گمان سمجھتے تھے حالانکہ ان بیوقوفوں نے اتنا بھی نہ سمجھا کہ اللہ تعالیٰ پر اُن کا پیدا کرنا مشکل ہے نہ مارنا۔ بظاہر دیکھا جائے تو از سرِ نو پیدا کرنا زیادہ مشکل ہے لیکن وہ قادر جب ہماری تخلیق پر قدرت رکھتا ہے تو مارنے کے بعد اٹھانا اس کے لیے کون سی مشکل بات ہے۔

اِنْ هُوَ نہیں وہ یعنی ہُود علیہ السلام اِلَّا رَجُلُ نِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا مگر ایک ایسا مرد جو اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشتا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے رسول بنا کر بھیجا ہے اور کہتا ہے کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہو گا۔

حلِ لغات : امام راغب نے فرمایا کہ الفری بمعنے اصلاح وغیرہ کے لیے چمڑے کو کاٹنا۔ اور الافراد بمعنے الافساد۔ الافتراء دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن افساد کے معنے میں بکثرت استعمال ہوتا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں کذب و شرک و ظلم کے لیے استعمال ہوا ہے۔

وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور جو کچھ ہُود علیہ السلام فرما رہے ہیں ہم ان کی کسی بات کی بھی تصدیق نہیں کرتے قَالَ حضرت ہود علیہ السلام جب اُن سے ناامید ہوئے تو فرمایا رَبِّ انْصُرْنِیْ اے میرے رب! میری مدد فرما اور ان سے بدلہ لے، یعنی مجھے ان پر غلبہ عطا فرما اور مغلوب کر بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ انھیں ان کی تکذیب اور اس پر اصرار کی وجہ سے۔ قَالَ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا عَمَّا قَلِيْلٍ بمعنے عن زمان قلیل ہے۔ اس کا ما زائدہ ہے جار و مجرور کے درمیان واقع ہوا ہے قلت کے معنے کی تاکید کرتا ہے۔ یعنی ان کی زندگی کے چند لمحات باقی رہ گئے ہیں لَّيُصْبِحُنَّ یہی تکذیب کرنے والے کافر ہو جائیں گے نٰدِمِيْنَ ۝ کفر و تکذیب پر ندامت کرنے والے۔ یہ اس وقت ہو گا جب وہ عذاب دیکھیں گے۔ اور ندامۃ بمعنے پشیمانی۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ۔ صیحۃ سے جبریل علیہ السلام کی وہ سخت گرج جسے سُن کر ان کے قلوب پھٹ گئے۔ پھر اسی وقت مر گئے۔ الصیحۃ بمعنے رفع الصوت۔

سوال : اس سے ثابت ہوتا ہے قصّہ کے ابتداء میں قرن مذکور سے ثمود یعنی قوم صالح علیہ السلام مراد ہو گی۔ اس لیے کہ وہی صیحۃ سے تباہ و برباد ہوئی اور ہُود علیہ السلام کی قوم تو آندھی سے تباہ ہوئی تھی۔

جواب : پہلے انھیں سخت آندھی نے لپیٹا پھر وہ صیحہ سے مارے گئے اور یہ ہوتا رہتا ہے جیسے قوم لُوط علیہ السلام اٹئفکہ اور صیحہ دونوں سے تباہ و برباد ہوئی۔

مروی ہے کہ شداد بن عاد نے جب ارم کی عمارت مکمل کر لی تو اپنے اہل و عیال سمیت اس میں رہنے کے لیے آرہا تھا تو راستے میں سخت آواز سے تباہ و برباد ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صیحہ سے عذاب و موت مراد ہے۔

اعجوبہ

جلالین میں اس کا ترجمہ صیحۃ العذاب لکھا ہے۔

بِالْحَقِّ یہ فاخذتھم کے متعلق ہے یعنی انھیں چنگھاڑ نے ایسے طریقے سے پکڑا جو طریقہ ثابت تھا، جسے کوئی شے دفع نہ کرسکی اور نہ دفع کرسکتی تھی۔

جلالین میں اس کا معنی بالامر من اللہ لکھا ہے۔

فَجَعَلْنٰهُمْ پس ہم نے انھیں کیا غُثَاۤءً سیلاب کے اس جھاگ وغیرہ کی طرح جو بیکار ہوتا ہے جسے کسی کام میں نہیں لگایا جاتا۔ دراصل غثاء سیلاب کے پانی کے اوپر والی اشیا جیسے جھاگ، پتے، لکڑیوں وغیرہ کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

سال بہ الوادی لمن ھلك۔

یہ اس کے لیے بولتے ہیں جب وادی میں کوئی ڈوب کر مرجائے۔

کاشفی نے لکھا غثاء پانی کے وہ خاشاک جسے پانی اپنے اوپر اٹھائے۔ یعنی ہم نے انھیں ایسے ہی تباہ و برباد کر ڈالا جیسے سیلاب کے وہ خس و خاشاک جسے پانی سے باہر پھینکتے ہیں اور وہ سیاہ اور پرانے بیکار پڑے ہوتے ہیں۔

فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اس میں جملہ خبریہ کا بھی احتمال ہے اور ممکن ہے کہ یہ دعائیہ جملہ ہو۔ کاشفی نے اس کا ترجمہ لکھا کہ ظالموں کو رحمتِ پروردگار سے دوری ہو۔ بُعْدًا کا مصدر ہے بَعُدَ کا۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی ہلاک و برباد ہوجائے۔ اور یہ ان مصادر سے ہے جن کا ناصب اکثر و بیشتر ظاہر نہیں ہوتا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ انتہائی بعید ہوئے یعنی تباہ ہوئے۔ اور لام ان لوگوں کے بیان کے لیے ہے جن کے لیے بعداً کہا گیا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ دنیا جب بغاوت کرتے ہیں تو رسل کرام علیہم السلام پر طعن و تشنیع کرتے ہیں ؎

چو منعم کند سفلہ را روزگار
نہد بر دل تنگ درویش بار

چو بام بلند بود خود پرست
کند بول و خاشاک بر بام پست

ترجمہ: جب کسی کمینے کو اللہ تعالیٰ نعمتِ دنیوی سے نوازتا ہے تو وہ درویش کو تنگ کرتا ہے۔
جب کمینے کی دیوار اونچی ہو تو وہ نچلی چھت پر پیشاب کرتا اور گندگی پھینکتا ہے۔

اور اہلِ دنیا ہمیشہ رسل کرام علیہم السلام کو پُرعیب بتاتے اور انھیں ایذا دیتے ہیں کیونکہ انھیں معلوم ہے کہ انبیاء عظام علیہم السلام اور اولیاءِ کرام وہی کھاتے ہیں جو اہلِ دنیا کھاتے ہیں۔ لیکن اُن کے اور اِن کے کھانے میں فرق ہے۔ اہلِ دنیا شہوت کی آگ بجھانے کے لیے اور حد سے متجاوز ہو کر کھاتے ہیں اور اہل اللہ رضائے الٰہی کے لیے اور بقدرِ ضرورت کھاتے ہیں۔

حدیث شریف: المومن یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعة امعاء۔ (مومن ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے) ؎

لاجرم کافر خورد در ہفت بطن
دین و دل باریک و لاغر زفت بطن

ترجمہ: بیشک کافر سات پیٹوں میں کھاتا ہے اس لیے اس کا دین و دل ضعیف اور اس کا باطن لاغر ہے۔

بلکہ اہل اللہ کے لیے یوں کہو کہ وہ دل کے منہ سے وہ کھاتے پیتے ہیں جو ان کا رب انہیں کھلاتا پلاتا ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شب باشی کرتے ہیں۔

حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ آفندی قدس سرہٗ نے فرمایا:

کان علیہ السلام یبیت عند ربہ فیطعمہ ویسقیہ من تجلیاتہ المتنوعة وانما اکلہ فی الظاھر لاجل امتہ الضعیفة والا فلا احتیاج لہ الی الاکل والشرب۔

(حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب تعالیٰ کے ہاں شب باشی فرماتے ہیں، وہی ان کو مختلف تجلیات سے کھلاتا پلاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری کھانا پینا امتِ ضعیفہ کی تعلیم کے لیے تھا ورنہ آپ کو کھانے پینے کی ضرورت نہ تھی)[1]

---

[1] ردِّ وہابیہ و نجدیہ: ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نورٌ علیٰ نور تھے۔ ان کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا غرضیکہ ہر ادا نور ہی نور تھی۔
مندرجہ ذیل اشعار عشق و محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی تصویر ہیں: ؎

(برصفحہ آئندہ)

ومارُوی من انه کان یشد الحجر فهولیس من الجوع بل من کمال لطافته لئلا یصعد الی الملکوت بل یستقر فی الملک للارشاد ۔

(بقیہ حاشیہ ص ۵۲)

اسم نور و جسم و جان نور
ذکر نور و فکر نور عرفان نور
دست نور و پائے نور و قد نور
ولد نور و اَب نور و جد نور
موئے نور و رشئے نور و خوئے نور
بوئے نور و گوئے نور و سوئے نور
باز گویم آل نور و اصحاب نور
اکل نور شرب نور و خواب نور
اہل نور و بیت نور و بلد نور
جائیکہ آمد محمد صلی اللہ علیہ وسلم کرد نور
راست گو اے آفتاب جملہ نور
از کجا ملکے تو فرمودی ظہور

اعلیحضرت قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

تیری نسلِ پاک میں ہے بچہ بچہ نور
تو ہی عین نور تیرا سب گھرانہ نور کا
چاند جھک جاتا ہے جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں
کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

باقی رہا آپ کا کھانا پینا و دیگر لوازماتِ بشریہ کا پورا کرنا صرف اور صرف امت کی تعلیم کے لیے تھا ۔ چنانچہ صدیوں پہلے اس کا فیصلہ اکابرینِ اُمت اپنی تصانیف میں کر گئے۔ منجملہ ان کے اسی تفسیر (روح البیان ج ۶، ص ۸۳) میں ہے :

وانما اکله فی الظاهر لاجل امته الضعیفة والا فلا احتیاج له الی الاکل والشرب ۔

آپ کا ظاہری کھانا امتِ ضعیفہ کی تعلیم کے لیے تھا ورنہ آپ کو کھانے پینے کی ضرورت نہ تھی۔

(باقی برصفحہ ۵۴)

(اور وہ جو مروی ہے کہ آپ اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھتے تھے وہ بھوک کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اس لیے تھا کہ جب آپ کی کمالِ لطافت کا تقاضا عالمِ ملکوت کی طرف پرواز کرنے کا ہوتا آپ اس کو روکنے کے لیے پتھر باندھتے تاکہ جسمِ اقدس عالمِ دُنیا میں رہے اور خلقِ خدا مستفیض ہو)

[**ف**: یہ جواب نہایت لطیف ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نوری جسم ملکوتی تھا اس لیے وہ دنیا میں رہنا گوارا نہیں کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ عالمِ ملکوت سے ہونے کے باوجود عالمِ دنیا میں رہے۔ یہ بھی آپ کا ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ]

ف: اللہ تعالیٰ نے کفار کو بُرے اوصاف سے موصوف فرمایا ہے مثلاً کفر بالخالق اور کفر بیوم القیمۃ اور حبِ دنیا میں منغمس ہونا۔ پھر ان پر ظلم کی بھی مُہر ثبت فرمائی اور واضح فرمایا کہ ان کی تباہی و بربادی ان کے ظلم کی وجہ سے ہوئی۔

ع

نماند ستمگار بد روزگار

بماند برو لعنت پائدار

ترجمہ: ظالم دنیا میں ہمیشہ نہیں رہتا، اس پر ہمیشہ کے لیے لعنت برستی رہتی ہے۔

ف: ظلم اہلِ شقاوت اور اہلِ بُعد و فراق کی عادات سے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں خس و خاشاک سے بھی کمتر ہیں۔ چنانچہ (حدیثِ قدسی میں) کہا گیا ہے کہ وہ جہنم میں ہیں اور مجھے ان کی کوئی پروا نہیں۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ اَنْشَاْنَا پھر ہم نے قرون مذکورہ کی تباہی و بربادی کے بعد پیدا فرمائے۔ ان سے قومِ عاد مراد ہے جیسا کہ مشہور تر قول ہم نے اوپر بیان کیا۔ (مِنْۢ بَعْدِهِمْ ان کے بعد) قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ۝ دوسرے اور قرون۔ مثلاً قومِ صالح و لوط و شعیب علیٰ نبینا و علیہم السلام وغیرہم۔ تاکہ قدرت کا اظہار ہو اور ہر اُمت کو معلوم ہو کہ اللہ کو ان کی اور تمہاری ضرورت نہ تھی۔ اگر انھوں نے یا کسی نے انبیاء و

(بقیہ حاشیہ ص ۵۳)

اس سے نتیجہ نکلا کہ بشریتِ انبیاءؑ ہماری طرح نہ تھی ان کی بشریت نوری تھی۔ ہم چونکہ اکل و شرب کے بغیر زندگی نہیں بسر کر سکتے اس لیے ماننا پڑا کہ ہماری بشریت خاکی ہے۔

سوال وہابی: اگر حضور علیہ السلام کو کھانے کی ضرورت نہ تھی تو پھر آپ بھوک سے پیٹ پر پتھر کیوں باندھتے تھے؟

جواب: ہمارے کہنے سے صدیوں پہلے اس سوال کا جواب صاحبِ روح البیان نے اپنی تفسیر جلد ۶ ص ۴۸ میں دے دیا۔ وضاحت کے لیے جلد ہذا کا صفحہ ۵۳ دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

رسل علیہم السلام کی اتباع اور ان کی دعوت قبول کی تو وہ بھی ان کا اپنا فائدہ تھا۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا مِن زائدہ استغراق کے لیے ہے یعنی ہر وہ اُمت جو ہلاک اور برباد ہوتی ہے وہ اپنے مقررہ وقت سے پہلے تباہ و برباد نہیں ہوتی وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ اور نہ ہی گھڑی بھر پہلے ہلاک ہوتی ہے بلکہ عین اسی وقت تباہ و برباد ہوتی ہے جب اس کی تباہی کا مقرر کردہ وقت آپہنچے۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا اس کا عطف انشاناً پر ہے لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ ارسال جمیع قرون مذکورہ سے متاخر ہے بلکہ یہ معنیٰ ہے کہ ارسال ہر رسول انشا قرن مخصوص سے بعد ہے۔ گویا یُوں کہا گیا ہے کہ ہم نے قرونِ آخرین کے بعد قرن پیدا کئے اور ان کے ہاں ان کا رسول مخصوص بھیجا تَتْرَا ؕ یہ متواترۃ کا مصدر ہے بمعنے التعاقب بمعنے حال واقع ہے بمعنے متواترین واحد بعد واحد یعنے یکے بعد دیگرے۔

ف : الارشاد وغیرہ میں ہے کہ یہ الوتر سے ہے بمعنے الفرد۔ اور پہلی تاء واؤ سے بدل کر آئی ہے اور الف تانیث ہے اس لیے کہ رسل بتاویل جماعت کے ہے۔

كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا جب اُمت کے ہاں ان کا رسول مخصوص معجزات لے کر تبلیغ کے لیے تشریف لایا كَذَّبُوْهُ تو انھوں نے اسے کذب کی طرف منسوب کیا یعنی ان کے اکثر نے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی۔ اکثر کی قید ہم نے دوسری آیت ولقد ضل قبلهم اكثر الاولين سے سمجھی ہے (کذا فی بحر العلوم) حضرت کاشفی نے لکھا کہ انھوں نے رسول علیہ السلام کی تکذیب کی اور جو کچھ رسول علیہ السلام نے انھیں توحید و نبوت و بعث و نشر و حشر کی تبلیغ کی اسے انھوں نے جھوٹ سمجھا اور عاداتِ ناپسندیدہ اور اپنے آباء کی تقلید میں تصدیق سے محروم ہوئے۔ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بعضا یعنی ہم نے کافروں کو یکے بعد دیگرے تباہ و برباد کیا اس لئے کہ وہ کفر اور معاصی وجرائم کے اسباب مثلاً کفر و تکذیب میں ایک دوسرے کے تابع تھے۔ حضرت کاشفی نے لکھا کہ ہم نے ان میں سے کسی کو بھی مہلت نہ دی پچھلوں کو پہلے لوگوں کی طرح تباہ و برباد کر ڈالا وَجَعَلْنٰهُمْ اور ہم نے ان کو تباہ و برباد کرنے کے بعد ان کی بنادیں اَحَادِيْثَ ج کہانیاں بعد والوں کے لیے۔ یعنی جب نہ وہ خود رہے اور نہ ان کے نشانات تو صرف ان کی صرف کہانیاں رہ گئیں جنھیں بعد والے ایک دوسرے کو سناتے اور ان سے تعجب کرتے اور عبرت حاصل کرنے والے عبرت پکڑتے یعنی اہلِ سعادت کو ان کہانیوں سے عبرت حاصل ہوتی۔

ف : احادیث، حدیث یا احدوثہ کی جمع ہے۔ یعنی وہ بات جو لہو و لعب یا تعجب کے طور پر بیان کی جائے۔ یہاں پر یہی مراد ہے۔ جیسے اعاجیب، اعجوبہ کی جمع ہے۔ یعنی وہ شے کہ جس سے تعجب کیا جائے۔ حضرت کاشفی نے لکھا کہ ہم نے ان کی کہانیوں کو لوگوں کے لیے ایک مثال بنادیا تاکہ وہ ان کے عذاب کو یاد کرکے دوسروں کو

مثال دے کر سمجھائیں ۔ خلاصہ یہ کہ ان لوگوں کی صرف کہانیاں ہی باقی رہ گئی ہیں جنھیں لوگ افسانے کے طور پر بیان کرتے ہیں اگر ان سے کوئی نیکی کی یادگار ہوتی تو لوگ انھیں اسی رنگ میں یاد کرتے۔ کسی بزرگ نے فرمایا : ؎

تفنی وتبقی عنك احدوثة

فاجهد بان تحسن احدوثتك

اس کا ترجمہ فارسی میں بیان کیا گیا ہے : ؎

پس از تو ایں ہمہ افسانہا کہ می خوانند

دراں بکوش کہ نیکو بماند افسانہ

ترجمہ : تیرے بعد تیری باتیں افسانہ بن کر رہیں گی ، نیکی کی کوشش کر تاکہ تیرا نام نیکی سے یاد کیا جائے۔

شرح بیت عربی فقیر (حقی) کہتا ہے کہ شعر میں احدوثۃ کو خیر و شر دونوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے لیکن یہ اخفش کی تحقیق کے خلاف ہے انہوں نے فرمایا کہ احدوثۃ خیر میں استعمال نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرآن مجید میں جعلنٰھم احادیث میں لفظ حدیث خیر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ ممکن ہے شاعر احدوثۃ کو خیر کے معنے میں مشاکلۃ کی وجہ سے لایا ہو۔

فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہو اس گروہ کو جو انبیاء علیہم السلام کی تصدیق نہیں کرتے ۔ اکثر اہلِ تفاسیر نے لکھا کہ بعداً فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے کہ دراصل بعد والبعد اتما بمعنے اھلکوا یعنی وہ تباہ و برباد ہوئے ۔ اور لام ان لوگوں کے بیان کے لیے ہے جن کے لیے لفظ بُعدا کہا گیا۔

نکتہ : اسے نکرہ اس لیے لایا گیا کہ قرون مذکورہ نکرہ ہیں اور القوم الظّٰلمین کو معرفہ اس لیے لایا گیا کہ اس سے قبل جن لوگوں کا ذکر تھا وہ معرفہ تھے۔ چنانچہ اس کی تفصیل ہم نے وہاں لکھی ہے۔

مسئلہ : آیت میں اشارہ ہے کہ بے ایمانی تباہی وہلاکت اور عذابِ الٰہی کا سبب ہے اور جہنم میں داخلے کا ٹکٹ ۔ جیسے ایمان و اسلام اور تصدیقِ انبیاء علیہم السلام نجات اور دائمی نعمتوں کے حصول کا موجب اور بہشت کے داخلے کی سند۔

حکایت حضرت یعقوب علیہ السلام کو جب قاصد نے حضرت یوسف علیہ السلام کے عالی مرتبے پر فائز ہونے کی خوشخبری سنائی تو آپ نے اس سے پوچھا کہ وہ کس دین پر ہیں ؟ قاصد نے عرض کی کہ وہ دینِ اسلام پر ہیں ۔ یہ سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام خوش ہوئے اور فرمایا الحمد للہ اب یعقوب و آلِ یعقوب پر نعمت کا اتمام ہوا،

اس لیے کہ ایمان جملہ نعمتوں کا سرتاج ہے یہ نہ ہو تو پھر جملہ نعمتیں نہ ہونے کے برابر۔ اور جب یہ نصیب ہو تو سمجھو کہ جملہ نعمتیں نصیب ہو گئیں۔

حکایت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا؛ کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہم بغیر دیکھے اس کی عبادت نہیں کرتے۔ سائل نے کہا: وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: اگرچہ ہم اسے ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے لیکن حقائق ایمان کے ذریعے اسے قلب سے دیکھتے ہیں۔

ف: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

جس نے اللہ کو پہچانا وہ جلیل الشان ہوا اور جس نے نفس کو دیکھا وہ ذلیل ہوا، وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا عرفان عزت بخشتا ہے اور نفس سے ذلت حاصل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار دیگر اہلِ ظلم نے اپنے نفوس کو برگزیدہ سمجھا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذلت کا نشانہ بن کر تباہ و برباد ہوئے۔ اور اہلِ ایمان و دیگر اہلِ سعادت نے اپنے نفوس کو ذلیل سمجھا تو انھیں قربِ حق نصیب ہوا اور ہلاکت و تباہی سے بچ گئے۔ یاد رہے کہ تمام تنزلات جہل کی وجہ سے نصیب ہوتے ہیں ؎

رونق کارخسان کاسد شود
ہمچو میوۂ تازہ زو فاسد شود

ترجمہ: کمینوں کی رونق گھٹ جاتی ہے جیسے میوۂ تازہ کسی وجہ سے خراب ہو جاتا ہے۔

سبق: عاقل وہ ہے جو اللہ والوں کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا ہے اس لیے کہ ان کی نیازمندی سے عرفان اور شہودِ حق نصیب ہوتا ہے ؎

کے رسانند آں امانت را بتو
تا نباشی پیششاں راکع دو تو

ترجمہ: وہ امانت تجھے کب نصیب ہو سکتی ہے جب تک اللہ والوں کی نیازمندی تجھے نصیب نہ ہو۔

اے اللہ! ہمیں عناد سے بچا اور اپنے محبوبوں کی نیازمندی نصیب فرما۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا پھر ہم نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو معجزات دے کر بھیجا وہ معجزات نو عدد مشہور ہیں:

(۱) ید بیضا (۲) عصا
(۳) طوفان (۴) ٹڈی
(۵) جوئیں (۶) مینڈک

(۷) خون　　　　(۸) نقص ثمرات

(۹) طاعون

سوال : دریا کا چر جانا بھی تو معجزہ تھا اس کا ذکر کیوں نہیں کیا جاتا ہے ؛

جواب : چونکہ یہاں پر تکذیب کا ذکر مقصود ہے اور فرعونیوں نے ان مذکورہ بالا نو معجزات کو ٹھکرایا اس لیے ان کا ذکر کیا جاتا ہے ۔

وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ وہ حجت واضحہ جو مخالف کو لاجواب کر دے ۔ اس سے ید بیضا مراد ہے ۔ اسے علٰحدہ ذکر کرنے میں باقی معجزات پر اس کی شرافت کا اظہار مطلوب ہے یا اس سے بھی وہی نو معجزات مراد ہیں عطف تفسیری ہے ۔ انھیں دو علٰحدہ عنوانوں سے بیان کیا گیا ان کے تغایرِ ذاتی کی وجہ سے انھیں الگ الگ اقسام سے ظاہر کیا گیا ہے اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ مَلَاۡئِهٖ سے قبطیوں کے لیڈر مراد ہیں اور ان کی تخصیص اس لیے ہے کہ بنو اسرائیل کے آراء اُن سے متعلق تھے ان کے چھوٹے لوگوں کی آراء کی کوئی قعت نہ تھی اس لیے رسل کرام علیہم السلام کا واسطہ انہی بڑوں سے تھا فَاسْتَكْبَرُوْا ایمان اور متابعت سے انکار کرکے تکبر کیا ۔ سب سے بڑا تکبر یہی ہے کہ بندے رب تعالیٰ کے آیات اور ان کے رسل کا انکار کریں باوجودیکہ ان کے سامنے واضح دلائل موجود ہوں اور ہر طرح کے شکوک وشبہات کے ازالے کے اسباب پائے جائیں تب بھی رب تعالیٰ اور اس کے رسل کرام کے ارشادات کا انکار کریں وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ۚ اور سخت متکبر اور کبر سے حد سے تجاوز کرنے والے تھے یعنی وہ ایسے لوگ تھے کہ تکبر و تمرد ان کی عادت ثانوی بن گیا تھا فَقَالُوْٓا اس کا عطف التکبروا پر ہے ۔ ان کے مابین جملہ معترضہ تھا اور یہ قول ان کے تکبر کی تاکید کرنے والا ہے ۔

اَنُؤْمِنُ ہمزہ انکاری ہے یعنی ہم ایمان نہیں لائیں گے اور نہ ہی ہماری شان میں ہے کہ ہم تصدیق کریں لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا اپنے جیسے دو بشروں کی ، بشرین تثنیہ کی صفت مثل واحد بایں معنیٰ ہے کہ مثل مصدر ہے اور مصدر عام واقع ہوتا ہے یعنی واحد کے لیے ، واحد تثنیہ کے لیے تثنیہ جمع کے لیے جمع ، مذکر کے لیے مذکر ، مونث کے لیے مؤنث وَقَوْمُهُمَا اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں لَنَا اس کا متعلق عٰبِدُوْنَ ۚ ہے ۔ یہ جملہ نؤمن سے حال ہے یعنی بنی اسرائیل جو کہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی قوم ہے وہ ہمارے فرمانبردار اور خادم ہیں جیسے عبد اپنے معبود کے تابع حکم ہوتا ہے ایسے وہ ہمارے لیے ہے ۔ اس سے پیغمبروں کی خفت و تحقیر مطلوب ہے پہلے اُنھوں نے موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو اپنے جیسا بشر کہہ کر انھیں منصبِ رسالت سے گھٹایا ۔ پھر یہ دوسرا طعنہ بھی اسی مقصد سے تھا ۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ تمام قوم فرعون کی پرستش کرتی تھی اور وہ خود ایک بُت یا گوسالہ کو پُوجتا تھا ۔

ایسے ہی بعض تفاسیر میں ہے۔ اس معنے پر بنو اسرائیل کو عابد کہنا اپنے حقیقی معنے پر ہوگا فَكَذَّبُوهُمَا فرعونی موسٰی و ہارون علیہما السلام کی تکذیب پر ڈٹ گئے یہاں تک کہ موسٰی علیہ السلام و ہارون علیہ السلام ان کی ہدایت سے مایوس ہوگئے فَكَانُوْا پس فرعونی ہوگئے مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ○ بحر القلزم میں ڈوب کر تباہ و برباد ہونے والے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى فرعونیوں کی تباہی و بربادی اور بنی اسرائیل کی نجات کے بعد ہم نے موسٰی علیہ السلام کو عنایت فرمائی اَلْكِتٰبَ تورات لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ○ تاکہ وہ بنی اسرائیل اس کے احکام و شرائع پر عمل کرکے طریقِ حق کی ہدایت حاصل کرسکیں وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً اور ہم نے ابنِ مریم یعنی عیسٰی علیہ السلام کو بنایا اپنی عظیم قدرت کی دلیل کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔ یہ درحقیقت ایک امر ہے لیکن بظاہر اسے دونوں کی طرف منسوب کردیا۔ یا یُوں کہو کہ عیسٰی علیہ السلام ایک علیحدہ آیت تھے کہ انہوں نے بچپن میں کلام فرمائی، پھر مُردوں کو زندہ کیا۔ اور بی بی مریم دُوسری آیت کہ بغیر شوہر کے بچّہ جنا۔ یہاں پر آیۃ کو محذوف ماننا پڑے گا جبکہ اس پر آیۃً آخر میں ذکر کرنے کو قرینہ بنایا جائے۔

ف : العیون میں ہے کہ یہاں پر اٰیۃ بمعنے عبرت ہے یعنی عیسٰی علیہ السلام اور ان کی والدہ بنی اسرائیل کے لیے موسٰی علیہ السلام کے بعد عبرت کا موجب تھے کیونکہ وہ مہد میں کلام فرماتے اور انہوں نے مُردوں کو زندہ کیا۔ اور ان کی والدہ نے بغیر شوہر کے بچّہ جنا۔ اس معنے پر دونوں مستقل اور الگ الگ آیتیں ہیں لیکن ایک ذکر پر اکتفا کیا گیا، اور یہ عام ہے کہ دو کے بجائے ایک کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ف : یہاں پر عیسٰی علیہ السلام کے ذکر کی تقدیم دلالت کرتی ہے کہ وہ مستقل آیۃ تھے جیسے دُوسرے مقام پر ان کی والدہ کے ذکر کی تقدیم ہے کما قال :

وجعلناھا وابنھا اٰیۃ للعالمین۔

اس میں بھی یہی مطلوب ہے کہ بی بی مریم بھی مستقل آیۃ ہیں بایں معنیٰ کہ وہ پاکدامن تھیں اور شوہر کے بغیر بچّہ جنا۔

روایت مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز پڑھائی جونہی اس مضمون پر پہنچے، بے ساختہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ آپ نے رکوع کیا اور آگے نہ پڑھ سکے (بوجہ قدرتِ ایزدی کی ہیبت کے)

وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ اور ہم نے ان دونوں ماں بیٹے کو جگہ دی ایک بلند ترین جگہ کی طرف یہ اس وقت ہے جب عیسٰی علیہ السلام یہود کے خطرہ سے اپنے مسکن سے فرار فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بیت المقدس کی اسی بہتر جگہ پر رہنے سہنے کا موقعہ بخشا۔ یعنی ہم نے انھیں زمین کے بلند ترین مقام پر انھیں ٹھہرنے کا موقعہ بخشا، اور یہ بیت المقدس کے مقام ایلیاء کی طرف اشارہ ہے اس لیے زمین کا بلند ترین مقام یہی ہے[1]۔ اسی کو

---

[1] اس سے مرزا قادیانی کا رد ہوگیا جبکہ اس نے کہا کہ اس سے کشمیر کے علاقے کا سرینگر شہر مراد ہے۔ تفصیل فقیر اویسی کے رسالہ القول الفصیح فی قبر المسیح میں دیکھئے۔ اویسی غفرلہٗ

زمین کا جگر کہا جاتا ہے اور یہاں سے آسمان کی اونچائی صرف اٹھارہ میل ہے بروایت کعب، واللہ اعلم۔

ف : امام سہیلی نے فرمایا کہ بی بی مریم اپنے صاحبزادہ عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں بستی ناصرہ (جو دمشق میں واقع ہے) میں لے آئیں۔ اسی معنی پر نصاریٰ (عیسائی) اپنے آپ کو اسی نام سے موسوم کرتے ہیں گویا نصاریٰ اسی ناصرہ سے مشتق ہے۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ بی بی مریم اپنے چچا زاد یوسف بن ماتان اور اپنے صاحبزادے عیسیٰ علیہ السلام کو لے کر اسی بستی میں تشریف لائیں اور عیسیٰ علیہ السلام کی بسر اوقات والدہ کے چرخہ کاتنے پر تھی کیونکہ بی بی صاحبہ سُوت کات کر بیچتی تھیں۔ یہاں وہ بارہ سال رہے۔

ف : اس روایت سے معلوم ہوا کہ کپاس کے تاگے اور کتان کا کاروبار نیک لوگوں کا طریقہ ہے اور یہ ریشم کے کاروبار سے افضل ہے۔ اہلِ بروسہ کو عبرت چاہیے کہ وُہ ریشم کے کاروبار میں زندگی ضائع کر رہے ہیں کیونکہ ریشم اہلِ دنیا کی زینت ہے اور اس سے اہلِ دنیا کو فخر و ناز ہے۔

ذَاتِ قَرَارٍ وہ زمین صاحبِ قرار ہے۔ یعنی وہاں یہ لوگ قرار پکڑتے ہیں کیونکہ وہاں کھلی فضا ہے لوگ آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ ذات قرار بایں معنی ہے کہ وہاں کھیت اور باغات بکثرت ہیں اس لیے لوگوں کو وہاں سکون اور قرار نصیب ہوتا ہے۔

حل لغات : اہلِ لغت کہتے ہیں :

قرّ فی المکان یقر قراراً بمعنے ثبت ثبوتا۔ اس کا اصل القر بمعنے البرد ہے۔ اس لیے کہ سردی سکون کو چاہتی ہے اور الحر (گرمی) حرارت کو۔

وَّمَعِیْنٍ ع اور چشموں والی۔ بروزن فعیل از معن الماء بمعنے جری الماء۔ بعض نے کہا کہ یہ عین سے ہے، اس کا میم زاید ہے۔ اور پانی جاری کو معین سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس سے پانی جاری ہوتا ہے اور وُہ زمین بھی اس وصف سے اس لیے موصوف ہُوئی کہ اس میں چشمے بکثرت تھے کہ بلا تکلیف کھیتی باڑی اور جانوروں کو پانی حاصل ہوتا تھا اور اس کی آب و ہوا خوشگوار تھی اور اسی پانی جاری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بہشت کے باغات سے موصوف فرمایا ہے کہ پانی سے ہی بہار ہے اور اسی سے ہی جگہ خوش منظر ہوتی ہے۔

حدیث شریف المقاصد الحسنہ میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن کو دیکھ کر آنکھوں کی روشنی میں اضافہ ہوتا ہے :

۱۔ سبزی

۲۔ پانی جاری

۳۔ حسین چہرہ ۔ لیکن جس چہرے کو دیکھنا شرعاً جائز ہو، ورنہ حسین چہرہ والے بے ریش لڑکے

(برصفحہ ۶۲)

يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؕ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ
اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ○ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ
بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ○ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ○ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ
مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ○ۙ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ
خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ○ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ○ۙ وَالَّذِيْنَ هُمْ
بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ○ۙ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ○ۙ
اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ○ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا
كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ
دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ○ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ ○ؕ
لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ ۫ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ○ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى
اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ○ۙ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖۗ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ○ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ
جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○ۡ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ○
اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ○ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ
اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ
ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ؕ اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖۗ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ○ وَ
اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ
لَنٰكِبُوْنَ ○ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ○ وَلَقَدْ
اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ○ حَتّٰٓى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا
ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ○ ع

ترجمہ : اے پیغمبرو ! پاکیزہ اشیاء کھاؤ اور نیک عمل کرو بیشک میں تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہوں اور بیشک یہ تمہارا دین ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرو تو ان کی امت نے اپنا طریقہ آپس میں مختلف ٹکڑے کر لیا جس گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس پر خوش ہے تو ان کو ایک وقت تک نشہ میں چھوڑ دیجئے کیا یہ لوگ اس خیال میں ہیں کہ یہ جو ہم ان کے مال اور اولاد سے مدد کر رہے ہیں تو کیا انھیں جلدی سے بھلائیاں دے رہے ہیں بلکہ انھیں بے خبری ہے بے شک وہ لوگ جو اپنے

رب کے خوف سے ڈرتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان لاتے ہیں اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ شریک نہیں کرتے اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیتے اور ان کے دل خوفزدہ ہیں کہ انھیں اپنے رب کے ہاں لوٹنا ہے یہ لوگ بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں اور یہی ان کے لیے سبقت کر رہے ہیں اور ہم کسی جان پر اس کی وسعت سے زاید بوجھ نہیں ڈالتے اور ہمارے ہاں ایک کتاب ہے جو حق بولتی ہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور ان کے سوا ان کے اور اعمال بھی ہیں جنھیں یہ کر رہے ہیں یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے دولت مندوں کو عذاب میں گرفتار کریں گے تو اس وقت وہ چلائیں گے آج مت فریاد کرو بے شک ہماری طرف سے تم مدد نہیں کیے جاؤ گے بے شک تمہارے سامنے میری آیات پڑھی جاتی تھیں تو تم اُلٹے پاؤں بھاگتے تھے تکبّر کرتے ہوئے قرآن کو مشغلہ بنا کر بکواس کرتے ہو تو کیا انھوں نے بات کو سوچا نہیں یا ان کے پاس وہ آیا ہے جو ان کے پہلے بڑوں کے پاس نہیں آیا تھا یا یہ اپنے رسول سے متعارف نہ تھے تو اس لیے وہ ان سے بیگانے بن رہے ہیں یا یہ آپ کو جنون کا کہتے ہیں بلکہ یہ رسول ان کے ہاں حق لایا ہے اور ان کے اکثر کو حق ناگوار ہے اور اگر حق ان کی خواہشات کا تابع ہو جاتا تو تمام آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب تباہ ہو جاتے بلکہ ہم ان کے ہاں وہ چیز لائے ہیں جو ان کی شہرت کا موجب ہے تو وہ اپنی عزّت کے موجب سے روگردانی کرتے ہیں کیا تم ان سے اُجرت مانگتے ہو تو تمہارے پروردگار کا اجر سب سے بہتر اور وہی تمام دینے والوں سے بڑھ کر ہے اور بے شک تم انھیں راہِ راست کی دعوت دیتے ہو اور بے شک جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ سیدھی راہ سے ہٹے ہُوئے ہیں اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور جس مصیبت میں وہ مبتلا ہیں ہم ان سے ٹال دیں تو وہ ضرور ہٹ پنا کریں گے اپنی سرکشی میں بھٹکتے ہُوئے اور بے شک ہم نے انھیں عذاب میں گرفتار کیا تو نہ وہ اپنے رب کے سامنے جھکے اور نہ گڑگڑاتے تھے یہاں تک کہ جب ہم ان پر ایک سخت عذاب کا دروازہ کھولیں گے تو اس وقت اس میں ناامید ہو جائیں گے۔

(بقیہ صفحہ ۶۰)

اور عورت کو دیکھنا ممنوع ہے۔

شیخ سعدی قدس سرّہٗ نے اس شخص کے لیے فرمایا جو نقش کو دیکھ کر نقاش کا تصور کرتا ہے ؎

چرا طفل یک روزہ ہوشش نبرد

کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خرد

محقق ہمی بیند اندر ابل
کہ در خوب رویان چین و چگل

ترجمہ: اس خام عاشق کا دل نوزائیدہ بچے نے کیوں نہ چھینا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی صفت جیسے نوجوان میں ہے ایسے ہی بچے میں۔ محقق اونٹ میں وہی دیکھتا ہے جو محبوبانِ چین وچگل میں دیکھتا ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ وجعلنا ابن مریم وامہ ابنِ مریم میں روح کی طرف اشارہ ہے کہ وہ امر کُن سے بلاواسطہ پیدا ہوئی اور رُوح کے لیے باپ عالمِ اسباب کا کوئی سبب ہے اور یہ روح اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی آیات میں سے ایک ہے کیونکہ یہ ذاتِ حق تعالیٰ پر دلالت کرتی ہے اور اس کی معرفت پر بھی یہ اعلیٰ دلیل ہے کیونکہ یہ اس کا خلیفہ اور اس کی رُوح ہے واویناھما الی ربوۃ اس میں ربوہ سے قالب (جسم) مراد ہے کیونکہ قالب روح کا ماویٰ ہے بایں معنیٰ کہ اس میں آتے ہی روح اوامر کا مامور اور مناہی سے بچنے کا پابند ہوا ذات قرار ومعین قرار ومعین دونوں روح کی منزل وماویٰ ہیں کیونکہ جسم جب تک باقی ہے رُوح کی قرارگاہ اور ماویٰ ہے اور وہ جسم روح کا ماویٰ ومنزل بایں معنیٰ ہے کہ جب تک روح جسم میں ہے اس وقت تک اس سے تکالیف شرعیہ ساقط نہیں ہوتے اور معین سے حکمت کا وہ چشمہ مراد ہے جو قلب سے زبان پر جاری ہوتا ہے۔

یا معین! ہمیں اہلِ معین سے بنا۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ ۶۱)

تفسیرِ عالمانہ یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ یہ خطاب ہر رسول علیہ السلام کو ہے لیکن بیک وقت نہیں کیونکہ ان کا تشریف لانا مختلف زمانوں میں ہوا بلکہ اس کا خطاب انھیں اس وقت ہوتا رہا جب وہ اپنے زمانے میں تشریف لاتے رہے اور یہ خطاب اس لیے ظاہر کیا گیا تاکہ سامع کو معلوم ہو کہ اکلِ حلال کا حکم ہر زمانے میں رہا اور ہر نبی علیہ السلام اور ان کی اُمت کو اس کی پابندی کا حکم کیا گیا اس لیے ہر سامع پر اس کی پابندی لازمی اور ضروری ہے۔ اس تقریر پر گویا عبارت یُوں تھی:

قلنا لکل رسول کل من الطیبات واعمل صالحا۔

اس معنے پر انھیں جو مختلف زمانوں میں حکم ہوتا رہا انھیں یکجا کرکے یوں کہا گیا یایھا الرسل الخ۔

ف: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے صرف اور صرف ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ اہلِ عرب کا طریقہ ہے کہ مخاطب کی تعظیم کے پیشِ نظر واحد کے صیغہ کے بجائے جمع کا صیغہ لایا جاتا ہے۔ اس سے ثابت

ہوتا ہے کہ جتنے فضائل و کمالات ان جملہ رسل میں تھے وہ سب کے سب ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود تھے۔

ع وقد جمع الرحمٰن فیك لمعا جزا

(اسے یوں ادا کیا گیا:) ع

آنکہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ف: الطیبات وہ اشیاء مآکل و مشارب و فواکہ جن سے لذت وغیرہ حاصل کی جائے۔

وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اور نیک عمل کرو کیونکہ تمہاری تخلیق کا اصل مقصد یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں نیز تمہارے لئے یہی نافع ہے۔ یہ امر وجوب ہے اور پہلا اباحت کا۔

جاہل صوفیوں کا رد اس سے ان جاہل صوفیوں کا رد ہو گیا وہ کہتے ہیں کہ انسان جب عشق و محبتِ الٰہی میں کمال کو پہنچ جائے اور اس کا دل صاف و شفاف ہو جائے اور اس کے ایمان کو کفر پر غلبہ ہو تو اسے نیک عمل کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ تمام عباداتِ ظاہرہ اس سے ساقط ہو جاتی ہیں اس کے ذمہ صرف ایک عبادت ہوتی ہے وہ ہے تفکر یعنی آیاتِ الٰہی میں غور و فکر کرنا۔ یہ صریح کفر اور کھلی گمراہی ہے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر عاشقِ خدا اور محبِ کبریا اور کون ہو سکتا ہے بالخصوص امامِ رسل ہادی سبل حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن باوجود اینہمہ ان سے اعمال صالحہ اور عبادات کی تکلیف ساقط نہ ہوئی بلکہ وہ خود ان کی ادائیگی میں نہ صرف پیش پیش بلکہ مکمل ترین تھے۔

اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بیشک تمہارے اعمال ظاہری و باطنی سے عَلِیْمٌ ؕ باخبر ہوں، اس لیے میں تمہیں ان کی جزا دوں گا۔

ف: اس میں رہبانیت کا رد ہے کہ وہ لوگ متلذذ و متطیب اشیاء کا استعمال حرام سمجھتے ہیں۔ بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ دین میں اکل طیبات ہے ہی نہیں۔

نکتہ: عمل صالح کو اکلِ حلال کے بعد ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ عمل صالح وہی مقبول و منظور ہے جو اکل حلال سے ہو۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

۱ علم و حکمت زاید از لقمۂ حلال
عشق و رقت آید از لقمۂ حلال

۲ چوں ز لقمہ تو حسد بینی و دام
جہل و غفلت زاید آں را داں حرام

۳ ہیچ گندم کاری و جو بر دہد
دیدۂ اسپی کہ کرۂ خر دہد

۴ لقمہ تخمست و برش اندیشہا
لقمہ بحر و گوہرش اندیشہا

۵ زاید از لقمۂ حلال اندر دہان
میل خدمت عزم رفتن آں جہان

ترجمہ: (۱) حلال لقمے سے عقل وحکمت پیدا ہوتی ہے عشق ورقت بھی عشق سے پیدا ہوتی ہے۔
(۲) جب لقمہ سے حسد وغلطیاں اور جہالت وغفلت پیدا ہوں توسمجھنا وہ لقمہ حرام ہے۔
(۳) گندم بونے سے جَو پیدا نہیں ہوتے، کبھی تم نے گھوڑی کو گدھا پیدا کرتے دیکھا ہے!
(۴) لقمہ بیج ہے اس کا پھل غور وفکر، لقمہ دریا ہے اس کے موتی اچھے خیالات۔
(۵) حلال لقمے سے منہ میں خدمت کا میلان اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے۔

ف: امام راغب نے فرمایا کہ دراصل الطیب وُہ شے ہے جس سے حواس ونفس لذت پائیں اور طعام طیب شرع میں جائز اور حلال کھانے کو کہا جاتا ہے جیسے ہو اور جس طرح سے حاصل ہو۔ اس لیے کہ اس طرح کا طعام خواہ جلدی یا بدیر حاصل ہو خوشگوار ثابت ہوگا ورنہ اگر حرام کی ملاوٹ ہو تو وہ اگرچہ جلدی اور بہتر حاصل ہوگا لیکن بالآخر بدہضمی (عذاب) کا موجب بنے گا۔

حدیث شریف: ان اللہ طیب لا یقبل الاطیبا۔
(اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک کو قبول کرتا ہے)

صاحبِ روضۃ الاخیار نے فرمایا: ؎

فرمودہ لقمہ کہ در اصل نباشد حلال
زو نفتد مرد مگر در ضلال

قطرۂ باراں تو چوں صاف نیست
گوہر دریاے تو شفاف نیست

ترجمہ: فرمایا گیا ہے کہ لقمہ اگر حلال کا نہ ہو تو اس سے بندہ گمراہ ہوجاتا ہے۔
قطرۂ باران اگر صاف نہ ہو تو اس دریا کا موتی صاف ستھرا نہیں ہوتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کھانا ماں کی کمائی سے اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا بکریوں کی کمائی سے تھا اس لیے ایسا رزق اطیب الطیبات میں شمار ہوتا ہے۔

حکایت: شداد کی بہن نے اپنے زمانے کے رسول علیہ السلام کے پاس سخت گرمی میں بکری کا دودھ

بھیجا آپ اگرچہ روزہ دار تھے اور دودھ کی بھی سخت ضرورت تھی لیکن آپ نے قبول نہ کیا۔ اس کے اصرار پر آپ نے اس سے پوچھا: یہ دُودھ کہاں سے لائی ہو؟ اس نے عرض کی: میری اپنی گھریلو بکری کا ہے تب بھی آپ نہ مانے۔ پھر اس نے اصرار کیا۔ آپ نے پُوچھا: یہ بکری کہاں سے آئی؟ اس نے عرض کی: میری اپنی زرخرید ہے۔ جب آپ کو اطمینان ہُوا تب آپ نے دُودھ لے لیا۔ شداد کی بہن نے وجہ پُوچھی تو آپ نے فرمایا کہ رسل کرام کو اکلِ حلال اور اعمال صالحہ کا حکم ہے۔

مسئلہ: امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جس شخص کا ظاہری حال اچھا ہے تو تم پر لازم نہیں کہ کھوج اس کی نماز و روزہ قبول نہیں اور ایسے شخص سے بلاکراہت ہدایا و تحائف وغیرہ قبول کر سکتے ہو اس کے ساتھ بحث و مباحثہ کی ضرورت نہیں۔ اگر تم یہ کہو کہ دَورِ زمانہ بتاتا ہے کہ اکثر لوگوں کی کمائی حرام ہوتی ہے تو یہ بھی محض بدگمانی ہے اور مسلمانوں کو مسلمانوں پر بدگمانی سے روکا گیا ہے بلکہ حکم ہے کہ ان کے ساتھ نیک گمان رکھو۔

ف: حضرت ابوسلیمان دارانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
حلال لقمے سے روزہ افطار کرنا ساری رات کی عبادت سے بہتر ہے، اس لیے کہ قلبِ مسلم کے شمسِ توحید پر حرام کا ایک لقمہ بھی حرام ہے۔

مسئلہ: اکل طیبات اگرچہ مباح ہے لیکن قطعِ شہوات کی نیّت سے نہ کھانا افضل ہے۔

ف: ابوالفرج بن الجوزی علیہ الرحمۃ نے فرمایا:
مباحات کا ذکر بھی قلب پر زنگ پیدا کرتا ہے جب یہ کیفیت ہے تو حرام لقمہ سے دل کا کیا حال ہوتا ہوگا۔

مسئلہ: جس پانی میں بدبو پیدا ہو جائے اس سے وضو ناجائز ہے۔ جب اس معمولی معاملہ سے وضو کے لیے اتنی نزاکت ہے تو اس پانی کا کیا حال ہوگا جس سے کُتّا پانی پیئے۔ اس لیے بزرگوں نے فرمایا جو مباحات کے استعمال میں لگا رہتا ہے اسے مناجاتِ الٰہی کی لذت کیسے نصیب ہوگی، بلکہ وہ اس نعمت سے محروم ہوگا۔

اے اللہ! ہمیں اہلِ توجہ و اہلِ مناجات سے بنا۔

وَإِنَّ هٰذِهٖٓ یہ اشارہ ملّتِ اسلام و توحید کی طرف ہے اور لفظ ھٰذا سے اشارہ اس کے کمال ظہور کے لیے متنبہ کرنا مطلوب ہے۔ یعنی شریعتِ اسلامیہ کے امور صحیح سالم اور نہایت سیدھے اور ایسے واضح اور روشن ہیں کہ گویا محسوس مشاہد ہیں۔ **اُمَّتُكُمْ** یہ خطاب رسل کرام علیہم السلام کو ہے اور اُمّۃ سے ان کی شریعتیں مراد ہیں۔

ف: قرطبی نے فرمایا کہ یہاں پر اُمّۃ سے دین مراد ہے۔ چنانچہ انا وجدنا اٰباءنا علیٰ اُمّۃ میں اُمّۃ بمعنے دین ہے۔

اُمَّةً وَّاحِدَةً یہ ھٰذِہٖ سے حال ہے، یعنی ہر ملّت وشریعت اصول شرائع میں متحد ہے تبدیلیِ اعصار و ازمان سے متبدل نہیں ہوتے اور اختلاف فی الفروع کو شرعاً اختلاف فی الدین نہیں کہا جاتا۔ مثلاً حائض اور طاہر عورت کا ایک ہی دین ہے اگرچہ ان کے مکلف ہونے میں فرق ہے۔

ف : بعض نے کہا کہ ھٰذِہٖ کا اشارہ رسل کرام علیہم السلام کی ان امتوں کی طرف ہے جو ان پر ایمان لائیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تم سب کی ایک ہی جماعت ہو : ایمان اور توحید فی العبادۃ میں متفق ہو لیکن وَاَنَا رَبُّكُمْ اس تفسیر کی موافقت نہیں کرتا یعنی اور میں تمہارا پروردگار ہُوں میری ربوبیت میں میرا کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔

فَاتَّقُوْنِ ○ پس مجھ سے ڈرو، یعنی دین واسلام اور کلمۂ توحید میں اختلاف نہ کرو۔ اور یہ ضمیر خطاب رسل کرام علیہم السلام اور ان کی اُمتوں کے لیے ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو تقویٰ وطہارت پر مزید استقامت کے لیے اور اُمتوں کو تحذیر وایجاب کے لیے ہے۔

ف : تفسیر کبیر میں ہے کہ اس میں تنبیہ ہے کہ تمام ادیانِ حقہ ایک ہیں اور سب کی اصل غرض معرفتِ الٰہی کا درس دینا اور معاصی سے بچانا مطلوب ہے۔

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ یعنی دین وملت اگرچہ ایک تھی لیکن اُمتوں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور ادیانِ مختلفہ پر منقسم کردیا زُبُرًا یہ امرھم سے حال ہے بمعنے قطعا۔ ذبور کی جمع ہے بمعنے الفرقۃ یعنی ٹکڑے ٹکڑے یعنی گروہ گروہ ہوگئے اور آپس میں مختلف ہوگئے كُلُّ حِزْبٍ انہی جُدا جُدا ہونے والوں میں ہر گروہ بِمَا لَدَيْهِمْ اپنے من گھڑت دین سے فَرِحُوْنَ ○ خوش ہے اور ان کا اعتقاد ہے کہ وہ من گھڑت دین حق ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

بعض مشایخ نے فرمایا کہ انسان اپنے اعمال حاصل شدہ سے کیونکر خوش ہوسکتا ہے جبکہ اسے انجام کا پتا نہیں اور عارفین کو تو عرش سے لے کر تحت الثریٰ کی کسی شے سے بھی خوشی نہیں ہوتی بس وہ خوش ہوتے ہیں تو حق تعالیٰ کے وصال سے اور بس۔ بلکہ محقق یعنی عارف کامل اگر بحرِ معرفت میں جو نہی مستغرق رہوتا ہے غمگین تر ہوتا ہے جب اسے اپنی سابقہ کوتاہیوں سے سخت ندامت ہوتی ہے۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کعبۂ جلال کے معتکفین کو اپنی کوتاہی کا اعتراف ہے کہ ہم نے تیری عبادت کا حق ادا نہیں کیا اور اس کے حلیۂ جمال کے واصفین متحیر ہو کر کہتے ہیں کہ ہم نے اس کی معرفت کا حق ادا نہیں کیا۔

سہ

١ گر کسے وصف او ز من پرسد

بے دل از بے نشان چہ گوید باز

۲ عاشقاں کُشتگان معشوقند
بر نیاید ز کُشتگان آواز

ترجمہ :۱۔ اگر کوئی اس کا وصف مجھ سے پوچھے تو بے دل بے نشان کے متعلق کیا کہہ سکتا ہے۔
۲۔ عاشق معشوق کے مارے ہوئے ہیں مرے ہوؤں سے کیا آواز آئے گی۔

تفسیر عالمانہ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ کفار کی گمراہی وجہالت کو پانی میں غوطہ لگانے کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی ہے کہ جیسے پانی میں غوطہ لگانے والا لہو ولعب میں سرمست ہوتا ہے ایسے ہی کفر و گمراہی میں پھنسنے والے کا حال ہے۔

حلِ لغات : امام راغب نے فرمایا کہ الغمر دراصل ازالۃ اثر الشئ (شے کے اثر کو زائل کرنا) کو کہا جاتا ہے۔ وہ سیلاب جو پانی کے بہنے کی جگہ کو بہا کر لے جائے یہاں تک کہ اس کے نشانات بھی ختم کر دے اس کے لیے کہتے ہیں غمر، اور وہ پانی جو اپنی گہرائی اور کثرت کے لحاظ سے اپنے اندر آنے والے کو چھپا دے اسے المغمرہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور جہالت و گمراہی کو بھی اسی معنے پر محمول کیا جاتا ہے کیونکہ وہ گمراہ کو ہر طرف سے گھیر لیتی ہے۔ یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یعنی اے محبوبِ مدنی صلی اللہ علیہ وسلم! کفار کو ان کے حال پر چھوڑیئے، اپنے قلبِ مبارک کو ان کے متفرق ہونے سے پریشان نہ کیجئے۔

حَتّٰى حِيْنٍ ۝ مقرر وقت تک، اس سے ان کا قتل یا موت علی الکفر یا ان پر وقوعِ عذاب مراد ہے۔ اس میں کافروں کو دُنیا و آخرت کے عذاب کی وعید اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی وتشفی ہے اور آپ کو حکم ہے کہ آپ ان کے لیے وقوعِ عذاب کی عجلت نہ کیجئے اور نہ ہی ان پر عذاب کی تاخیر سے گھبرائیے۔ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ یہ ہمزہ واقع کے انکار اور ان کی قباحت کے اظہار کے لیے ہے اور ما موصولہ ہے اب معنیٰ یہ ہُوا کہ کیا کافروں کو گمان ہے کہ ہم نے انھیں جو دنیوی عیش وعشرت دے رکھا ہے یہ ان کو دائمی طور پر ملتا رہے گا اور کیا اسی طرح ہم ان کی ہمیشہ مدد کرتے رہیں گے مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ یہ ما موصولہ کا بیان ہے اور بنین (لڑکوں) کی تخصیص ان کے خیال کے مطابق ہے اس لیے کہ انھیں لڑکوں پر بہت زیادہ فخر و ناز تھا۔ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ط ہم ان کے لیے خیرات (بھلائی) میں جلدی کر رہے ہیں۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ کفار اس گمان میں نہ رہیں کہ ہماری امداد از قسم عطیہ اموال و اولاد عجلت کے طور ان کے اعمال کا بدلہ ہے بلکہ انھیں یقین ہونا چاہیے کہ ہم ان کو ان کی نیکیوں کا صلہ دنیا میں دے رہے ہیں۔

بَلْ یعنی ان کا گمان سراسر غلط ہے بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝ وہ سمجھ نہیں رہے کہ انھیں مہلت دی جا رہی ہے تو صرف استدراجاً ہے نہ یہ کہ ان کے لیے خیر و بھلائی کے استحقاق کی بنا پر ہے۔

اس کا عطف فعل مقدر پر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی: کلا لا نفعل ذٰلک بل ھم الخ یعنی ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے بلکہ وہ لاشعور ہیں جیسے جانوروں کو کچھ پتا نہیں ہوتا کہ ان کے ساتھ کیا ہو رہا ہے ایسے ہی یہ بے خبر ہیں نہ غور و فکر کرتے ہیں نہ ہی کچھ سمجھ سکتے ہیں کہ ان کی امداد صرف استدراج کے طور پر ہے اور انھیں گناہوں میں منہمک ہونے کا مزید موقعہ دیا جا رہا ہے جسے وہ اپنے لیے خیر و بھلائی سمجھ رہے ہیں۔

تنگدستی قربتِ خداوندی مروی ہے کہ سابق دور میں کسی نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میرا بندہ اپنی دنیوی وسعت سے یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اسے مالا مال کر دیا حالانکہ یہ معاملہ تو اسے مجھ سے دُور کرتا ہے۔ اور میرا مومن بندہ اپنی تنگدستی سے نالاں ہوتا ہے حالانکہ اسے خبر نہیں کہ اس طرح وہ میرے قریب تر ہوتا ہے۔

اس کے بعد اس روایت کی تائید اس آیت ایحسبون انما نمدھم الخ سے کی۔

ف: بعض مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دنیوی جاہ و حشم عطا کر کے آزمایا، انھوں نے سمجھا کہ جاہ و حشم، لذتِ دنیا اور مال و اسباب ان کے لیے زیب و زینت ہے اس لیے وہ لوگ اس کی لذّت کے جنگل میں پھنسے اور مشاہدۂ رحمٰن سے محجوب رہے۔ وہ غلط خیالی میں مبتلا رہے کہ اس طرح سے وہ بہت بڑے مراتب و درجات کے مالک بن گئے اور مقبولانِ خدا ہو گئے حالانکہ انھیں معلوم ہے کہ ان فانی اشیائ کے حصول سے کوئی بندہ صاحبِ مرتبہ علیا نہیں بن جاتا۔ انھیں تو اس سے خوف کرنا چاہیے تھا کہ یہ ان کے لیے استدراج تو نہیں جو کہ اہل اللہ کے نزدیک اچھا طریقہ نہیں۔

ف: حضرت عبدالعزیز مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا جو شخص زینتِ دُنیا سے مزیّن ہوتا ہے اسے یاد رکھنا چاہیے کہ یہی زینتِ دنیا ایک دن اس کے لیے وبالِ جان ہو گی۔ مگر زینت اس ارادہ سے ہو کہ اس طرح نہ کرے تو طاعات و عبادات و مجاہدات میں کامیاب نہیں ہو سکتا تو جائز ہے۔

سبق: یاد رہے کہ سانس فانی اور اموال عاریت کی چیزیں ہیں اور اولاد فتنہ و آزمایش کی۔ جو شخص ان کے حصول اور پھر ان کے جمع کرنے میں کوشاں رہتا ہے وہ آخرت کی بھلائیوں سے محروم ہو جاتا ہے۔

قاعدہ صوفیانہ: مخالفتِ نفس سے بڑھ کر اور کوئی عبادت و اطاعت افضل نہیں ہے۔ اسی طرح دنیادی سامان کی قلت پر قانع رہنا افضل عبادت ہے۔ اسباب الدنیا سے دل کو دور رکھنا بہتر عبادت ہے۔ اور مسارعۃ فی الخیرات صوفیاءِ کرام کے نزدیک شرور سے اجتناب کا دوسرا نام ہے۔ سب سے بڑا شر حُبِّ دنیا ہے اس لیے کہ دُنیا شیطان کی کھیتی ہے۔ جو شخص دنیا کا طالب ہے یا اس کی آبادی میں کوشاں ہے اسے یُوں سمجھو کہ وہ شیطان کا ساتھی ہے اور اس کا بے دام غلام۔ سب سے شریر وہ شیطان ہے جو شیطان کی کوٹھی تعمیر کرتا ہے

یعنی دنیا کے امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا ہے۔ سلطان ولد کے نصائح میں ایک یہ ہے: ؎

۱ بگزار جہان را کہ جہان آن تو نیست
وین دم کہ ہمی زنی بفرمان تو نیست

۲ گر مال جہان جمع کنی شاد مشو
ور تکیہ بجان کنی جان آن تو نیست

ترجمہ: ۱۔ اس جہان کو چھوڑ، اس لیے کہ تیرا جہان نہیں، یہ سانس جو تیرے اندر باہر آجا رہا ہے یہ بھی تیرے فرمان سے باہر ہے۔
۲۔ اگر تو مال جمع کر رہا ہے تو اس سے خوش نہ ہو۔ اگر تجھے اپنی جان پر بھروسا ہے تو یہ بھی تیری نہیں ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ بر مرد ہشیار دنیا خس است
کہ ہر مدتے جائے دیگر کس است

۲ برفتند ہر کس درود آنچہ کشت
نماند بجز نام نیکو و زشت

ترجمہ: (۱) مرد ہشیار کے سامنے دنیا کچھ نہیں کیونکہ ہر روز اس کا نیا مالک ہوتا ہے۔
(۲) جو جو کچھ بوئے گا وہی کاٹے گا، مرنے کے بعد نیک نامی یا بدنامی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ بیشک یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔

حل لغات: الخشیۃ وہ خوف جس میں تعظیم بھی ہو۔ اور الاشفاق وہ عنایت جس میں خوف کی ملاوٹ ہو، اس لیے کہ مشفق کو مشفق علیہ (جس پر شفقت کی جائے) سے محبت ہوتی ہے، اس کے لیے اس کے دل میں خدشہ ہوتا ہے کہ کہیں اسے کوئی تکلیف نہ پہنچ جائے۔ اس کی تحقیق سورۃ انبیاء میں گزر چکی ہے۔

ف: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا: مومن احسان و خشیت کا جامع ہے اور کافر اساءۃ (برائی کرنا) امن (عذاب الٰہی سے نڈر رہنا) کا مجموعہ۔ ع

ہر کہ ترسد مرد را ایمن کنند

وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ اور وہ اللہ تعالیٰ کے ان آیات پر جو آفاق میں علی الاطلاق موجود ہیں۔

يُؤْمِنُوْنَ ۝ ایمان لاتے ہیں یعنی جس ذات پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں اس کو یہ لوگ دل سے مانتے ہیں۔ نہ فعلاً تکذیب کرتے ہیں نہ قولاً۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ۝ اور یہ لوگ اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو نہ ظاہراً شریک ٹھہراتے ہیں نہ خفیاً۔ اس لیے اسے ایمان بالآیات سے تعبیر فرمایا۔

فائدہ صوفیانہ : حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا : اگر کسی کا دل چیر کر دیکھا جائے تو اس میں اللہ تعالیٰ سے عظیم تر یا بزرگ تر کوئی اور شے موجود ہو تو وہ ہمارے نزدیک بڑا مشرک ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ سب سے بڑا شرک یہ ہے کہ دل پر مخلوق کے احوال و اقوال کو رد و قبول کرنے کے اثرات ہوں اس لیے کہ اس طرح سے اس کے دل کو غیروں سے خوشی و انکار کا خیال ہے اسی طرح جو دل اسباب دُنیا میں گرفتار ہو وہ بھی شرک سے خالی نہیں۔ صوفی وُہ ہے جو یقین کرے کہ بیماری کی شفا دوا میں نہیں اور نہ ہی پیٹ کا سیر ہونا طعام کھانے سے ہے۔ قلب پر یقین کا اتنا غلبہ ہو کہ ایسے تصور کا دل میں آنے کا امکان تک نہ ہو یعنی کسی معاملہ کو نہ حادثہ سے تعبیر کرے اور نہ تقدیر سے، اس کی پابندی سے شرک سے نجات نصیب ہوتی ہے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

جیب خاص است کہ گنج گہر اخلاص است

نیست این درثمین در بغل ہر دغلے

ترجمہ : جیب خاص اور موتی کا خزانہ صرف اخلاص ہے اور یہ قیمتی موتی ہر کھوٹے آدمی کے پاس نہیں ہو سکتا۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا اور وُہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے رزق سے زکوٰۃ و صدقات دیتے ہیں اور دیگر خیرات اور نیکیوں کو وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ صیغہ مضارع استمرار اور صیغہ ماضی تحقق پر دلالت کرتا ہے وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ یہ یؤتون کے فاعل سے حال ہے یعنی ان کا حال یہ ہے کہ ان کے قلوب خوفِ خدا سے سرشار ہیں۔

ف : امام راغب نے فرمایا : الوجل بمعنے خوف کو دل میں جگہ دینا۔

اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ۝ بیشک وُہ اپنے رب تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ یعنی ان کا رجوع صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہے بایں معنیٰ کہ انھیں دل میں خوف رہتا ہے کہ ان کی نیکی قبول نہ ہو۔ اس کریم کی رضا کے خلاف ہم سے کوئی عمل سرزد ہو تو ہم پکڑے جائیں۔ اس سے صرف رجوع الی اللہ مراد نہیں ہے۔

ف : چاروں اسمائے موصولہ ایک ہی گروہ کے لیے ہیں جو مذکورہ بالا صفات سے موصوف ہیں۔ اس کا یہ

معنی نہیں کہ وہ چاروں ان میں سے کسی ایک صفت سے موصوف ہیں۔ گویا عبارت یُوں تھی: ان الذین ہم من خشیۃ ربہم مشفقون و بایٰت ربہم یؤمنون الخ۔

نکتہ: اسم موصول کا تکرار اشارہ کرتا ہے کہ وُہ ہر ایک مستقل طور علیحدہ علیحدہ فضیلت کاملہ کا حامل ہے۔ چنانچہ ان کے استقلال کے اظہار کے لیے موصول کا تکرار کیا گیا ہے۔

نکتہ: اہل اللہ مخالفتِ احکام سے اتنا خوفزدہ نہیں ہوتے جتنا انھیں طاعتِ الٰہی بجا لانے سے خوف ہوتا ہے۔ اس لیے کہ مخالفت حکم توبہ سے معاف ہو سکتی ہے لیکن طاعت کے لیے پہلے تو تصحیح ضروری ہے پھر اس میں اخلاص و صدق واجب ہے۔ اس سے واضح ہُوا کہ نیکی کرنے والا اگر صرف اللہ تعالیٰ سے خوف رکھتا ہے تو پھر اسے غیر سے ڈر کیسا! شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ دران روز کز فعل پرسند و قول
اولوا العزم را تن بلرزد ز ہول
۲ بجاے کہ دہشت خورد انبیاء
تو عذر گنہ را چہ داری بیا

ترجمہ: ۱۔ جس دن فعل و قول کی پرسش ہوگی انبیا علیہم السلام خوفِ الٰہی سے کانپ رہے ہوں گے۔
۲۔ جس محفل سے انبیاء علیہم السلام بھی دہشت زدہ ہیں تو بھی گناہوں کا عذر رکھتا ہے آج ہی معذرت یعنی توبہ کرلے۔

اُولٰٓئِكَ وہ لوگ جن کی صفاتِ جلیلہ ابھی بیان کی گئی ہیں یُسٰرِعُوْنَ جلدی کرتے ہیں فِي الْخَيْرٰتِ حصولِ خیرات میں منجملہ ان کے یہ بھی ہیں جو اعمال صالحہ پر ان کے ساتھ دنیا میں ہی وعدہ کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فاٰتاھم اللّٰہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الاٰخرۃ۔

اور فرمایا:

واٰتیناہ اجرہ فی الدنیا وانہ فی الاٰخرۃ لمن الصالحین۔

اسی کو مسارعت (جلدی کرنا) سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ انھوں نے اعمال صالحہ کر کے اس کے حصول میں جلدی کی، اس لیے جن امور کی کفار سے نفی کی گئی ان کے لیے لازماً ثابت ہو گئے۔

نکتہ: مسارعۃ کا صلہ الیٰ آتا ہے لیکن یہاں فی لایا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ وُہ لوگ ہر قسم کی خیر و بھلائی میں حصّہ لیتے ہیں اور اس سے کبھی دوسرے امر کی طرف سے نہ فارغ ہونے اور نہ اس کے غیر کی طرف

متوجہ ہوتے ہیں بخلاف الیٰ کے صلہ کے کہ اس میں صرف ایک صورت ہوتی ہے یعنی صرف توجہ۔ چنانچہ فرمایا:
وسارعوا الیٰ مغفرۃ من ربکم وجنۃ۔

وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ۝ اور وہ اس کے لیے سبقت کرنے والے، اور ہر خیر و بھلائی میں پیش پیش ہوتے ہیں اور لام فاعل کے عمل کی تقویت کے لیے ہے۔ یعنی انھیں آخرت سے پہلے دنیا میں ہی یہ سعادت نصیب ہوتی ہے اور اس کا نیک صلہ بھی۔

فائدہ صُوفیانہ: بعض بزرگوں نے فرمایا: المسارعۃ فی الخیرات سے درجۃ السابقین کے لیے جد و جہد اور مکارم الواصلین کی طلب مراد ہے۔ یعنی وہ لوگ خیرات نہ اسباب کی تکمیل کے منتظر ہوتے ہیں اور نہ انھیں حتی الامکان ترک اور نہ ہی تضییع اوقات کرتے ہیں۔

سبق: جو مقاماتِ اعلیٰ تک آداب و ریاضات و مجاہدات کے بغیر پہنچنے کی کوشش کرے گا وہ خسارے اور گھاٹے میں رہے گا۔ یہی نہیں بلکہ منزلِ مقصود سے بالکل محروم رہے گا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اولٰئك یسٰرعون فی الخیرٰت اس سے وہ حضرات مراد ہیں جن کی تقدیر ازل سے نیک ہے وہ قدم صدق اور سعی جمیل سے متوجہ الی اللہ اور غیر اللہ سے روگردان رہتے ہیں وھم لہا سٰبقون اور وہی لوگ تقدیر الٰہی میں سعادت مند لکھے جا چکے ہیں یعنی جن بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے ازل میں اپنے فضل و کرم اور لطف و عنایت سے لکھا کہ انہیں خیر و بھلائی حاصل ہوگی۔ یہ حضرات انہی میں سے ہیں۔ اسی لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی جنۃ النعیم اہلِ علوم کو، اور جنۃ الفردوس اصحابِ فہوم کو اور جنۃ الماویٰ اصحابِ تقویٰ کو اور جنۃ عدن قائمین بالوزن کو اور جنۃ الخلد مقیمینِ مودتِ الٰہی کو اور جنۃ المقامہ اہلِ کرامت کو نصیب ہوگی۔ یاد رہے کہ ہر سانس پر یادِ الٰہی اور ہر لحمہ میں مراقبۂ ایزدی اور پھر ظاہراً و باطناً یہ ہر انسان کے بس سے باہر ہے بلکہ یہ ملأ الاعلیٰ کا خاصہ ہے اور ہمارے حضور پُرنور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو حاصل تھا ہی بلکہ آپ ہی اس مرتبہ میں مسارع فی الخیرات ہیں۔ جمیع احوال میں آپ ہی کو جملہ مخلوق سے سبقت حاصل تھی اس لیے کہ سبقت یا وجوب میں ہوگی یا مندوب میں یا مباح میں۔ ان تینوں امور کی سبقت و مسارعۃ جمیع مراتب سے بلند و بالا ہے کہ اس کے بعد اور کوئی مرتبہ نہیں اور ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اسی مرتبہ کے جامع تھے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں مسارعین الی الخیرات اور ان لوگوں سے بنائے جو ہر حال اور ہر سانس پر اسی کے خیال اور تصور میں زندگی بسر کرتے ہیں اسی کے مطابق فرمایا ہے:

والذین ھم فی صلوٰتھم دائمون۔

تفسیر عالمانہ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اور ہم کسی تکلیف میں نہیں ڈالتے اِلَّا وُسْعَهَا مگر اسی کی طاقت کے مطابق۔
اس سے معلوم ہوا کہ لا الٰہ الا اللہ کا عقیدہ اور احکام شرعیہ انسانی وسعت کے مطابق ہیں۔

مسئلہ : حضرت مقاتل نے فرمایا ، جو کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا وہ بیٹھ کر پڑھے اور جو بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا وہ اشاروں سے ادا کرے۔

مسئلہ : حضرت جنیدیؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کے حصول کا حکم بھی انسان کی وسعت کے مطابق فرمایا ہے اگر وہ اس کا حکم اپنی طاقت کے مطابق فرماتا تو کسی کو بھی معرفتِ الٰہی نصیب نہ ہوتی۔ اس لیے کہ جیسا کہ وہ ہے اس کے اپنے سوا اور کسی نے نہیں پہچانا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

عمرے خرد چو چشمہا چشمہا کشاد
تا بر کمال کنہ الٰہ افگند نگاہ
لیکن کشید عاقبتش در دو دیدہ نیل
شکل الف کہ حرف نخست است از الٰہ

ترجمہ : عمر بھر خرد نے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا کہ کہیں اسے اللہ تعالیٰ کے کمال کی کنہ نصیب ہو جائے لیکن بالآخر اس کی آنکھیں چُندھیا گئیں۔ اسے لفظ الٰہ کے الف تک بھی رسائی نہ ہو سکی۔

وَلَدَيْنَا اور ہمارے ہاں كِتٰبٌ اعمال نامہ ہے کہ جس میں ہر ایک کے اعمال ثبت ہیں يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وہ حق بولتا ہے یعنی اس میں ہر عمل صحیح طریق سے لکھا ہوا ہے بال برابر بھی حقیقت کے خلاف نہیں ہے۔ یعنی عملنامہ اصلی بات ظاہر کر دے گا، گویا جیسے اس کے ساتھ کوئی بولنے والا بول رہا ہو۔ وہاں ہر ایک اعمال کھل کر سامنے آ جائیں گے جن پر ہر ایک کی جزا و سزا مرتّب ہو گی۔ اگر نیکی ہے تو اسے نیک جزا نصیب ہو گی اور بُرائی ہے تو اسے سخت سزا ملے گی۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرے ہاں ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ عملنامہ ہے جس میں ہر ایک کے اعمال ثبت ہیں۔ وہی عملنامہ انسان کے عمل کی سچی گواہی دے گا۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ اور ان کی جزا کم نہیں ہو گی۔ یعنی اگر ثواب ہے تو پُورا ملے گا ذرہ بھر بھی کم نہ ہو گا اگر عذاب ہو گا تو بھی پُورا۔ غرضیکہ ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کی پوری پوری جزا ملے گی۔ اور اعمال کے متعلق گواہ ان کے اپنے اعمال نامے ہوں گے۔ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا بلکہ کافروں کے دل غافل اور پردے میں ہیں یعنی وہ احکام جو قرآن مجید نے بیان کیے ہیں ان سے ان کے قلوب پر پردہ ہے

وہ نہیں سمجھتے کہ ان کے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک کتاب میں جمع کیا جا رہا ہے۔ پھر وہی کتاب قیامت میں حق بولے گی اور ان کے ایک ایک عمل کو ظاہر کر دے گی جسے برسرِ میدان ہر ایک دیکھے اور سُنے گا۔ اس کے بعد انھیں اعمال کی سزا ملے گی وَلَهُمْ اَعْمَالٌ اور ان کے اعمال خبیثہ ہیں مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ ان مذکورہ غلط اعمال کے سوا۔ یعنی وہ جو ابھی مذکور ہوا کہ ان کے دلوں پر پردے پڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کی حاضری سے غافل ہیں اور پھر وہ کفریہ فنون اور معاصی و جرائم میں طرح طرح کے فن دکھاتے ہیں منجملہ ان کے قرآن مجید پر طعن و تشنیع کی تفصیل ابھی آتی ہے هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ○ وہ ان اعمال کو عادت کے طور پر کرتے ہیں حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ حتّٰی۔ ان کے اعمال مذکورہ کی غایت اور مابعد کے مضمون شرط کے لیے ابتدائیہ ہے۔ یعنی وہ اپنے ان غلط امور کے مرتکب ہوتے رہیں گے یہاں تک کہ جب ہم ان کے سرمایہ داروں اور لیڈروں کی گرفت کریں گے بِالْعَذَابِ اُخروی عذاب سے۔ ہم نے اُخروی عذاب کی قید اس لیے لگائی ہے کہ آخرت میں جب انھیں اچانک عذاب گھیرے گا تو دھاڑیں ماریں گے۔ اور ظاہر ہے کہ بدر میں اگرچہ انھیں عذاب میں مبتلا کیا گیا لیکن اس میں انھوں نے دھاڑیں نہیں ماریں۔ کیونکہ قیامت میں نہ انھیں کہیں سے بچنے کی امید ہوگی۔ نہ ہی ان کی بات سُنی جائے گی اور نہ ہی ان کا کوئی فریادرس ہوگا۔ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ○ هُم کا مرجع کفار کے سرمایہ دار ہیں یعنی قیامت میں فریاد کے لیے دھاڑیں ماریں گے اور طلبِ نجات کے لیے گڑگڑائیں گے۔

حلِ لغات : جوار بمعنے گڑگڑا کر چیخنا۔ جیسے جأر الرجل الی اللہ تضرع بالدعا۔

امام راغب نے فرمایا کہ جأر اس وقت بولتے ہیں جب کوئی بہت زیادہ دعا و تضرع کرے۔ اسے جانوروں کی چیخ و پکار سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے ہرنی وغیرہ کی آواز وغیرہ۔

سوال : آیت میں کیفیت مذکورہ کی تخصیص صرف سرمایہ داروں اور لیڈروں کے لیے کیوں ؟ حالانکہ یہی کیفیت ہر کافر کی ہوگی۔

جواب : سرمایہ داروں اور لیڈروں کا حال واضح اور روشن ہوگا، نیز عذاب کی سختی کا بیان واضح اور روشن طریقہ سے کیا گیا ہے کہ قیامت میں جب کافروں کے لیڈروں اور سرداروں کا یہ حال ہوگا تو ان کے معمولی مرتبہ کے لوگوں کا حال کیا ہوگا۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ مترفین سے وہ کافر مراد ہیں جنھیں بدر میں قتل کیا گیا جیسے ابوجہل اور اس کے ساتھی۔ اور هم یجئرون سے دیگر اہلِ مکہ مراد ہیں۔ اس معنے پر جن کی طرف مترفیھم کی ضمیر راجع ہوگی انہی کی طرف یہ ضمیر بھی راجع ہوگی۔ یعنی مطلق کفار کی طرف۔

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ قف یہاں قلنا محذوف ہے یعنی ہم انہیں قیامت کے دن کہیں گے کہ

مت چیخو۔ الیوم سے قیامت کے دن کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ دن بہت سخت ہے اور اس سے انھیں متنبہ کرنا ہے کہ معافی کا وقت گزر گیا اِنَّکُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ○ ہماری طرف سے تمھیں مدد نہیں ملے گی جو تمہاری نجات کا سبب بن سکے قَدْ کَانَتْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ دنیا میں تمہارے ہاں ہماری آیات پڑھی گئیں اس وقت تمہارے لیے ضروری تھا کہ تم ان آیات سے نفع اٹھاتے فَکُنْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِکُمْ تَنْکِصُوْنَ ○ الاعقاب، عقب کی جمع ہے پاؤں کا پچھلا حصہ یعنی گٹہ۔ اہلِ عرب کہتے ہیں، رجع علی عقبہ۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی اُلٹے پاؤں چلے۔ اور النکوص بمعنے الرجوع القہقری۔ یعنی تھے تم ہماری آیات کے سننے سے سخت روگردان، اور پھر تم سے ان کی تصدیق کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور نہ ہی تم سے اُن پر عمل کی امید ہو سکتی تھی مُسْتَکْبِرِیْنَ ۖ بِہٖ در انحالیکہ تم میری کتاب کہ جسے ہم نے اٰیٰتی سے تعبیر کیا ہے کے ساتھ تکبر کیا ہے اگر کتاب کو آیات سے تعبیر کیا جائے تو استکبار تکذیب کے معنے کو متضمن ہوگا سٰمِرًا یہ دوسرا حال اور حاضر کی طرح اسم جمع ہے۔

ف : امام راغب نے کہا کہ اس کا معنی سمار ہے واحد کو جمع کی جگہ پر لایا گیا ہے۔

بعض نے کہا کہ السامر اندھیری رات کو اور السمر رات کی تاریکی کو کہا جاتا ہے۔ اس لیے رات کی بات چیت کو سمراللیل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں : سمر فلاں۔ یہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو رات کو باتوں میں مشغول رہے۔ مشرکین کی عادت تھی کہ رات کو ایک جگہ جمع ہو کر قرآن مجید پر طعن و تشنیع کرتے رہتے تھے اور ان کی عام بات چیت قرآن مجید کے متعلق ہوتی کہ وہ سحر ہے اور شعر ہے وغیرہ۔

تَھْجُرُوْنَ ○ یہ حال دیگر ہے۔ یہ الھجر بالفتح بمعنے الھذیان یا الترك ہے۔ یعنی قرآن مجید کے متعلق بکواس کرتے اور اسے چھوڑ دینے کی باتیں کرتے ہیں۔

مسئلہ : اس آیت میں رات کو قصے کہانی اور غیر طاعت کی باتوں کی مذمت کی گئی ہے۔

ف : امام قرطبی رحمہ اللہ رات کے تہائی حصہ تک نماز کو مؤخر کرتے اور نماز سے پہلے نیند کرنے اور نماز کے بعد باتیں کرنے کو مکروہ سمجھتے۔

ف : امام قرطبی نے فرمایا کہ تمام علماء متفق ہیں کہ نماز کے بعد فضول باتیں کرنا مکروہ ہے اس لیے کہ نمازیں گناہوں کا کفارہ ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ انسان نیک عمل کرکے نیند کرے تاکہ کراماً کاتبین نیک عمل پر عمل نامہ کو لپیٹیں۔ اگر نیکی کے بعد فضول باتیں کرے گا تو اس کی نیکی لغو ہو جائے گی اور عمل نامہ بھی لغو اور فضول باتوں پر لپیٹا جائے گا۔

ف : حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نمازِ عشاء کے بعد سختی سے روکتے اور فرماتے کہ چل کر آرام کرو ممکن ہے تمھیں نماز یا تہجد نصیب ہو۔

ف : فقیہ ابو اللیث نے فرمایا : نمازِ عشاؑ کے بعد باتیں تین قسم ہیں :

(۱) مذاکرۂ علمی - یہ نیند سے افضل ہے (جیسے طلبۂ مدارس عربیہ اور علماء و مدرسین اور جلسہ ہائے اسلامی) اسی طرح وہ باتیں جو خیر و صلاح اور مبنی بر طاعت ہوں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ عشاؑ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر میں بیٹھ کر مسلمانوں کے معاملات میں صلاح و مشورے کیا کرتے تھے۔

(۲) بناوٹی باتیں اور جھُوٹے قصّے کہانیاں اور ہنسی مذاق وغیرہ مکروہ ہے۔

(۳) آپس میں ایک دوسرے سے انس پیدا کرنے کے لیے گفت گو کرنا بشرطیکہ اس میں جھوٹ اور باطل قول سے احتراز کیا جائے۔ ایسی باتیں اگرچہ مباح ہیں تاہم ان سے احتراز کرنا چاہیے کیونکہ اس کے لیے جو وارد ہوا ہے وہ عام ہے۔

اگر فضول باتوں کا ارتکاب ہو جائے تو ان کے بعد آخر میں ذکرِ الٰہی، استغفار اور تسبیح و تہلیل یا کوئی اور نیکی کی جائے تاکہ باتوں کا خاتمہ نیکی پر ہو۔

ف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس برخاست کرتے تو فرماتے :

سبحانك اللهم و بحمدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرك و اتوب اليك۔

اور فرمایا کہ مجھے ایسے ہی جبریل علیہ السلام نے سکھایا ہے۔

حدیث شریف : روضۃ الاخیار میں ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) کہ جو شخص اپنی مجلس برخاست کرنے سے پہلے کلماتِ مذکورہ پڑھے گا وہ اس کے ان تمام گناہوں کا کفارہ ہو جائیں گے جو اس سے اس مجلس میں سرزد ہُوئے۔

ارشادِ عائشہ رضؓ : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ قصّے کہانیاں صرف مسافر اور نمازی کے لیے جائز ہیں، وہ اس لیے کہ مسافر اپنا سفر کاٹنے کے لیے قصّے کہانیاں کہے گا تو اس کا سفر آسانی سے کٹ جائے گا۔ بنابریں اس کے لیے جائز ہے اُس سے اسے ثواب وغیرہ کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ اسی طرح نمازی بھی جب نماز سے پہلے قصّے کہانیاں کہے گا تو نماز اس کے قصّے کہانیوں کا کفارہ بن جائے گی اور نماز پر اس کی مجلس کا خاتمہ ہوگا اور نماز پڑھ کر فوراً نیند کرے گا تو اس پر کسی طرح غلطی اور فضول باتوں کا جرم نہ ہوگا۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ فضول باتوں اور ان جملہ امور سے احتراز کرے جو اسے حریم قبول سے محروم کر کے دُور پھینک دیں۔ اور ایسا کام نہ کرے جس سے اس کی تمام زندگی ضائع ہو اور آفات و بلیات میں مبتلا ہو۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ماقصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم ، از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

ترجمہ: ہم نے قصۂ سکندر و دارا پڑھا ہے لیکن ہم سے صرف مہر و وفا کی بات کا سوال کرو۔
کسی اور شاعر نے فرمایا: ؎

جز یادِ دوست ہر چہ کنم جملہ ضائع ست
جز سرِ شوق ہر چہ گویم بطالت ست

ترجمہ: یادِ دوست کے سوا جو کچھ کر رہا ہوں وہ ضائع ہے شوقِ محبوب کے سوا جو کچھ کہتا ہوں باطل ہے۔
اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ ہمزہ واقع کے انکار اور اس کی قباحت کے لیے ہے اور فاؑ کا عطف فعل مقدر پر ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی:
افعل الکفار ما فعلوا من النکوص والاستکبار والھجر فلم یتدبروا الخ
"کیا کافروں نے نکوص واستکبار اور ہجر وغیرہ کا ارتکاب کر کے قرآن مجید میں تدبر نہیں کیا تاکہ انہیں معلوم ہوتا کہ اس کی نظم وترتیب میں کیسا اعجاز ہے اور اس کا بیان کتنا صحیح اور اس کی جملہ خبریں کیسی حق اور مبنی بر صدق ہیں۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ واقعی یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے اس تدبر کے بعد انھیں دولتِ ایمان نصیب ہوتی لیکن ان کی شومیٔ قسمت کہ انھوں نے تدبر کی بجائے اس کی تکذیب کی اور اس کے جملہ احکام کو پسِ پشت ڈالا۔
ف: تدبر بمعنے بات سمجھنے کے لیے دل کو حاضر کرنا۔
امام راغب نے فرمایا کہ تدبر بمعنے تفکر ہے۔ یہ دبر الامور سے مشتق ہے۔
اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ یہ ام منقطعہ ہے اور یہاں لفظ بل اور ہمزہ مقدر ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ اضراب وانتقال کے لیے ہے۔ یعنی کافروں کو ایک توبیخ کے بعد دوسری توبیخ کی۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کے ہاں کوئی نئی کتاب آئی ہے کہ جس کا انکار کر رہے ہیں حالانکہ ان کے آباؑ کے ہاں بھی اس طرح کی کتاب آیا کرتی تھی اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ قدیم سے چلا آرہا ہے کہ وہ اپنے رسل کرام علیہم السلام کے ہاں کتاب بھیجا کرتا ہے اسی طریقہ پر ان کے ہاں قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے پھر اس کا کیوں انکار کر رہے ہیں اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ اس میں بھی توبیخ ہے مذکورہ توبیخ کے بعد توبیخ میں دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا ہے اور ہمزہ انکار الوقوع کے لیے ہے اور عبارت میں اضراب وانتقال سے یعنی کفار نے میرے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وامانت اور حسنِ اخلاق کو نہیں دیکھا اور کیا انھیں ان کے کمال علمی کا اعتراف نہیں کہ دوسرے انبیاؑ علیہم السلام کے برعکس انھوں نے کسی سے پڑھا نہ سنا لیکن علوم اولین و آخرین کے بحرِ ذخار ہیں فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ آپ کی شان کو نہ جاننے سے نتیجہ نکلا کہ وہ آپ کی نبوت سے انکار کر رہے ہیں کیونکہ ان کے انکار کا ترتب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی کمالات سے بے خبری کی دلیل ہے۔

أَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ یہ اور توبیخ کی طرف انتقال ہے یہاں بھی ہمزہ انکار واقع کے لیے ہے۔ یعنی کیا وہ کافر کہتے ہیں کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنون ہے (معاذ اللہ) حالانکہ ان بیوقوفوں کو معلوم نہیں ہو رہا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم عقل و فکر اور علم و عمل میں تمام لوگوں سے فائق اور فکر و فہم میں بلند تر اور قوتِ ارادی میں آپ کا ہم پلہ کوئی نہیں اور آپ کی رائے کا نظیر کوئی ہے نہیں بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ یعنی جیسے انہوں نے سمجھ رکھا ہے ایسا بالکل نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حق کو لائے ہیں اور ایسا کہ اس سے رُوگردانی تباہی اور اس میں بطلان کا توامکان ہی نہیں۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ حق سے یہاں اسلام یا قرآن مجید مراد ہے۔

وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ اور ان کے اکثر لوگ حق سے یعنی یہ لوگ ہر حق سے ایسے کرتے ہیں نہ صرف اسی قرآن و اسلام سے كٰرِهُوْنَ ۝ کراہت کرنے والے ہیں اس لیے کہ ان کے عادات میں ہے کھوٹ اور انحراف۔ اور یہ دونوں باطل کو مستلزم ہیں اسی لیے انہوں نے ایسے روشن حق اور سیدھے راہ کا انکار کر دیا۔ اور اکثر کی قید اس لیے نہیں کہ ان کے بعض کو کراہت نہ تھی بلکہ یہ اکثریت حکم الکل کے قبیل سے ہے۔

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس اکثر سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے تکذیب کی اور اس کے قلیل سے اہلِ ایمان مراد ہیں وہ اس لیے کہ حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مخالفین اکثر و بیشتر ہوں۔ حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

گوہر پاک کہ باید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ مرجان نشود

ترجمہ : گوہر کا پاک ہونا ضروری ہے اس لیے کہ فیض کے قابل وہی گوہر ہوتا ہے ورنہ ہر پتھر اور ڈھیلہ لُولُو مرجان ہوتا۔

اس سے معلوم ہُوا کہ قلیل سے وہی جواہر نفیسہ اور خوشبودار پھُول مراد ہیں اور کافر بیکار پتھروں اور کوڑے کرکٹ کی طرح ہیں۔

ف : کافروں نے محبوب و مرغوب حق سے عقلاً و طبعاً کراہت کی اگر وہ عقل و طبع کو چھوڑ کر شرع پاک کی اتباع اور اس سے محبت کرتے تو ان کے لیے دُنیا و آخرت کی بہتری ہوتی۔

سوال : جو طاعتِ الٰہی دنیا میں مجبوراً کی جائے کیا آخرت میں اس کا ثواب ملے گا۔

جواب : نہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی قلوب پر نگاہ ہے اور وہ صرف اخلاص کو پسند کرتا ہے۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا : انما الاعمال بالنیات۔ اور فرمایا : اخلاص سے نیکی کا کام کرو، اگرچہ

تھوڑا سہی ؂

۱ عبادت با اخلاص نیت نکوست
وگرنہ چہ آید ز بے مغز پوست

۲ اگر جز بحق میرود جادہ ات
در آتش فشانند سجادہ ات

ترجمہ : ۱۔ عبادت میں خلوصِ نیت ضروری ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہوگا۔
۲۔ اگر تمہارا طریقہ حق کے خلاف ہے تو پھر تمہارا مصلیٰ آگ میں ڈالا جائے گا۔
حضرت جامی قدس سرہٗ کے لطائف میں سے ہے : ؂

تہیست سبحۂ زاہد ز گوھر اخلاص
ہزار بار من آنرا شمردہ ام یک یک

ترجمہ : زاہد کی تسبیح اخلاص سے خالی ہے میں نے اسے ہزار بار ایک ایک کر کے گنا ہے۔

ف : آیت سے معلوم ہُوا کہ ہر وہ امر جو انسان کے نزدیک مکروہ ہے ضروری نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی مکروہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اگر کوئی بوجھ ڈالتا ہے تو وہ بھی اس لیے کہ وہ آخرت کی دائمی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندوں کی دارین کی مصلحت اسی میں دیکھی ہے کہ انھیں مشقت میں ڈال کر دارین کی سعادتوں سے مالا مال فرمائے۔ بنا بریں ان پر اپنی طاعت واجب فرمائی اور اسی پر ان کے ثواب و عذاب کو مرتب فرمایا۔ ان میں چونکہ ذاتی اور فطری مروّت نہیں تھی اس لیے ان پر ایجاب کے زنجیر ڈالے تاکہ اس کے ذریعے طاعت میں زندگی بسر کریں۔

ازالۂ وہم یاد رہے کہ ایجاب کے زنجیر عوام کے لیے ہیں ورنہ اہلِ وفا اہل اللہ (انبیأ و اولیاء علی نبینا وعلیہم السلام) تو مروّت و محبت کی سچی تصویر ہیں۔ ان کو طاعتِ الٰہی کی بجا آوری سعادت بلکہ شرافت محسوس ہوتی ہے بلکہ وُہ اسی کو اپنی زندگی کا بہترین نوالہ سمجھتے ہیں بلکہ ان کی فطرت کا تقاضا تو یہ تھا کہ اگر طاعت کا حکم ربانی نہ بھی ہوتا تب بھی وہ عبودیتِ حق کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتا اور ربوبیت کی خوشنودی میں خوشی محسوس کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ جب ایسے حضرات کے سامنے بہشت اور خدمتِ الٰہی کا اختیار پیش کیا گیا تو انہوں نے بہشت سے انکار کر کے خدمتِ حق میں کمر بستگی پر آمادگی کا اظہار کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ قیامت میں اپنے بعض بندوں پر بہت خوش ہوگا جنھیں پابہ زنجیر کر کے بہشت میں لایا جائے گا۔

حدیث شریف : چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف میں ہے :

عجب ربکم من قوم یقادون الی الجنۃ بالسلاسل۔

(اللہ تعالیٰ اس قوم سے بہت خوش ہوگا جسے زنجیروں میں جکڑ کر بہشت میں لایا جائے گا)

حدیث ہذا میں اشارہ ہے کہ کبھی کراہت محبت کی طرف کھینچ کرلے جاتی ہے جیسے تم نے دیکھا ہوگا کہ بعض قیدیوں کو دارالاسلام میں سخت مجبور کرکے لایا جاتا ہے پھر اسے اسلام کی دولت نصیب ہوتی ہے۔ تو ایسے لوگ گویا پابہ زنجیر کرکے بہشت میں داخل کیے گئے۔ اس لیے ہر شے میں خاتمہ کا اعتبار ہے۔

ف : جو شخص صرف ثواب و عقاب کو مدِّ نظر رکھ کر اسلام قبول کرتا ہے طوعاً یا کرہاً، تو اس کا اسلام بھی مجبوری میں شمار ہوگا۔ اگر وہ صرف ثواب و عذاب دینے والے کو مدِّ نظر رکھتا ہے اسے نہ ثواب سے غرض نہ عذاب سے واسطہ۔ تو اس کا اسلام مبنی بر معرفت و محبت ہے اس کا اسلام نہایت اعلیٰ درجے کا ہے اور اہل اللہ کے نزدیک یہی ایمان معتبر ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ وہ قرآن مجید میں غور و فکر کرے تاکہ اس کا ایمان مخلصین کی فہرست میں ہو اور عرفان و ایقان بلکہ مشاہدہ و عیان کو پالے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسل کرام کو بھیجا اس کے سوا گمراہی کے بغیر چارہ نہیں۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اور اگر حق جسے انہوں نے مجبوراً قبول کیا منجملہ اس کے وہ احکام شرعیہ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا **اَهْوَآءَهُمْ** ان کی خواہشات کی اتباع کرے۔ یعنی ان کی خواہشات جنھیں صرف وہی چاہتے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے کہ قرآن پاک ان کے ارادوں کے مطابق نازل ہو۔

ف : ان کی موافقت کو اتباع سے تعبیر کرنا مجاز ہے۔

لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ البتہ آسمان و زمین اور ان کے اندر رہنے والے جملہ فرشتے اور انسان و جن وغیرہ میں فساد پھیل جائے اور آسمان و زمین کا نظام درہم برہم ہو جائے اس لیے جملہ عالم کا نظامِ حق سے مربوط ہے جس کو اسلام و توحید اور عدل وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ف : بزرگانِ اسلام نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نفس کی مخالفت اور اس کے ساتھ عداوت و دشمنی کا حکم نہ فرماتا تو مخلوق اپنی خواہشات و شہوات کے تابع ہو کر گمراہ ہو جاتی اور اس گمراہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اوامر کے خلاف کرتی اور طاعتِ الٰہی سے روگردانی کرکے مخالفتِ حق پر کمربستہ ہوتی اور خواہشِ نفسانی کی عاشق ہوتی اور ایسا عشق اسے جہنم میں لے جاتا۔

بَلْ اَتَیْنٰهُمْ (**ربط** : پہلے مضمون میں ان کی کراہت حق (کہ جس پر عالم کائنات کی وابستگی) کی مذمت کے بعد اب ان کی دوسری بری عادت کی مذمت کی جا رہی ہے یعنی یہاں پر انسان کی جبلت میں جو خیر و

بھلائی پیدا کی گئی ہے اس سے کفار کی رُوگردانی کی مذمت کا بیان ہے اور یہاں پر ذکر سے قرآن مجید مراد ہے کیونکہ اگر اسے دل وجان سے قبول کرلیں تو دُنیا و آخرت میں ان کی شرافت و فخر کے لیے اور کوئی شے بہتر و برتر نہیں۔ کما قال تعالیٰ:

وانہ لذکرلك ولقومك۔

بے شک وہ قرآن آپ کا اور آپ کی شرافت و بزرگی کا موجب ہے۔

اب معنیٰ یہ ہُوا کہ ہم نے ان کی شرافت اور خیر و بھلائی کا بہتر و برتر سامان عطا فرمایا ہے اسی لیے ان پر واجب ہے کہ وُہ اسے بدل وجان قبول کریں۔

فائدہ صوفیانہ "تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہم نے انھیں وہ نسخہ کیمیا بخشا ہے جس میں ان کے حال و مآل کی خیر و بھلائی ہے۔

فَهُمْ پس وہ اپنے بُرے اختیار سے عَنْ ذِكْرِهِمْ اپنے حال و مآل کی خیر اور بھلائی سے۔ الارشاد میں ہے کہ ذکر سے صرف شرف و فخر مراد ہے۔

مُّعْرِضُوْنَ ۝ روگرداں ہیں اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ یہ ان کے قول ام یقولون بہ جنة سے انتقال ہے۔ اور اس سے ان کی زجر و توبیخ مطلوب ہے۔ یعنی ان بدبختوں کا خیال ہے کہ شاید آپ ان سے ادائے رسالت پر خَرْجًا اجر و انعام وغیرہ کا سوال کریں گے اسی وجہ سے وہ آپ پر ایمان نہیں لاتے فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ آپ کے لیے انعام ربانی بہتر ہے انکار مذکور سے جو نفیِ سوال مستفاد ہوتی ہے یہ اس کی تعلیل ہے یعنی آپ ان سے کسی قسم کا سوال کریں گے بھی کیسے، جبکہ آپ کے ہاں دُنیا میں رزقِ الٰہی کی کمی نہیں اور نہ ہی آخرت میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کے اجر و ثواب میں کوئی کمی بلکہ آپ کو دارین میں خیر و برکت سے مالا مال کیا گیا ہے۔

ف : اس میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے استغناء کو بیان کیا گیا ہے کہ آپ کو ان کافروں کے اجر و انعام کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ آپ کا رب تعالیٰ آپ کا کفیل کارب ہے۔ اور یہ معاملہ ان بیوقوفوں کو یا تو معلوم نہیں یا معلوم ہے تو پھر آپ پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔

الخراج، الدخل کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے اور الخراج ہر اس خرچ کو کہتے ہیں جو اپنی جیب سے دوسرے پر خرچ کرنا ضروری ہو اور اس کا استعمال اکثر زمین کے محصولات پر ہوتا ہے اور یہاں پر یہ مقصود ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ ہے اور ان کے ہاں ہر وقت انعاماتِ الٰہی کے خزانے کھلے ہُوئے ہیں۔ اسی لیے انھیں کسی سے کسی شے کی ضرورت نہیں۔ اس معنے کو

مذکورہ بالا طریقہ سے بیان کرنا بلیغ ترین کلام میں شمار ہوا ہے۔ اس لیے اسے عطیۂ ایزدی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کا رزق اپنے ذمۂ کرم واجب فرمایا ہے کہ جس میں خلاف کا ہونا ممتنع ہے۔ (کذا فی تفسیر المناسبات)

وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ اور وہی ذات تمام ان دینے والوں سے بہتر ہے جو کسی کو کسی کے عمل کا عوض دیتی ہے کیونکہ دوسروں کی عطا میں انقطاع و تکدر ہے اور اللہ تعالیٰ کی عطا میں نہ انقطاع ہے نہ تکدر۔ یہ معنی اس لیے کیا ہے کہ صیغہ خیر افعل التفضیل کا ہے اور افعل التفضیل کے مفہوم کی صحیح تقریر وہی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ عارف باللہ وُہ ہیں جو اپنے قلوب کے چہروں کو دنیوی طمع و لالچ کی گرد و غبار سے آلودہ نہیں کرتے بلکہ وُہ اپنے قلوب کے روشن چہروں کو آخرت کی نعمتوں کے لالچ سے بھی ملوث نہیں کرتے بلکہ وہ دعوتِ خلق الی اللہ میں للہ فی اللہ کام کرتے ہیں ؎

زیان می کند مرد تفسیر دان
کہ علم و ہنر می فروشد بنان

ترجمہ: تفسیر دان مرد نقصان کرتا ہے کیونکہ وہ علم و ہنر کو روٹی کے عوض بیچتا ہے۔

نکتہ عجیبہ حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ فتوحات مکیہ شریف میں لکھتے ہیں کہ واعظ کو اپنے وعظ پر لوگوں سے اُجرت لینا جائز ہے[1]۔ بلکہ یہ اس کی بہترین حلال کمائی ہے اگر اس کا ترک اس کے لیے افضل ہے۔ اس لئے کہ ہر نبی علیہ السلام نے خلقِ خدا کو دعوتِ دینِ حق پیش کرکے فرمایا:

ان اجری الا علی اللہ۔

اس جملہ سے انبیاء علیہم السلام نے وعظ یعنی دعوت الی اللہ کے جواز کی طرف اشارہ فرمایا ہے اگرچہ اُنھوں نے اور ان کے عُشاق اولیاء کاملین اور علماء باعمل نے صرف اللہ تعالیٰ سے ہی انعام و اکرام کی امید رکھی۔ اور مخلوق سے اس کا تصور تک منقطع رکھا۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اور آپ انھیں بلاتے ہیں اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ صراطِ مستقیم کی طرف، وہ صراطِ مستقیم جس کی استقامت کی گواہی عقول سلیمہ دیتے ہیں اور یقین سے

---

[1] اس سے ہمارے دور کے واعظین اگرچہ اپنا پروگرام صحیح سمجھیں گے لیکن میں ان سے عرض کرتا ہوں کہ بھائیو! بتاؤ تو واعظ بھی ہو، ذرا واعظ بن کر دکھاؤ تو سہی۔ امید ہے سمجھداروں نے یہ فقرہ سمجھ لیا ہوگا۔
اویسی غفرلہٗ

کتے ہیں کہ ایسے راستے میں ٹیڑھے پن کا تصور بھی نہیں ہوسکتا کہ جس سے کسی کو وہم ہو کہ آپ اس ٹیڑھے راستے کی دعوت دیتے ہیں وَاِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ کافروں کو آخرت پر ایمان نہ لانے کے وصف سے موصوف کرنے میں ان کی مذمت مطلوب ہے اس لیے کہ وہ بدبخت دنیوی امور میں ایسے منہمک ہیں کہ وہ اپنا مقصدِ اعلیٰ بھی دنیا کو سمجھتے ہیں ان کے اس انہاک سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ دنیوی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی ہے ہی نہیں عَنِ الصِّرَاطِ یعنی جس سیدھے راستے کے لیے آپ انہیں دعوت دیتے ہیں اس راستہ سے وہ لوگ لَنٰکِبُوْنَ ۝ روگردان بلکہ اس سے عمداً ہٹ کر چلنے والے ہیں اس لیے کہ آخرت پر ایمان لانا اور ان کے حالات سے ڈرنا سب سے بڑا واعظ ہے۔ یہی عقیدہ انسان کو طلبِ حق اور اس کے راستہ پر چلنے پر مجبور کرتا ہے۔ چونکہ ان بیچاروں کو نہ خوفِ خدا ہے اور نہ ہی آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اسی لیے ان کو سیدھے راستے پر چلنے کی سعادت کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔

ف : ایمان نہ لانے کی صفت سے انھیں موصوف کرنے سے ان کے حکم کی علت بھی ظاہر کی گئی ہے جیسے ان کی مذمت سے ان کے حکم کی علت کو ظاہر کیا گیا۔

ف : حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : جس میں عالمِ آخرت کی طرف لوٹنے اور اس کے لئے سرمایہ جمع کرنے کے علامات نہ پائے جائیں اور نہ ہی ملاء الاعلیٰ اور مسندِ اعظم میں اس کا ذکر ہو اس کے لیے یقین سمجھو کہ وہ صراطِ مستقیم سے بھٹکا ہُوا اور راہِ رشد کی اتباع سے محروم ہے اس سے وہی شخص بہتر حال پر ہے جسے گزشتہ زندگی کی غلطی کا احساس ہے۔

ف : آیات میں اشارہ ہے کہ کفار بڑے سرکش اور رسولِ خدا کی اتباع اور ان کے ارشادات قبول کرنے سے ہر طرح سے محجوب و محروم ہیں۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

کسے را کہ پندار در سر بود

مپندار ہرگز کہ حق بشنود

ز علمش ملال آید از وعظ ننگ

شقائق بباران نروید ز سنگ

ترجمہ : ا۔ جسے عجب و کبر سر میں ہو وہ حق کی بات کب سُنے گا ایسے شخص کو علم و وعظ سننا بھی گوارا نہیں اور بارش پتھر سے پھول نہیں اُگاتی۔

حکایت بہلول دانا اور ہارون الرشید

منقول ہے کہ جب ہارون الرشید مکہ معظمہ سے حج سے فارغ ہو کر واپس ہُوا تو کوفہ میں چند روز قیام پذیر ہُوا جب وہاں سے بغداد کو روانہ ہُوا تو راستہ میں حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کھڑے ہو کر زور سے تین بار پکارا: اے ہارون۔ ہارون الرشید نے متعجب ہو کر پُوچھا: کون ہے مجھے پکارنے والا؟ لوگوں نے کہا: بہلول دانا ہیں۔ ہارون نے رُک کر اپنا پردہ ہٹایا۔ اس کی عادت تھی کہ ہر شخص سے پردہ کے اندر بات کرتا تھا۔ حضرت بہلول کو فرمایا: جانتے ہو میں کون ہُوں؟ آپ نے فرمایا: ہاں، آپ وُہ ہیں کہ اگر کوئی مشرق میں ظلم کرے اور آپ مغرب میں ہوں تب بھی آپ سے اس کے ظلم کے متعلق قیامت میں باز پرس ہوگی۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ کی اس گفتگو سے ہارون متاثر ہُوا پھر پوچھا آپ کو میرا حال بھی معلوم ہے۔ بہلول رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ اپنے حال کو قرآن مجید کے مضمون کے مطابق خود دیکھ لیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان الابرار لفی نعیم و ان الفجار لفی جحیم۔ (بیشک ابرار بہشت میں اور فاجر دوزخ میں ہوں گے)

پھر ہارون الرشید نے پُوچھا کہ میرے اعمال کا کیا معیار ہے؟ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا:

انما یتقبل اللہ من المتقین۔

یعنی اللہ تعالیٰ صرف متقین کو قبول فرماتا ہے۔

پھر ہارون الرشید نے کہا: کیا قیامت میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرابت کوئی فائدہ نہیں دے گی؟ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا:

فاذا نفخ فی الصور فلا انساب بینهم یومئذ ولا یتساءلون۔

(جب صور پھُونکا جائے گا تو سب انساب ختم ہو جائیں گے)

اس کے بعد ہارون الرشید نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے بھی کوئی فائدہ پہنچے گا؟ حضرت بہلول نے پڑھا:

یومئذ لا تنفع الشفاعۃ الا من اذن له الرحمٰن ورضی له قولا۔

(اس دن کسی کو شفاعت نفع نہ دے گی سوائے اس کے جس کی اللہ تعالیٰ اجازت دے گا)

ہارون الرشید نے کہا: آپ کا کوئی کام؟ حضرت بہلول رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے گناہ بخشوا کر مجھے بہشت میں داخل کرا دیجئے۔ ہارون الرشید نے کہا: یہ تو میرے بس سے باہر ہے البتہ میں آپ کا قرض اتار سکتا ہُوں، اس لئے کہ میں نے سُنا ہے کہ آپ مقروض ہیں۔ حضرت بہلول نے فرمایا کہ قرضہ اٹھا کر کسی کا قرض اتارنا جائز نہیں پہلے آپ لوگوں کے حقوق ادا کیجئے جبکہ آپ خود مقروض ہیں میرا قرض کیا اتاریں گے۔ ہارون الرشید نے کہا: میرا دل چاہتا ہے

کہ میں آپ کے لیے ایسا وظیفہ مقرر کر دوں جو آپ کو تا دمِ زلیست کام دے۔ حضرت بہلول نے فرمایا: ہم سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جب وُہ تم کو رزق کے بارہ میں نہیں بُھلاتا تو مجھے کیسے بُھلائے گا۔ یہ کہہ کر حضرت بہلول رحمہ اللہ تعالیٰ چل دیے۔

ف : پچھلے مضمون میں حضرت بہلول نے آیت فخراج ربك خير کی طرف اشارہ فرمایا تھا اس لیے کہ جو شے بلاتعیین ملے وہ معین کردہ وظیفہ سے بہتر ہے۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

گنج زر گر نبود گنج قناعت باقیست
آنکہ آن داد بشاہان بگدایان این داد

ترجمہ: اگر زر کا خزانہ کسی کو میسر نہیں تو قناعت کا خزانہ تو باقی ہے جس ذات نے زر کا خزانہ بادشاہوں کو دیا ہے اسی ذات نے گداؤں (درویشوں) کو قناعت کا خزانہ بخشا ہے۔

شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نیرزد عسل جان من زخم نیش
قناعت نکوتر بدو شاب خویش
اگر بادشاہ ست اگر پنبہ دوز
چو خفتند گردد شب ہر دو روز

ترجمہ: نیش کے زخم کے لیے شہد بے کار ہے اپنے لیے قناعت بہتر ہے۔ اگر کوئی بادشاہ ہے یا مزدور، دونوں رات کو سوتے ہیں، دونوں کے لیے دن برابر آتا ہے۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ شانِ نزول : مروی ہے کہ جب قبیلۂ ثمامہ بن اثال الحنفی مسلمان ہوئے اور یمامہ سے جا ملے اور اہلِ مکہ سے غلہ وغیرہ بھی روک لیا تو اہلِ مکہ قحط سالی میں مبتلا ہو گئے یہاں تک کہ بھوک سے خون کو گوبر سے ملا کر کھایا، حضرت کاشفی نے لکھا کہ اہلِ مکہ نے گوبر اور خُون کھایا پیا۔ ابُوسفیان (جب مسلمان نہیں ہوئے تھے) حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آپ کو رب تعالیٰ کی قسم اور صلۂ رحمی اور رشتہ داری کا واسطہ دیتا ہُوں کہ آپ رحمۃ للعالمین ہونے کے مدعی ہیں۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ پھر عرض کی: تو آپ ہمارے بڑوں کو تلوار سے قتل کر رہے ہیں اور ہمارے چھوٹوں کو بھُوک سے۔ آپ اپنے ربِ کریم سے دعا کیجئے تاکہ ہم سے اس قحط کا عذاب ٹل جائے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تو ان سے عذابِ قحط ٹل گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہُوئی کہ اگر ہم نے ان پر رحم کر کے **وَكَشَفْنَا** ان سے ٹال دیا **مَا بِهِمْ** وہ جو ان پر

عذابِ قحط واقع ہوا ہے مِّنْ ضُرٍّ جو نہایت ہی سخت ضرر رساں ہے یعنی قحط اور بھوک جو ان پر غالب آگئی ہے۔
لَّلَجُّوْا لجاج سے ہے بمعنے عداوت اور دشمنی کی حد کر دینا اور روکے ہوئے فعل کے ارتکاب میں سرکشی کرنا۔
فِيْ طُغْيَانِهِمْ طغیان بمعنے شے کی حد میں تجاوز کرنا اور جو بھی گناہوں میں حد سے متجاوز ہو جائے اسے طاغی کہا جاتا ہے
یعنی وہ لوگ کفر و استکبار اور عداوتِ رسول اور اہلِ ایمان کی دشمنی میں حد سے متجاوز ہو کر اپنے پرانے دین کی طرف
لوٹ جائیں اور پھر یہ خوشامد جو اب کر رہے ہیں اسے بھول جائیں ؎

ستیزندگی کار دیو و ددست
ستیزندگی دشمنی با خوداست

ترجمہ: لڑائی جھگڑا شیطان اور درندوں کا کام ہے در اصل لڑائی جھگڑا کرنا اپنے ساتھ دشمنی
کرنے کے مترادف ہے۔

يَعْمَهُوْنَ ۝ العمه بمعنے تحیر سے کسی امر میں متردد ہونا یعنی ہدایت کی راہوں سے اندھے اور گمراہی میں
حیران ہو کر بھٹک رہے ہیں انہیں معلوم نہیں ہو رہا کہ وہ کدھر جائیں، جیسے کوئی شخص راہ بھول جائے تو اس کی ہوش
قائم نہیں رہتی اور اسے راستہ نہیں ملتا۔

ملفوظاتِ صُوفیہ

(۱) حضرت ابن عطاء رحمہ اللہ نے فرمایا:
ارواح پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو تو مشاہدہ سے نوازتا ہے اور اسرار پر تو مراقبہ کی
نعمت بخشتا ہے اور قلوب پر ہو تو معرفت عطا فرماتا ہے، ابدان پر ہو تو سنّتِ مصطفویہ پر چلنے کے جذبہ کی کرم نوازی
فرماتا ہے۔

(۲) حضرت ابوبکر بن طاہر رحمہ اللہ نے فرمایا:
کشف الضر بمعنے نفس کی خواہشات اور طول امل وحُبِّ ریاست وحبِ علو وحُبِ دنیا سے نجات بخشتا ہے
اور مذکورِ بالا امور اہلِ ایمان کو ضرر پہنچاتے ہیں۔

(۳) حضرت واسطی رحمہ اللہ نے فرمایا:
علم کا طغیان علم پر ناز کرنا، اور مال کا طغیان بخل اور عبادت کا طغیان ریاء اور نفس کا طغیان اتباعِ
شہوات ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لام قسم کا جواب ہے۔ در اصل عبارت یہ تھی:
و باللہ لقد اخذناھم الخ
یعنی بخدا ہم نے اہلِ مکہ کو عذابِ دنیوی میں پکڑا۔ اس سے غزوۂ بدر میں ان کا مقتول ہونا اور قیدی ہونا مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ہم نے انھیں مقاماتِ عذاب میں گرفتار کیا۔ اس سے عذاب کے شدائد مراد نہیں کیونکہ وہ تو انھیں آخرت میں نصیب ہوں گے۔

تفسیر عالمانہ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ یعنی اس کے بعد نہ ان سے عاجزی کا اظہار ہوا اور نہ ہی رب تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑائے۔ بلکہ اپنی سرکشی اور استکبار میں مست رہے۔

حلِ لغات : استکانۃ بمعنے خضوع و ذلۃ اور تضرع بمعنے عاجزی کا اظہار۔ اور استکان بر وزن استفعل از کون، وہ اس لیے کہ عاجز ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہوتا ہے استحال کی طرح بمعنے انتقل من حال الیٰ حال آخر، یا افتعال کا باب ہے از سکون یعنی عین کو مفتوح کرکے، اور یتضرعون (فعل مضارع) رعایۃ فواصل کے لیے ہے۔

الارشاد میں ہے کہ یہ ماقبل کے مضمون کی تاکید کے لیے جملہ معترضہ کے طور پر واقع ہے۔ خلاصہ یہ کہ تضرع ان کے عادات میں داخل بھی نہیں۔

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب یعنی آخرت کے عذاب کے دروازے کھولیں گے اِذَا هُمْ اچانک وہ فِيْهِ عذاب میں مُبْلِسُوْنَ ۝ع حیران اور ہر بھلائی سے نااُمید ہوں گے۔ یعنی ہم انھیں ہر قسم کی محنت و تکلیف اور قتل اور قید اور بھوک وغیرہ میں مبتلا کریں گے اسی وجہ سے نہ ان سے حق کے سامنے سرِ تسلیم خم ہُوا اور نہ ہی وہ اسلام کی طرف متوجہ ہوئے۔ مگر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اس استکانۃ اور تضرع الی اللہ میں داخل نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ اپنی جملہ طاقتوں سے مایوس ہو کر اسلام میں داخل ہو گئے، ان کی کیفیت اس شخص جیسی ہے جو بھوکا ہو تو عاجزی کا اظہار کرے، اگر سیر ہو تو لڑائی پر اُتر آئے۔ (لیکن بحمدہٖ تعالیٰ اسلام ایسا عالی ظرف ہے کہ جونہی اس قسم کے لوگ اس میں داخل ہوئے اگرچہ ابتداءً وہ ضعیف الایمان تھے لیکن بعد میں اسلام نے اپنے فیوض و برکات سے ان کو پختہ ایمان دار بنا دیا۔ اس لیے اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ وہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرتِ امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ پر کسی قسم کی بدگمانی نہ کریں۔ ان پر بدگمانی اور طعن و تشنیع سخت گناہ ہے۔ مگر یزید کو جتنا بھی مطعون کیا جائے کم ہے)[1]

ف : اکثر کفار اپنی اس بدقسمتی یعنی عجز و نیاز اور تضرع کی محرومی پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ جہنم میں داخل ہوئے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

کما قال :

ویوم تقوم الساعۃ یومئذ یبلسون۔

اور فرمایا :

لا یفتر عنھم وھم فیہ مبلسون۔

فائدہ تفسیریہ : حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

آیت میں جس دروازے کا بیان ہے وُہ جہنم میں سب سے اوپر ہے جس میں چار ہزار سیاہ چہرے والے داڑھیں نکالے ہُوئے فرشتے ہیں جن کے قلوب سے رحمت بالکل نکال لی گئی ہے جب جہنمی وہاں پہنچیں گے تو اس وقت وہی دروازہ کُھلے گا، ہم اللہ تعالیٰ سے ایسے عذاب سے عافیت و سلامتی کا سوال کرتے ہیں۔

شبیر و شبر آگ کی لپیٹ میں وہب بن منبہ سے مروی ہے، وُہ فرماتے ہیں کہ بیت المقدس میں ایک ہزار چراغ جلائے جاتے تھے ان کے لیے طورِ سیناء سے اُونٹ کی گردن کی طرح نہایت صاف و شفاف تیل ظاہر ہوتا اور ان چراغوں کو جلانے کا کام حضرت ہارون علیہ السلام کے دو صاحبزادوں شبیر و شبر کے سپرد تھا اور انھیں حکم تھا کہ وہ ان چراغوں کو اس دنیوی آگ سے نہ جلائیں بلکہ آسمانی آگ انھیں خود بخود روشن کرے گی۔ ایک دن شبیر و شبر نے عجلت کرکے اُنھیں دنیوی آگ سے روشن کردیا۔ پھر یکایک آسمان سے آگ اُتری اور ان دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے کر جلاکر راکھ کردیا۔ جونہی اس واقعہ کی اطلاع حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہُوئی وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں گڑگڑائے اور آسمانی آگ کے خلاف استغاثہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : اے ابنِ عمران ! (موسیٰ علیہ السلام) جب میرے دوست کوئی معمولی غلطی کریں تو انھیں ایسے ہی سزا دیتا ہُوں۔ اس سے آپ خود سوچیں کہ اپنے مخالفین کو کتنی سزا دُوں گا !

ولی اللہ اور یہودی کا مناظرہ ایک دن حضرت سہیل صعلوکی (مسکین درویش) ایک مالدار یہودی کے حمام کے سامنے سے گزرے اور یہودی نے کہا : کیا تمھارا عقیدہ حق ہے جب تم کہتے ہو کہ دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنّت ہے۔ آپ نے فوراً بلا تامل فرمایا جب تم مرنے کے بعد عذابِ آخرت میں گرفتار ہو گے تو تمھیں یہی دنیوی عیش و عشرت بمنزلہ جنّت کے معلوم ہوگا اور جب ہم بہشت کی نعمتوں سے سرشار ہوں گے تو ہمیں یہی دنیوی زندگی بمنزلۂ جہنّم کے محسوس ہوگی۔ درویش کی گفتگو سے تمام یہودی ششدر رہ گئے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ آخرت کا عذاب اس دنیوی تکلیف و مصیبت کی طرح نہیں اس کا نرالا رنگ ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے وہ گناہوں سے کوسوں دُور رہتا ہے۔

(صفحہ ۹۱ پر)

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ○ وَهُوَ الَّذِيْ
ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ
وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ○ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّ
عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ○ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ ○ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا
تَذَكَّرُوْنَ ○ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ○ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ○ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○
مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا
بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا
يُشْرِكُوْنَ ○ ع

ترجمہ : اور وہی جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو اور وہی ہے جس نے تمھیں زمین پہ پھیلا رکھا ہے اور اسی کی طرف اٹھنا ہے اور وہی جلاتا مارتا ہے اور اسی کے لیے ہیں رات اور دن کی تبدیلیاں تو کیا تم نہیں سمجھتے بلکہ اُنھوں نے وہی کہا جو ان کے پہلے کہہ گئے کہا کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے کیا پھر (قبروں سے) نکالے جائیں گے بیشک یہ ہم سے اور ہم سے پہلے ہمارے آباؤ اجداد سے وعدے کیے جارہے ہیں یہ تو نہیں مگر وہی اگلی بناوٹی باتیں فرمائیے کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے کس کا ہے اگر تمھیں کوئی علم ہے تو وہ ضرور کہیں گے اللہ کا ہے فرمائیے تو پھر تم کیوں نہیں سوچتے فرمائیے ساتوں آسمانوں کا مالک کون ہے اور عرشِ عظیم کا مالک کون تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہے تو پھر تم کیوں نہیں ڈرتے فرمائیے ہر شئے کا اختیار کس کے ہاتھ میں ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا اگر تمھیں کچھ معلوم ہے اب بھی جواب دیں گے یہ صفات اللہ تعالیٰ کے ہیں فرمائیے تو پھر کیسے جادو میں پھنسے ہو بلکہ ہم ان کے ہاں حق لائے اور بیشک وہ جھوٹے ہیں اللہ تعالیٰ نے کسی کو اولاد نہیں اختیار کیا اور نہ ہی اس کے ساتھ دیگر خدا ہے بفرضِ محال ایسا ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق کو لے جاتا اور ایک دوسرے پر اپنی برتری چاہتا اللہ کی پاکی ہے ان صفات سے جن کے ساتھ یہ اسے موصوف کرتے ہیں اور ہر غائب و ظاہر کو جاننے والا ہے سو اسے

بلندی ہے اس سے جو یہ اس کے لیے شریک ٹھہراتے ہیں ۔

(صفحہ ۸۹ سے آگے)

جہنم کا خوف اور ملائکہ مقربین حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے میکائیل علیہ السلام کو کبھی ہنستے ہُوئے نہیں دیکھا۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کی جب سے اللہ تعالیٰ نے جہنم کو پیدا فرمایا ہے اس روز سے میکائیل علیہ السلام نے اس کے ڈر سے ہنسنا بند کیا ہوا ہے۔

فائدہ صُوفیانہ ریاضات و مجاہدات نفس امّارہ کے لیے عذابِ الٰہی ہیں ان سے نفس اور اس کی خواہشات اور طبیعت اور اس کے تقاضے مجاہدات و ریاضات سے جل کر راکھ ہو جاتے ہیں پھر وُہ اپنی فطرت اصلیہ کی طرف راجع ہوتے ہیں لیکن مجاہدات و ریاضت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں عجز و نیاز اور آہ و زاری کرنا اور چہرے کو زمین پر رگڑنا ضروری ہے اس لیے کہ صرف اعمال صالحہ پر بھروسا کرنے سے کام نہیں چلتا لیکن عجز و نیاز اور انکساری سے قبولِ حق کے دروازے کھلتے ہیں ؎

جز خضوع و بندگی و اضطرار
اندریں حضرت ندارد اعتبار

ترجمہ: خضوع و بندگی و اضطرار کا ہی بارگاہِ حق میں اعتبار ہے۔

حکایت سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں، میں تیس سال تک عبادت و ریاضت میں پگھلتا رہا۔ ایک روز غیب سے ندا آئی کہ اے ابا یزید! عبادت سے میرے خزانے پُر ہیں اگر تم میرا وصال چاہتے ہو تو عجز و نیاز اور انکسار و ذلّت سے پیش آؤ۔ (یہ حکایت پہلے بھی کئی بار گزری ہے)

سبق اس سے معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ کا وصال صرف عبادت سے نہیں بلکہ اس کے ساتھ عجز و نیاز اور ذلّت و انکساری ضروری ہے۔ اور عجز و نیاز ایسا ہو کہ انا کا تصور ختم ہو جائے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہم سے ظلماتِ نفس دُور کرے اور ہمیں انس و قدس سے منور فرمائے۔ اسی کے ہاں ہر آرزو پیش کی جاتی ہے اور وہی ہر کام بنانے والا ہے۔

(تفسیر آیات صفحہ ۹۰)

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ وہ اللہ تعالیٰ جس نے پیدا فرمایا لَكُمُ تمہارے منافع کے لئے السَّمْعَ، سمع یعنی وہ قوت جو کانوں میں ہے جس کے ذریعے انسان اصوات کا ادراک

کرتا ہے اس کے فعل کو سمع (شنیدن ، سننا) سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے کبھی گوش (کان) سے بھی تعبیر کرتے ہیں وَالْاَبْصَارَ بصر کی جمع ہے یعنی وہ عضو جس سے دیکھا جاتا ہے اور وہ قوت جس سے شے کا ادراک کیا جاتا ہے جسے فارسی میں دیدہ (آنکھ) سے تعبیر کرتے ہیں وَالْاَفْـِٕدَةَ ط فواد کی جمع ہے جسے فارسی اور اردو میں دل کہا جاتا ہے ۔

امام راغب نے کہا کہ فؤاد قلب کا دُوسرا نام ہے لیکن ان دونوں میں فرق ہے ۔ وُہ یہ کہ اگر اس میں تفوّد یعنی توقد کا معنیٰ معتبر ہو تو اسے فواد سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ یہ فادت اللحم سے ہے بمعنے شویتہ (میں نے گوشت کو بھُونا) اور کہتے ہیں لحم فئیل بمعنے مشوی یعنی بھُونا ہُوا گوشت ۔

ف : ان تینوں اعضاء کی تخصیص اس لیے ہے کہ اکثر دینی و دنیوی فوائد انہی سے متعلق ہیں ۔

قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ ٥ ما ، قلیلا کے صلہ اور اس کی تاکید کے لیے واقع ہوا ہے ۔ اب معنیٰ یُوں ہُوا کہ اتنی بہت بڑی نعمتوں کا تم بہت کم شکر کرتے ہو وُہ اس لیے کہ نعمت کی ادائیگی شکر کا یہ معنیٰ ہے کہ جس شے کو جس کام کے لیے پیدا فرمایا ہے اسے اسی پر استعمال کرنا ۔ لیکن تم نے اس کے برعکس معاملہ کر دیا کہ ان کو غیر محل پر استعمال کیا ۔

ف : فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں قلّت کو عدم کے معنیٰ میں لیا گیا ہے اور قلت عدم کے معنے میں بھی مستعمل ہے اور کفار کے حال کی مناسبت سے یہی معنیٰ موزوں ہے ۔ آیت میں تین فوائد کا ذکر ہے :

۱ ۔ بہت بڑی نعمتوں مثلاً سمع ، بصر فواد کا اظہار ۔

۲ ۔ انہی نعمتوں کے لیے بندوں سے ادائیگی شکر کا مطالبہ ۔

۳ ۔ بندوں کے شکر نہ کرنے کی شکایت ۔ کیونکہ شکر گزار بندے قلیل ہیں ۔ چنانچہ فرمایا :

وقلیل من عبادی الشکور ۔

اور ان نعمتوں کی ادائیگی کا معنیٰ یہ ہے کہ انھیں منعم کی طاعت و عبودیت میں استعمال کرنا ۔ مثلاً سمع کی طاعت منہیات کے استماع میں استعمال کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا اسے اور کوئی نہ ہو ؎

گزرگاہ قرآن و پندست گوش

بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

ترجمہ : کان قرآن و نصیحت کی گذرگاہ ہے باطل و بہتان سننے کی کوشش نہ کر ۔

اور بصر کو طاعت میں استعمال کرنا یہ ہے محرمات کو دیکھنے سے اسے بند رکھنا ہر وقت عبرت کے دیکھنے میں لگا رہے ؎

دو چشم از پے صنع باری نکوست

ز عیب برادر فرو گیر و دوست

ترجمہ : دو آنکھیں صنعتِ باری تعالیٰ دیکھنے کے لیے ہیں، اے برادر! دوست کا عیب نہ تلاش نہ کر۔
اور قلب کا شکر میں استعمال کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اسے اخلاق ذمیمہ کی گرد و غبار سے پاک وصاف رکھنا اور کونین کے تعلق سے دُور رکھنا اسے سوائے اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ اور اس کی محبت وعشق کے سوا اور کوئی کام نہ ہو ؎

ترا بگوہر دل کردہ اندر امانتدار
زد زد امانت حق را نگاہ دار و مخسپ

ترجمہ : تیرے دل کو ایک گوہر کا امانت دار بنایا گیا ہے۔ امانتِ حق کو چور سے محفوظ کر اور غافل ہو کر نہ سو۔

وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وہ اللہ تعالیٰ جس نے نسل بڑھانے کے ذریعے تمہیں زمین پر پھیلایا ہے۔ یہ ذرا اللہ الخلق سے ہے بمعنے ان کے اشخاص کو پیدا فرمایا وَإِلَيْهِ اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف تُحْشَرُونَ ۝ قیامت میں تم جمع کیے جاؤ گے بعد اس کے کہ تمہارے اجسام کو مرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کیا جائے گا۔ جب تمہارا یہی حال ہے تو پھر تم ایمان کیوں نہیں لاتے اور اس کی نعمتوں کا شکر کیوں نہیں ادا کرتے وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو تمہیں زندہ کرتا اور مارتا ہے اس میں اس کا کوئی بھی شریک نہیں یعنی وہ قیامت کے دن (بے جان) نطفوں، مٹی، انڈوں اور مُردوں کو حیات بخشنے والا ہے۔ اور زندوں سے زندگی چھینتا ہے۔

نکتہ : یہاں ماضی کے صیغہ (احیٰی و اَمَاتَ) کے بجائے مضارع (یحیی ویمیت) کے صیغے لانے میں اشارہ ہے کہ یہ اس کی عادتِ کریمہ ہے جس سے انھیں انکار نہیں کرنا چاہیے۔

وَلَهُ اور خاص اسی کے لیے اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ط دن رات کا مختلف ہونا یعنی ان کے تعاقب کا مؤثر حقیقی وہی ہے سورج تو صرف ایک سبب ہے، یا اختلاف سے ان کا گھٹنا بڑھنا مراد ہے أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ کیا تم اس سے غافل ہو، اگر نہیں تو پھر نظر وفکر کو استعمال کر کے کیوں نہیں سمجھتے کہ یہ جملہ امور ہماری طرف سے ہیں اور تمام ممکنات پر ہمارا تصرف جاری ہے اور قیامت کا اٹھانا بھی ہمارے تصرفات میں سے ایک ہے - بَلْ قَالُوا اس کا عطف فعل مضمر پر ہے جیسے کہ مقام کا تقاضا یُونہی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ انھیں بجائے سمجھنے کے کہہ دیا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ۝ اسی طرح جیسے ان کے پہلے کافروں نے کہا۔ اب اس قوم مبہم کی تفسیر فرمائی قَالُوا أَإِذَا مِتْنَا انھوں نے کہا کہ کیا جب ہم مر جائیں گے وَكُنَّا تُرَابًا اور ہو جائیں گے مٹی وَعِظَامًا اور ہو جائیں گے ہڈیوں کا چورہ چورہ أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ۝ کیا پھر ہم اٹھائے جائیں گے، یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی بر سبیلِ انکار انھوں نے کہا اور بعید سمجھا، حالانکہ اُنھوں نے غور وفکر نہیں کیا کہ

پہلے بھی تو وہ مٹی تھے۔ اسی مٹی (لا شئے) سے انہیں پیدا کیا گیا۔ اذا کا عامل ءَاِنَّا کا معنیٰ ہے یعنی نبعث۔ یہ اس لیے کہ ان کا ما بعد ما قبل پر عمل نہیں کرتا لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا بیشک ہم اور ہمارے آباء اسی کا وعدہ دئے گئے ھٰذا کا اشارہ مرنے کے بعد جی اُٹھنے کی طرف ہے اور یہ وعدنا کا مفعول ثانی ہے مِنْ قَبْلُ یہ فعل کے متعلق ہے بایں معنیٰ کہ اس کا اسناد ان کے آباء کی طرف ہے اس کا اسناد خود کی طرف نہیں یعنی حضور (محمد سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریف آوری سے پہلے ہمارے آباء کو بھی اسی کا وعدہ دیا گیا انھوں نے اسے لا شئے سمجھا اور ہم بھی اس کی حقیقت کے منکر ہیں یعنی یہی مرنے کے بعد اُٹھنے کا وعدہ ہمیں اور ہمارے آباء کو سنایا گیا لیکن یہ وعدہ سچا نہیں اور نہ ہی اس میں صداقت کی بُو ہے اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝ یہ نہیں مگر پہلے لوگوں کی بناوٹی باتیں۔ اساطیر، اسطورہ کی جمع ہے یعنی وہ جھوٹ جسے انسان اپنے ہاتھ سے لکھے اور اسے عام پھیلائے اسی لیے اسطورہ، اعاجیب و اضاحیك کی طرح ان لہو ولعب کی باتوں میں استعمال ہوتا ہے جنکی کوئی حقیقت نہ ہو۔

ف: آیت سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے آباء کی تقلید (سوٗ) کا خوگر ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ اس کے نورِ ایمان کی برکت سے تصدیق بالتحقیق کی ہدایت بخشے ورنہ عموماً اکثر متاخرین اپنے متقدمین آباء کی تقلید میں انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور مرنے کے بعد قیامت میں اُٹھنے کا انکار کرتے چلے آئے۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

خواہی بصوت کعبۂ تحقیق رہ بری
پے بر پے مقلد گم کردہ رہ مرو

ترجمہ: اگر تم کعبۂ تحقیق کی طرف پہنچنا چاہتے ہو تو راہ گم کردہ مقلد کے نقش قدم پر مت چلو۔

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهَآ۔ من ذوی العقول کے لیے آتا ہے اور زمین میں ذوی العقول بہت کم ہیں لیکن ان کی شرافت و بزرگی کے پیش نظر تغلیباً من کو لایا گیا یعنی فرمائیے زمین اور زمین پر رہنے والی جملہ مخلوق کس کی ہے اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اگر تم کچھ جانتے ہو تو اس کی مجھے خبر دو۔ یہی جواب بھی ہمارے دعویٰ کے لیے کافی ہے اس میں ان کی جہالت کے واضح ہونے پر مبالغہ کیا گیا ہے سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ط وہ کہیں گے یہ سب کچھ اللہ کا ہے یہ اس لیے کہیں گے کہ بداہۃ عقل مجبور کرتی ہے کہ وہ اعتراف کریں کہ ان سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہے قُلْ جب وہ اس کا اعتراف کر لیں کہ واقعی سب کچھ اللہ تعالیٰ ہے تو اے محبوب! (صلی اللہ علیہ وسلم) انھیں فرمائیے اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ مانتے ہو تو پھر نصیحت پذیر کیوں نہیں ہوتے ہو کہ جس ذات نے ان تمام اشیاء کو ابتداءً پیدا فرمایا تو وہ قادر ہے کہ انھیں قیامت میں بھی اٹھائے اس لیے کہ اسے نہ ابتداءً پیدا کرنا مشکل ہے

نہ لوٹانا، ورنہ عقول کا تقاضا یہ ہے کہ ابتداءً پیدا کرنا مشکل ہے۔ عقل نے جب سر جھکا دیا کہ وہی ذات ابتداءً پیدا کرتی ہے، جو ایک مشکل کام ہے، تو اس کے لیے اعادہ مشکل کیوں؟ جبکہ اعادہ ایک آسان کام ہے قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ○ فرمائیے ساتوں آسمانوں اور عرشِ عظیم کا رب کون ہے اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف اور اصغر سے اکبر کی طرف ترقی ہے۔

ازالہ وہم اس سے کوئی یہ گمان نہ کرے کہ آسمان وعرش اعلیٰ و اعظم ہیں اور زمین ادنیٰ، تو ان کے مکینوں کا مرتبہ بھی ایسے ہوگا بلکہ آسمان وعرش کے مکین سب کے سب زمین کے مکینوں سے افضل ہیں، یہ غلط ہے بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جملہ ملائکہ سے افضل ہیں خواہ وہ عرش کے مکین ہیں یا آسمانوں کے۔

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ جواب دیں گے اللہ تعالیٰ کے لیے۔ للہ کی لام سوال کے معنی پر نظر کرکے مثلاً کہا جاتا ہے من ربہ ولمن ھو کا ایک ہی معنیٰ ہے یعنی رب تعالیٰ اور اس کے لیے ہے یعنی جب کہا جائے من رب ھذا۔ اس کا معنی ہے لمن ھذا یہ کس کے لیے ہے اس کا جواب آئے گا لفلان۔ یعنی فلاں کے لیے ہے۔

قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ○ یعنی تم اس پر عمل کرکے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے نہیں ہو جب تمہیں معلوم ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیوں کرتے ہو اور قیامت کا انکار کیوں کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں اس کا شریک کیوں ٹھہراتے ہو تذکر کو تقویٰ پر مقدم کرنے کی وجہ ظاہر ہے یہ کہ تذکر سے ہی انسان معرفت حاصل کرتا ہے یعنی علم سے ہی انہیں پتا چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچنا لازم ہے۔ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ الید ایک مشہور عضو کا نام ہے جو کندھے سے لے کر انگلیوں تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ گوشت اور ہڈیوں اور عصب سے مرکب ہے اور یہ تینوں صفت مخصوص کے ساتھ الگ الگ جسم نہیں ہوسکتا۔ اس اعتبار سے ید کا معنیٰ مجازی کرنا ضروری ہوگا یعنی یہاں پر ید بمعنے قدرت ہے۔ یہی معنی ہر اس جگہ پر کرنا ہوگا جہاں اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ید کا اطلاق ہوا۔

حدیث شریف: حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ان اللہ خمر طینۃ آدم بیدہٖ"۔

(اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت قاہرہ سے آدم علیہ السلام کا گارا گوندھا)

وہ اس لیے کہ ید (ہاتھ) ایک مخصوص عضو ہے جو چند چیزوں سے مرکب ہے، اور ترکیب حدوث کی دلیل ہے اور حدوث قدم اور ازلیۃ کے منافی ہے اسی طرح اصبعان (دو انگلیوں) کا اطلاق بھی اللہ تعالیٰ کی شان کے منافی ہے۔

حدیث شریف: چنانچہ حدیث شریف میں ہے: ان قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن۔

(مومن کا قلب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے)

اور دو ہاتھوں کا اطلاق آیا ہے۔ کما قال:

لما خلقت بیدی۔

یہ تمام اطلاقات مبنی بر مجاز ہیں کہ ید بمعنے قدرت ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ میں نے آدم (علیہ السلام) کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔

مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ہیں ہر شے کے ملکوت۔ یعنی جو کچھ مذکور ہوا اور جو ہوگا، اور ملکوت بمعنے ملك تام، اور تاء مبالغہ کی ہے۔ امام راغب نے کہا کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر شے کا ایک ملکوت ہے کہ اسی عالم دنیا کے ہر ایک کی روح اسی عالم ملکوت میں ہے عالم دنیا کی ہر شے اسی سے قائم ہے اسی سے ہی ہر شے اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے۔ کما قال:

وان من شئ الا یسبح بحمدہ۔

(نہیں کوئی شے مگر حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرتی ہے)

اور یہی روح اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ گزشتہ آیت کے موافق ہے۔ مثلاً فرمایا جیسے ہر شے کو اللہ تعالیٰ جسم عطا فرماتا ہے اسی طرح اس کی روح بھی اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

تفسیر عالمانہ وَّهُوَ يُجِيْرُ وہی اللہ تعالیٰ پناہ بخشتا ہے جب چاہتا ہے وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اور اسے کوئی پناہ نہیں دیتا۔ یعنی کوئی اسے کسی کی مدد کرنے سے نہیں روک سکتا۔ نصرت کے معنے کو متضمن ہونے کی وجہ سے اس کا صلہ لفظ علیٰ واقع ہوا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وہ قیومیت سے تمام اشیاء کو پناہ دیتا ہے اور جس کو وہ تباہ کرنے کا ارادہ فرمائے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

تفسیر عالمانہ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ اگر تم اسے جانتے ہو تو اس کا مجھے جواب دو سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ وہ کفار اس کے جواب میں یہی کہیں گے کہ جملہ ملکوت اللہ تعالیٰ کے ہیں الخ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ فرمائیے تو پھر کیوں دھوکا و فریب کھا رہے ہو باوجودیکہ تمہیں اپنی گمراہی کا یقین ہے لیکن پھر بھی رشد و ہدایت کی روشنی میں نہیں آتے کیونکہ جو فریب خوردہ اور عقل کا کمزور ہوتا ہے وہ تمہاری طرح نہیں ہوتا۔ انہیں دھوکا میں ڈالنے والا شیطان ہے یا ان کی اپنی خواہش نفسانی ہے

۱ اے کہ پے نفس و ہوٰی می روی
راہ اینست خطا می روی

۲ راہ روان زان رہ دیگر روند
پس تو بدیں راہ چرا می روی

۳ منزلِ مقصود ازان جانب است
پس تو ازیں سو بکجا می روی

ترجمہ: (۱) اے فلاں! تُو نفس و ہوٰی کے پیچھے کیوں جا رہا ہے سیدھی راہ تو اِدھر ہے تُو کہاں جا رہا ہے۔

(۲) تو اُس راہ پہ مت جا جس پر دوسرے گمراہ جا رہے ہیں۔ میں تجھے کہتا ہُوں کہ تُو ان گمراہوں والی راہ پر کیوں جا رہا ہے۔

(۳) منزلِ مقصود تو اِدھر ہے تو اس جانب حق کو ترک کرکے کدھر جا رہا ہے۔

بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ بلکہ ہم نے انھیں توحید اور قیامت میں جی اُٹھنے کا وعدہ دیا ہے وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ○ اور بے شک وُہ جھُوٹے ہیں یعنی شرکیہ کلمات اور قیامت میں اُٹھنے کے انکار میں وُہ جھُوٹے ہیں اور پھر وہ اس غلط طریقے پر ڈٹے ہوئے ہیں اور اپنی سرکشی اور حق سے دُوری پر قایم ہیں حالاں کہ ان کے جملہ اعذار اور علل کا ازالہ کیا گیا ہے۔ پھر جب عذاب میں مبتلا ہو گئے تو اس وقت ان کا عذر قابلِ سماعت نہ ہو گا اور نہ ہی انھیں یہ غلط فہمی ہو کہ یہ چند روز کی مہلت ان کے لیے بقا کا موجب ہے بالآخر اللہ تعالیٰ ان سے بدلہ لے گا کیونکہ مہلت دینا اس کی حکمت ہے اور وہ مہلت دینے پر مجبور بھی نہیں اور نہ اسے کوئی مجبور کر سکتا ہے۔

ف: جناب سقراط نے فرمایا کہ اہلِ دنیا کتاب کی سطروں کی طرح ہیں کہ اوراق گردانی سے ایک سطر کھُل جاتی ہے تو دُوسری بند ہو جاتی ہے۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

قیامت کے جمعات میں سے ایک جمعہ ہے۔ یہ دنیا یعنی اس کی مقدار سات ہزار سال ہے اس سے چھ ہزار سال گزر گئے باقی چند صدیاں رہ گئی ہیں اور اس کی آخری صدی میں اہلِ توحید نہیں ہوں گے یعنی آخری ایام میں تمام سعادت مندفوت ہو جائیں گے اور قیامت بدبختوں پر آئے گی مرنے کے بعد سب کو اٹھایا جائے گا اور ہر ایک سے حساب ہو گا اور ہر ایک کو جزا و سزا دی جائے گی۔

مثنوی شریف میں ہے: ~

۱ خاک را و نطفه را و مضغه را ‏ پیش چشم ما همی دارد خدا
۲ کز کجا آوردمت اے بدنیت ‏ که ازان آید همی خفریقیت
۳ تو بدان عاشق بدی در دور آن ‏ منکر این فضل بودی آن زمان
۴ این کرم چون دفع آن انکار تست ‏ که میان خاک می کردی نخست
۵ حجت انکار شد انشار تو ‏ از دوا بهتر شد این بیمار تو
۶ خاک را تصویر این کار از کجا ‏ نطفه را خصمی و انکار از کجا
۷ چون دران دم بے دل و بے سر بدی ‏ فکرت و انکار را منکر بدی
۸ از جمادے چونکه انکارت برست ‏ هم ازین انکار حشرت شد درست
۹ پس مثال تو چو آن حلقه زنیست ‏ کز درونش خواجه گوید خواجه نیست
۱۰ حلقه زن زین نیست دریابد که هست ‏ پس ز حلقه برندارد هیچ دست
۱۱ پس هم انکارت مبین مے کند ‏ کز جماد او حشر صد فن مے کند
۱۲ چند صنعت رفت از انکار تا ‏ آب و گل انکار زاد از هل اتی
۱۳ آب و گل میگفت خود انکار نیست ‏ بانگ میزد بے خبر کاخبار نیست

ترجمہ : ۱۔ خاک نطفہ و مضغہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں ۔
۲۔ اے بدنیت انسان! میں تجھے کہاں سے لایا ہُوں کہ اس سے تجھے پناہ کیسے ملی ہے۔
۳۔ اس وقت تو اس پر عاشق تھا اس فضیلت کا تو اس وقت منکر تھا۔
۴۔ یہ کرم تیرے کرم کو دفع کرنے سے ہے جو کہ تُونے اس سے پہلے خاک میں انکار کیا تھا۔
۵۔ تیرے انکار کی دلیل تیرا دنیا میں آنا ہے تیرے لیے علاج سے بھی بیمار بہتر ہے ۔
۶۔ خاک کو تصویر (شکل) مل جانا یہ کس کا کام ہے نطفہ کو خصومت اور انکار کیوں ۔
۷۔ جب تو اس وقت بے دل و بے سر تھا تو انکار و فکر کا بھی منکر تھا۔
۸۔ ڈھیلوں سے چونکہ تیرا انکار نجات پا گیا اسی لیے تیرا حشر صحیح اور درست ہو گیا۔
۹۔ تیری مثال عورت کے اس حلقے کی ہے کہ اس کے اندر خواجہ ہو لیکن وُہ کہے کہ خواجہ نہیں۔
۱۰۔ اس ماحول اور سوسائٹی میں ظاہری حسن و جمال کے سوا کچھ نہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ یہاں کھوٹے سکے بھی نایاب نہیں ہیں۔
۱۱۔ ایسے ہی تیرا انکار واضح ہو جائے گا جو ڈھیلہ ہونے کے باوجود سو مکر و فریب کرتا ہے ۔
۱۲۔ انکار سے کئی صنعتیں گئیں هَل اتی کا انکار آب و گل زادے سے ہوا۔
۱۳۔ آب و گل کہتا تھا کوئی انکار نہیں بے خبر ہی آوازیں دیتا تھا کہ ہمیں کوئی خبر نہیں۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰہُ مِنْ وَّلَدٍ نصاریٰ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے اور ان کے بعض فرقے کہتے ہیں کہ ملائکہ کرام اللہ تعالیٰ کی لڑکیاں ہیں۔ ان کے ردّ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی اولاد نہیں بنا رکھی اس لیے کہ اولاد اپنے ماں باپ کی ہم جنس ہوتی ہے اور انھیں ایک دُوسرے سے مماثلت ہوتی ہے اور زن وشوہر کی یک جنسیت سے سلسلۂ توالد وتناسل بڑھتا ہے اور اللہ تعالیٰ جنسیت ومشابہت سے منزّہ اور پاک ہے وَّ مَا کَانَ مَعَہٗ مِنْ اِلٰـہٍ اور اس کے ساتھ کوئی معبود نہیں جو الوہیت میں کوئی شریک ہو یہ بدبخت بت پرستوں کا عقیدہ ہے جو کہا کرتے ہیں کہ بُت وغیرہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں اس میں اس بدعقیدہ گروہ کا رُد بھی ہے جو کہا کرتے ہیں کہ نور کا خالق اور ہے اور ظلمت کا خالق اور۔ اِذًا یہ جواب وجزا پر داخل ہوتا ہے اور اس کا جواب وجزا لَّذَھَبَ کُلُّ اِلٰـہٍۭ بِمَا خَلَقَ ہے یعنی تو اس وقت ہر معبود اپنی پیدا کردہ شے کو لے جائے۔

سوال: شرط کا مضمون تو ہُوا نہیں پھر یہ لذھب کل الٰہ الخ کیسے جزاء وجواب بنا دیا گیا۔

جواب: وما کان معہ الخ میں شرط کا معنی شرط مقدر پر دلالت کرتا ہے دراصل عبارت یوں تھی: لوکان معہ اٰلھۃ الخ یعنی ہر معبود اپنے غیر سے ممتاز ہونے کے لحاظ سے اپنی پیدا کردہ مخلوق علحدہ کر لے لیکن چونکہ یہ معاملہ ہر کس کے سامنے ہے کہ نہ کسی کی کوئی شے پیدا کردہ ہے نہ اسے علیحدہ لے جا سکتا ہے۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ اسی واحد لاشریک کے ساتھ اور کوئی خدا نہیں وہی اکیلا عبادت کا مستحق ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اولاد اور شریک ہونا دونوں اللہ تعالیٰ کے لیے محال ہیں کیونکہ یہ دونوں جنسیت ومماثلت چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دونوں چیزوں سے منزّہ ومقدس ہے اگر ہم مان بھی لیں کہ اس کے ساتھ اور بھی شریک ہیں تو وُہ بھی خالق ہوں گے اور ہر ایک خالق اپنی پیدا کردہ شے کو اپنے قبضے میں رکھتا اس طرح عالمِ دنیا کا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ بداہتہً عالمِ دنیا کا نظام صحیح ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ صرف ایک معبود ہے اور بس ؎

بر وحدتش صحیفہ لاریب حجتست
اینک نوشتہ از شہد اللہ بران گواہ

ترجمہ: اس کی توحید پر صحیفۂ لاریب حجت ہے اور شھد اللہ کی گواہی اس پر گواہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَ لَعَلَا بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ ط اور تو البتہ ان کے بعض بعض پر غالب ہو جائیں گے جیسا کہ دنیا میں بادشاہوں کے درمیان عموماً ہوتا ہے اور وہ واحد لاشریک ہے اس لیے اس کے قبضہ میں ہے ہر شے، اگر اس کے بالمقابل کوئی اور ہوتا تو ضرور اس کا مقابلہ کرتا، وہ مالک مقابلہ کی بات بار بار کرتا ہے لیکن کوئی بھی اس کے مقابلے کے لیے نہیں آتا۔ تو معلوم ہوا کہ اس کا بالمقابل ہے ہی نہیں۔

ف: الاسئلۃ المقحمۃ میں ہے کہ لعلا بمعنے غَلَبَ ہے۔ بعضھم علیٰ بعض سے قوی وضعیف مراد ہیں۔ آیت میں دلیل تمانع ہے وہ یہ کہ اگر دو معبود ہوتے تو ان کے آپس میں علم وقدرت کا امتناع واقع ہوا مثلاً ایک معبود زید کو زندہ رکھنا چاہتا تو دُوسرا اسے مٹانا چاہتا۔ اگر ایک دوسرے کی مصالحت سے قدرت برابر ہو یا قوت آزمائی سے ایک غالب ہو جائے تو پھر ایک معبود نہ رہا۔ یہ ایسے ہے جیسے رسّی کو دو شخص کھینچیں تو لا انتہا فعل ہوگا۔ اگر ایک غالب ہو جائے گا تو مغلوب معبود نہ ہوگا۔ بعینہٖ اسی طرح آیت کا مفہوم ہے۔

سُبْحٰنَ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرو۔ کاشفی نے ترجمہ کیا کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ اور بحر العلوم میں اس کا معنیٰ تنزیہ وتعجب لکھا ہے عَمَّا یَصِفُوْنَ ۙ اس سے جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اس کی طرف اولاد و شرکاء کا اضافہ کرتے ہیں عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ یہ جملہ مجرور ہے اس لیے کہ لفظ اللہ سے بدل ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ وآشکارا کو جانتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم ملک وملکوت اور اجساد وارواح کو جانتا ہے اور غیب کی نسبت بھی ہماری وجہ سے ہے ورنہ اس کے لیے غیب کیسا۔ کیونکہ اس کریم کے لیے غیب وشہادت برابر ہے[1] یہ بھی اللہ تعالیٰ کے شریک کی نفی کی دلیل دیگر ہے بایں معنیٰ کہ جب وہ ان کی غلطی پر انھیں متنبہ فرماتا ہے تو پھر لازماً اس کی توحید کو ماننا پڑے گا۔

تفسیر عالمانہ اسی لیے فرمایا فَتَعٰلٰی پس اللہ تعالیٰ بلند اور منزّہ ہے عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ع اس سے جو اس کے ساتھ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کچھ نہیں جانتے اور نہ ہی اس کے لائق ہے کہ وہ شہادت کو جانیں اس کا منفرد بالذات والصفات ہونا ثابت کرتا ہے کہ وہ شریک سے منزّہ اور پاک ہے۔

ف: دین میں انسان کا شرک کرنا دُو قسم ہے:

(۱) شرکِ عظیم یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک بنانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

اشرک فلان باللہ۔ (فلاں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا)

یہی شرکِ اعظم کفر ہے۔

(۲) شرکِ اصغر، وُہ یہ ہے کہ بعض امور میں غیر اللہ کی رعایت کرنا، جیسے رعایت، منافقت۔

---

[1] اس سے وہابیہ کا رد ہو گیا وہ کہا کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو اگر علمِ غیب ہو گیا تو پھر اسے علمِ غیب کہنا ناجائز ہے۔ اویسی غفرلہٗ

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اس امت میں شرک چیونٹی کے صاف پتھر پر چلنے کی آواز سے بھی پوشیدہ ہے۔

؎

مرائی ہر کسے معبود سازد
مرائی راازاں گفتند مشرک

ترجمہ: ریا کار ہر ایک کو معبود بناتا رہتا ہے اس لیے اسے مشرک کہا جاتا ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

منہ آب زر جان من بر پشیز
کہ صراف دانا نگیرد بچیز

ترجمہ: سونے کا پانی تانبے پر نہ لگا اس لیے کہ صراف اسے کوڑی کے برابر بھی نہ لے گا۔

ف: حضرت یحیٰی بن معاذ نے فرمایا کہ توحید کے لیے نور اور شرک کے لیے نار ہے توحید کا نور موحدین کے سیئات کو جلاکر راکھ بنا دیتا ہے۔ ایسے ہی شرک کی آگ اہلِ ایمان کی نیکیوں کو جلاتی ہے۔

روایت کسی نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ میری نجات کے لیے کون سا بہتر عمل ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکا نہ کرنا۔ اس نے عرض کی کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیسے دھوکا کیا جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دھوکا یہ ہے کہ انسان وُہ عمل کرے جو اس کے حکم کے خلاف ہے اور نیکی کے کام غیر اللہ کو خوش کرے۔

؎

زعمرو اے پسر چشم اُجرت مدار
چو در خانۂ زید باشی بکار

ترجمہ: عمرو سے اُجرت کی امید نہ رکھ جبکہ تُو زید کے گھر کام کرتا ہے۔

ف: جملہ اعمال و عقاید میں بہتر عمل توحید ہے اس لیے کہ اس کی وجہ سے جیسے انسان تو شرکِ جلی سے نجات نصیب ہوتی ہے۔ ایسے ہی شرکِ اصغر سے بھی بچ جاتا ہے۔

سبق انسان پر لازم ہے کہ بقدر استطاعت توحید میں [illegible] رہے اور اسی کے لیے جد و جہد کرے تاکہ صدیقین کی طرح اسے توحید کے درجات نصیب ہوں لیکن شریعت سے بال برابر بھی باہر قدم نہ رکھے۔ نفس کے صفات ذمیمہ سے اجتناب کرے اور اخلاقِ الٰہیہ کے حصول میں ہر وقت لگا رہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو ماسوی اللہ سے منقطع ہو چکے ہیں اور ہر کام رضائے الٰہی کے لیے کرتے ہیں۔

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ○ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ
نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ○ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ○
وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ○ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ○ حَتّٰٓى اِذَا
جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۙ○ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا
كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَا
اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ○ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ○ج تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ
النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ○ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ○ قَالُوْا رَبَّنَا
غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ○ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا
ظٰلِمُوْنَ ○ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ○ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ
اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ○ۚۖ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ
ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ○ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○
قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ○ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ○
قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ
اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ○ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ○ وَمَنْ
يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○
وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ○ع

ترجمہ : اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) دعا کیجئے اے میرے رب اگر تو مجھے دکھا دے جو ان کے ساتھ وعدہ کیا جا رہا ہے اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالموں میں شامل نہ کیجئے اور بیشک ہم قادر ہیں کہ تمہیں دکھا دیں جو ان کے ساتھ ہم وعدہ کر رہے ہیں سب سے اچھی بھلائی سے ان کا دفعیہ کیجئے ہم ان کی ان باتوں کو خوب جانتے ہیں جو یہ بناتے ہیں اور دعا کیجئے اے میرے پروردگار میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کے وسوسوں سے اور تیری پناہ مانگتا ہوں اے میرے رب کہ وہ میرے پاس آئیں یہاں تک کہ ان کے کسی ایک پر موت آ کھڑی ہوتی ہے تو کہتا ہے اے میرے رب مجھے واپس پھیر دیجئے شاید اب میں کوئی نیک عمل کر دوں اس میں جو چھوڑ آیا ہوں ایسا ہرگز نہ ہوگا یہ تو ایک بات جو صرف منہ نکلتا ہے اور ان کے آگے

ایک آڑ ہے اس دن تک جس میں یہ اٹھائے جائیں گے پھر جب صور پھونکا جائے گا تو نہ آپس کے رشتے رہیں گے اور نہ کوئی پرسانِ حال ہوگا سو جس کا پلّہ ہلکا ہوگا سو یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنی جانیں گھاٹے میں ڈالیں اور یہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے اور ان کے چہروں پہ آگ لپٹ مارے گی اور وہ اس میں منہ بگاڑے ہوں گے کیا تم پر میری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں تو تم ان کی تکذیب کرتے تھے کہیں گے اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی اور ہم گمراہ لوگ تھے اے ہمارے رب ہمیں دوزخ سے نکال دے پھر اگر پہلے جیسے کام کریں تو بیشک ہم ظالم ہیں فرمائے گا اس دوزخ میں دھتکارے پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو بیشک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے سو ہمیں بخش دیجئے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے سو تم نے انھیں مذاق بنا لیا یہاں تک کہ اس مشغلہ نے تمہیں میری یاد بھلا دی اور تم ان سے ہنسی مذاق کرتے رہے بے شک آج میں نے انھیں ان کے صبر کی جزا دی کہ وہی کامیاب ہیں فرمایا برسوں کی گنتی کے مطابق زمین پر کتنا عرصہ ٹھہرے جواب دیں گے ایک دن یا اس کا بعض حصّہ ٹھہرے ہوں گے سو گننے والوں سے پوچھ لیجئے فرمائے گا تم دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر تھوڑی مدّت، اگر تمھیں معلوم ہوتا تو کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم نے تمھیں بیکار پیدا فرمایا اور تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے۔ تو بہت برتری والا ہے۔ اللہ بادشہ حقیقی۔ کوئی عبادت کا مستحق نہیں اس کے سوا، وہی عظیم عرش کا مالک ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی عبادت کرے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے ہاں ہے بے شک کافر چھٹکارا نہیں پائیں گے اور اے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) دعا کیجئے اے میرے پروردگار! بخش دیجئے اور رحم فرمائیے اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ رَّبِّ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے اے میرے پروردگار! اَمَّا یہ دراصل اَن ما تھا اور یہ ما تاکید کے لیے ہے جیسے نون تُرِیَنِّیْ میں تاکید کے لیے ہے اگر تو مجھے دکھائے اور واقعی یہی امر مقدر ہو چکا ہے مَا یُوْعَدُوْنَ ۝ وہ عذاب جو جڑ سے کاٹنے والا ہے مشرکین کو۔

ف: الوعد خیر و شر دونوں قسم کے وعدہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے: وعدتہ۔ یعنی میں نے اس سے نفع یا ضرر کا وعدہ کیا۔

رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ اے میرے پروردگار! پس مجھے قوم ظالمین میں نہ بنانا۔

یعنی مجھے ان کے عذاب کا ساتھی نہ بنانا بلکہ مجھے اُن سے صحیح سالم کر کے بچا لینا۔ یہاں پر ظلم سے شرک مراد ہے۔

ف : اس میں تنبیہ ہے کہ کفار کے لیے سخت عذاب مقدر ہے اور خدا ترس انسان کو عذابِ الٰہی سے ہر وقت پناہ مانگنی چاہیے اس لیے کہ جب وہ عام ہوتا ہے تو اس سے نہ بُرا بچتا ہے نہ نیک۔ اس میں ان کے عذاب کی عجلت سے مطالبے کا رد ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان کا مطالبہ ٹھٹھا مخول کی بنا پر ہے۔

مسئلہ : اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عذابِ الٰہی عام ہو تو اس میں نیک بھی پس جاتے ہیں، اور مالک کی مرضی، وہ جیسے چاہے کرے۔ ایسے وقت نیک کا عذاب میں مبتلا ہو جانا اللہ تعالیٰ کا ظلم نہ ہوگا اور نہ اسے قبیح کہا جائے گا۔

وَإِنَّا عَلَىٰٓ أَن نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَٰدِرُونَ ۝ اور ہم آپ کے ساتھ وعدہ کے مطابق عذاب بھیجنے پر قادر ہیں لیکن ہم اسے موخر اس لیے کر رہے ہیں کہ ہمیں معلوم ہے کہ ان میں یا ان کی آنے والی نسلوں میں ایماندار ہیں یا اس لیے کہ آپ ان میں موجود ہیں ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ آپ انھیں احسن طریق سے دفع کیجئے، یعنی حوصلہ اور درگزر سے کام لیجئے السَّيِّئَةَ ؕ اس سے کفار کا ایذا رسانی اور دکھ تکلیف پہنچانا مراد ہے جو گاہے گاہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو ناجائز تکالیف اور پریشانیوں میں مبتلا کرتے تھے۔ یہ ادفع کا مفعول بہ ہے السیئۃ بمعنے قبیح فعل۔ اس کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کفار کے مقابلہ میں وہ اخلاق استعمال فرمائیے جو ہم نے آپ کو عنایت کئے ہیں۔ یعنی ان کے ساتھ رحمت و شفقت سے پیش آیئے اس لیے کہ آپ کریم النفس ہیں وہ جتنا آپ کے ساتھ ظالمانہ رویہ اختیار کریں آپ ان کے ساتھ کریمانہ برتاؤ کریں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ برائی کا بدلہ بُرائی جائز ہے۔ لیکن معاف کر دینا احسن و افضل ہے اسی لیے مشائخ فرماتے ہیں کہ ظلم کا جواب وفا سے دو۔

بعض مشائخ نے فرمایا کہ احسن میں قلب کے معافاۃ اور السیئۃ میں نفس سے مکافات کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی نفس چاہتا ہے کہ بُرائی کا بدلہ بُرائی ہو اور قلب چاہتا ہے کہ مخالف سے درگزر کیا جائے۔ پھر اللہ والا اسی قلب کے منشور پر عمل کرتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہی احسن ہے۔ مشائخ نے فرمایا کہ یہاں پر سالکِ راہِ ہدیٰ کو حکم ہے کہ وہ ظلمتِ خلائق کو نورِ حقائق سے اور حظوظِ نفس کو حقوقِ خدا سے اور طریقِ معرفت میں حوادث کے جنگلات کو قدم سلوک سے طے کرے ؎

چو طے گشت تیہ حوادث از آنجا
بملک قدم راں بیک حملہ محمل

دراں قلزم نور شو غوطہ زن

فرو شوے از خویشتن ظلمت ظل

یکے خواں یکے داں یکے گو یکے جو

سوی اللہ واللہ زور است و باطل

ترجمہ :۔ جب حوادث کے جنگلات طے ہو جائیں تو اپنا سامان ملک قدم میں رکھ دیجئے۔ اس نورانی دریا میں غوطہ لگاتے رہو اور اپنے سے ظلمتِ ظل دھوڈ لیجیے۔ پھر ایک ہی ذات تمہارا مطمحِ نظر ہو بخدا اللہ کے سوا باقی ہر شے جھوٹ اور باطل ہے۔

تفسیر عالمانہ نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَصِفُوۡنَ ۝ ہم ان کی باتوں کو خوب جانتے ہیں جن کی طرف آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً کبھی آپ کو جادوگر، کبھی شاعر اور کبھی مجنون کہتے ہیں۔

الوصف بمعنے شے کو اس کی اصلی شکل وصورت کے ساتھ بیان کرنا۔ وہ کبھی حق ہوتی ہے اور کبھی باطل۔

ف : اس میں کفار کو وعید اور حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلّی دی گئی ہے پھر آپ کو سمجھایا گیا ہے کہ آپ اپنا ہر معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا کریں۔

وَقُلۡ رَّبِّ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے: اے میرے پروردگار! اَعُوۡذُ یہ عوذ سے ہے۔ بمعنے التجاء الی الغیر والتعلق بہ۔ بِكَ مِنۡ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیۡنِ ۝ میں تیرے فضل وکرم کے ساتھ شیاطین کے وساوس سے پناہ مانگتا ہوں۔ یعنی شیاطین کے وساوس گمراہ کنندہ جو ہمیں محاسن سے ہٹا کر برائی کی طرف لے جاتے ہیں۔ منجملہ ان کے یہی ہے جو اوپر مذکور ہوا، یعنی ادفع بالتی ھی احسن الخ

حلِ لغات : الھمز بمعنے النخس اسی لغت سے ہے مھماز الرائض یعنی معلم الدواب۔ الأز کا بھی یہی معنٰی ہے کما قال:

تؤزھم ازا۔

امام راغب نے فرمایا کہ الھمز، العصر بمعنے نچوڑنا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:

ھمزت الشئی فی کفی۔ (میں نے شے کو اپنی ہتھیلی میں نچوڑا)

اور الھمز کا استعمال بھی اسی طرح ہے اور شیطان کے ھمز کو انسان کے جانوروں اور سواریوں کے ہانکنے اور بھگانے سے اس لیے تشبیہ دی ہے کہ جیسے وہ سواریوں اور جانوروں پر ڈنڈا برسا یا چبھا کر انھیں تیز رفتاری اور بھگانے پر اُکساتا ہے ایسے ہی شیاطین انسان کو معاصی وجرائم پر اکساتا ہے۔

ف : ھمز کو جمع کے ساتھ لانے میں یا تو شیطانوں کے بار بار اکسانے کی وجہ سے ہے یا وساوس

کے مختلف انواع کی وجہ سے یا ہمزات کے مضاف الیہ کے متعدد ہونے کی وجہ سے ہے۔

وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ٥ یہ دراصل یحضرونَنِی تھا۔ پہلے ایک نون پھر یاءِ متکلم کو کسرہ پر اکتفار کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ یعنی اے میرے پروردگار! تیرے فضل وکرم کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں کہ وہ شیاطین میرے ہاں حاضر ہو کر میرے کسی حال کے گرد گھومیں۔ مثلاً نماز یا تلاوتِ قرآن مجید یا موت وغیرہ کے وقت کوئی شرارت کریں۔

مسئلہ: حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے ابتداء میں پڑھتے لا الٰہ الا اللہ تین بار، اور اللہ اکبر تین بار۔ اللھم انی اعوذبك من همزٰت الشياطين من همزها ونفثها ونفخها واعوذبك رب ان يحضرون۔ ہمز سے جنون اور نفث سے شعر اور نفخ سے کبر مراد ہے۔

فسوں کا علاج مروی ہے کہ کسی نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے آسیب وغیرہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا، سوتے وقت یہ دعا پڑھا کرو: اعوذ بكلمٰت الله التامات من غضبه وعقابه و من شر عباده ومن همزٰت الشياطين وان يحضرون۔

ف: کلمات اللہ سے وہ کتبِ آسمانی مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام پر نازل کیں۔ یا اللہ تعالیٰ کے صفات مراد ہیں۔ جیسے عزت، قدرت۔ اور انھیں التامات سے موصوف کرنے میں ان کے نقائص وغیرہ سے پاک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

ف: بعض مشائخ نے فرمایا کہ یہ اس کے لیے ہے جو التفات الی غیر اللہ کے مقام پر ہو اور جو اس مقام سے ترقی کر کے بحرِ توحید میں غوطہ زن ہو کہ وہ وجود میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کو نہ دیکھے، تو وہ کہتا ہے اعوذبك منك۔

مسئلہ: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں تشریف لے جاتے تو پڑھتے: اللھم انی اعوذبك من الخبث والخبائث۔

ف: خبث و خبائث سے جنات کے وہ عورت و مرد مراد ہیں جو خباثت سے موصوف ہیں۔

عقیدہ: تمام امت کا اجماع ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں یہاں تک کہ آپ کے ساتھ رہنے والا جن بھی مسلمان ہو گیا تھا یا یہ کہ آپ سے شیطان کے وسوسہ ڈالنے کے مقام کو ختم کر دیا گیا۔

مسئلہ: حضور علیہ السلام کا شیطان وغیرہ سے پناہ مانگنا دوسروں کو شیطان وغیرہ سے پناہ مانگنے کا طریقہ سکھانا ہے۔

ف: شیطان کا کام ہے کہ وہ ہر مرد وعورت کے دل میں وسوسہ ڈالے اور انھیں بدعات سیئہ اور خواہشات میں مبتلا کرے۔

حدیث شریف مع شرح

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
صنفان من اھل النار لم ار ھما ۔ (دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں جنہیں آج میں نہیں دیکھ رہا)

یعنی وُہ لوگ آپ کے زمانۂ اقدس کے بعد پیدا ہوں گے اس لیے کہ آپ کا زمانۂ اقدس مطہر تھا اور ایسے خبیث لوگ آپ کے زمانۂ اقدس کے بعد پیدا ہوں گے ۔

١ - قوم معھم سیاط ۔ ایسے لوگ جن کے ہاتھوں میں چابک ہوں گے ۔

سیاط سوط کی جمع ہے ۔ عرب میں سیاط بمعنے مقارع مستعمل ہے ۔ اور مقارع، مقرع کی جمع ہے یعنی وُہ چابک جس کے اوپر سخت قسم کا چمڑہ درمیانی انگلی کے برابر ہو ۔ اس سے چوروں کو ننگا کرکے مارتے تھے ۔

بعض نے کہا حدیث شریف کے اس جملہ کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ لوگ ظالموں کے دروازوں پر کُتّوں کی طرح چکر کاٹیں گے اور دوسرے لوگوں کو ان کے دروازوں سے مار کر اور گالیاں دے کر بھگائیں گے ۔

٢ - کاذناب البقر یضربون بھا الناس ونساء ۔ یعنی وُہ چابک گائے کے کانوں کی طرح ہوں گے جن کے ساتھ لوگوں کو ماریں گے ۔ یعنی دوسری قسم سے عورتیں مراد ہیں جن کے کوائف یہ ہوں گے ۔ کاسیات بظاہر وہ کپڑے پہنے ہوں گی لیکن درحقیقت عاریات ننگی ہوں گی ۔ یا یں معنی کہ وُہ ایسے باریک کپڑے پہنیں گی جن سے ان کے جسم صاف نظر آئیں گے ۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ وہ تقویٰ کے لباس سے ننگی ہوں گی ۔ اس سے وہ عورتیں مراد ہیں کہ برقعہ پہننے کے باوجود چہرے کھلے رکھیں گی، جیسے آج کل فیشنی رنگ برنگے برقعوں سے عورتیں عام بازاروں، سڑکوں اور شاہراہوں پر پھر رہی ہیں[1] یا اس کا یہ معنیٰ ہے کہ وہ عورتیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے مالا مال ہوں گی لیکن ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں کریں گی ۔ اور شکر کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ان نعمتوں کے مطابق اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت سے محروم ہوں گی جس کی سزا انہیں آخرت میں یہ ملے گی کہ انہیں جنّت کی تمام نعمتوں سے محروم کردیا جائے گا ۔ اور یہ پچھلا معنی صرف عورتوں سے مخصوص نہیں اگر مرد بھی ایسے ہوں گے تو انہیں بھی وہی سزا ملے گی جو مذکور ہوئی ۔ ممیلات وہ عورتیں مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی یا وہ اپنے مونڈھوں اور رانوں کو جھکائیں گی جیسے رقاصاؤں کی عادت ہے ۔ یا ان سے وہ عورتیں مراد ہیں جو سروں اور چہروں سے کپڑے اتار پھینکیں گی تاکہ مرد ان کی طرف مائل ہوں ۔ مائلات مردوں کی طرف میلان رکھنے والی ۔ رؤسھن کاسنمۃ البخت ان کے سر اونٹوں کے کوہان کی طرح ہوں گے ۔ یعنی وُہ اپنے سروں پر دوپٹے اور کلاہ کچھ ایسے طریق سے رکھیں گی تاکہ ان کے سر کوہان کی طرح نظر آئیں ۔ یا سر کو اوپر کرکے چلیں گی تاکہ مرد انھیں دیکھیں ۔ ان کے سروں کو کوہان سے تشبیہ دینے کی وجہ ظاہر ہے کہ کوہان اپنے کثرتِ گوشت کی وجہ سے کبھی ادھر ہوتا ہے کبھی اُدھر ۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ایسے ہی ان کی چال ڈھال کا حال ہے۔ لاید خلن الجنۃ ولا یجدن ریحھا وان ریحھا لتوجد من مسیرۃ کذا وکذا۔ ایسی عورتیں بہشت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ ہی اس کی خوشبو سونگھیں گی حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے سونگھی جائے گی۔

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ۔ حتّٰی یہ وہ لفظ ہے جس سے کلام کی ابتدا کی جاتی ہے جملہ اسمیہ پر داخل ہوتا ہے۔ اور اس معنے کے ساتھ ماقبل کے لیے غایت ہے اور یصفون کے متعلق ہے۔ یعنی ایسے لوگ بُرے ذکر پر رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کے کسی ایک کی موت آتی ہے درانحالیکہ وہ کفر پہ ہوتے ہیں اور موت سے بھاگنے کا انہیں کوئی چارہ نہیں ہوگا اور پھر موت کے بعد احوالِ آخرت خود دیکھ لیں گے قَالَ اس کوتاہی پر کہیں گے جوان سے ایمان وعمل کے متعلق سرزد ہوئی ہے رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ اے میرے پروردگار! مجھے دنیا کی طرف لوٹاؤ۔ یہ واؤ تعظیم مخاطب کے لیے ہے اس لیے کہ اہلِ عرب کی عادت ہے کہ معظم الشان شخصیت کو صیغۂ جمع سے خطاب کرتے ہوں۔

ف : اس میں رد ہے ان لوگوں کا جنہوں نے لکھا ہے کہ غیر متکلم کے صیغہ پر جمع کا اطلاق غیر فصیح ہے جب وہ کافر پھر دنیا کی طرف لوٹنے کی تمنا کرے گا تو اس سے پوچھا جائے گا کہ کیا دنیا میں جاکر مال جمع کرے گا یا باغ لگائے گا یا عمارتیں تیار کرے گا یا نہریں کھودے گا۔ اس کے جواب میں کہے گا:

لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ امید ہے کہ میں عمل صالح یعنی توحید کی گواہی دوں گا اس میں جسے میں نے چھوڑا ہے یعنی دنیا میں جاکر نیک اور پکا موحد بن جاؤں گا۔ ایمان کے بجائے عمل صالح کا ذکر اس طرف مشیر ہے کہ اعمالِ صالحہ میں تو رجاء وغیرہ کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایمان میں تو حتمی اور لازمی بات ضروری ہے۔ جلالین میں بھی یہی معنی لکھا ہے جو ہم نے اوپر عرض کیا۔

ف : بعض نے لکھا کہ یہ خطاب ملک الموت اور ان کے خدام کو ہے اور رب تعالیٰ کا ذکر قسم کے لیے ہے (کذا فی تفسیر الکبیر) پہلے اس نے اللہ تعالیٰ سے پھر ملائکہ سے مدد چاہی (کذا فی الاسئلۃ المقحمۃ) اور حضرت کاشفی نے لکھا کہ امام ثعلبی اور دیگر جماعتِ مفسرین نے لکھا کہ یہ خطاب ملک الموت اور ان کے خدام کو ہے۔ پہلے اللہ تعالیٰ سے استعانت کی گئی ہے پھر ملائکہ کرام سے۔ اس تفسیر کی تائید حدیث شریف سے ہوتی ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لعلی اعمل صالحا فیما ترکت۔

جب مومن ملائکہ کو دیکھتا ہے تو ملائکہ اسے کہتے ہیں کہ ہم تجھے دنیا کی طرف لوٹاتے ہیں وہ کہتا ہے وہی دنیا جو دار الھم و الاحزان ہے بلکہ اگر مجھے کہیں لے جانا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں لے جاؤ۔ اور جب کافر فرشتوں کو دیکھتا ہے تو کہتا ہے۔

مجھے دنیا میں لوٹاؤ۔

ف : بعض نے کہا کہ فیما ترکت سے فیما قصرت مراد ہے۔ یعنی وہ اعمال جن میں میں نے کوتاہی کی یعنی عبادات بدنیہ و مالیہ اور حقوق العباد و الالٰہیہ۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہی معنی اقرب ہے۔ وہ اس لیے کہ انھوں نے دنیا کی طرف لوٹنے کا ارادہ بھی اسی لیے ظاہر کرنا ہے تاکہ وہ اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کر سکیں۔

ف : فقیر (صاحب روح البیان) کہتا ہے کہ میرے نزدیک عمل صالح سے وہی عمل مراد ہے جو ایمان کے ساتھ ہو کیونکہ ایمان کے بغیر عمل صالح کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو لیکن درحقیقت وہ عمل فاسد اور خبیث ہے کیونکہ عمل صالح کو کفر خراب اور گندا بنا دیتا ہے۔ اسی لیے جب وہ موت کے بعد اپنی کیفیت دیکھے گا تو عرض کرے گا کہ مجھے دنیا کی طرف لوٹاؤ تاکہ میں اپنے اعمالِ صالح ایمان کے دائرے میں حاصل کروں۔

ف : امام قرطبی نے لکھا کہ یہ دُنیا کے رجوع کی آرزو کافر سے مخصوص نہیں بلکہ مومن و کافر دونوں کو شامل ہے۔

تفسیر صُوفیانہ حقائق البقلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ قاعدہ بتایا ہے کہ جو شخص بلند مراتب سے گرتا ہے وہ کبھی عالی درجات کو نہیں پہنچ سکتا اور جو اپنی ابتدائی زندگی میں مراقبات سے محروم ہے وہ کبھی غایات میں مشاہدات و معاینات کو حاصل نہیں کر سکتا۔ دُنیوی نقش و نگار کے عشاق اور مال و دولت کے محب موت کے وقت یہی آرزو کریں گے جو اوپر مذکور ہوئی۔ اگر کسی خوش قسمت کے اوقات غفلت عن الطاعات سے بسر نہیں ہوئے اور مخالفاتِ الٰہی میں وقت ضائع نہیں کیا اور نہ ہی دیگر خرابیوں کا شکار ہوا تو اسے اللہ تعالیٰ کی طاعت نصیب ہوگی اور غلط دعووں سے بچ جائے گا اور اس کا قال حال بدل جائے گا۔ یاد رکھیے کہ دنیا ایک عظیم فتنہ ہے اس میں ہزاروں کی تباہی ہوئی کسی خوش قسمت کے معاملات صحیح ہوئے اور قرب الٰہی نصیب ہوا اور مقام امن حاصل کر سکا جس نے بھی طریقۂ حق چھوڑا وہ تباہ و برباد ہوا بلکہ بہت بڑے خوف میں پڑا۔ پھر بھلائی کی تمنا کرے گا تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا : ؎

کارے کنیم ورنہ خجالت بر آورد
روزے کہ رخت جاں بجہاں دگر کشیم

ترجمہ : ہمیں کوئی کام کرنا چاہیے ورنہ اس وقت شرمسار ہوں گے جب اس جہاں سے رختِ سفر باندھیں گے۔

اور حضرت خجندی نے فرمایا : ؎

علم و تقویٰ سربسر دعولیست و معنی دگر است
مرد معنی دیگر و میدان دعویٰ دیگر ست

ترجمہ: علم و تقویٰ صرف دعویٰ ہے ورنہ حقیقت کچھ اور ہے۔ مرد معنیٰ کوئی اور ہے ورنہ دعویٰ کا میدان تو عام ہے۔

تفسیر عالمانہ كَلَّا ط طلب رجعت سے جھڑکی اور اسے بعید از امکان طبعی بتایا گیا ہے۔ یعنی تم دنیا میں ہرگز ہرگز نہیں لوٹائے جاؤ گے إِنَّهَا بے شک ان کا کلمہ رب ارجعون كَلِمَةٌ منتظم کلام کے ایک ٹکڑے کو کلمہ کہا جاتا ہے۔ هُوَ ان کا ایک قَآئِلُهَا ط موت کے وقت کہے گا جبکہ اس پر حزن کا تسلط ہوگا اور اس کی تمنا پوری نہ ہوگی وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ وراء بروزن فعال، اس کا ہمزہ لام کے مقابلہ میں ہے یعنی سیبویہ کے نزدیک یہ ہمزہ اصل ہے۔ اسی طرح ابو علی فارسی نے کہا ہے۔ اور عام اہل نحو کہتے ہیں کہ یہ ہمزہ لام سے مبدل ہے اور یہ ظروف مکان سے ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کے پیچھے اور جمع کا صیغہ باعتبار معنیٰ کے ہے اس لیے کہ ان ہر ایک کا ایک حکم ہے اور قال اور دیگر صیغوں میں مفرد کا اس کے لفظ کے اعتبار سے ہے بَرْزَخٌ ان کے اور ان کی رجعت کے درمیان ایک آڑ ہے۔ اس سے قبر مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات النجمیہ میں ہے کہ اس سے ایک اور عالم مراد ہے جسے عالم مثال سے تعبیر کرتے ہیں اور وہ اس دنیا کے عالم اور آخرت کے مابین بمنزلہ برزخ کے ہے۔

تفسیر عالمانہ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○ اس سے قیامت مراد ہے اس میں انھیں رجعت دنیا سے کُلّی طور ناامید کیا گیا ہے اس لیے کہ قیامت میں پہنچنے کے بعد دنیا کی طرف لوٹنا بالکل ممتنع ہے البتہ اب کی رجعت الی الآخرۃ ہے اور وہ ہونی ہے اور ہوگی۔ فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ پس جبکہ قیامت میں نفخ صور ہوگا اس سے نفخ ثانیہ مراد ہے اسی وقت سے تمام بندے قیامت میں حساب و کتاب کے لیے اٹھائے جائیں گے اور نفخ ایک ہوا کا نام ہے جو کسی شے میں پھونکا جائے اور صور قرن کی طرح ہوگا جس میں اسرافیل علیہ السلام پھونک ماریں گے۔ اسی پھونک کو اللہ تعالیٰ ارواح کو اجسام میں لوٹنے کا سبب بنائے گا۔ فَلَآ أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ تو اس دن آپس میں ایک دوسرے کی نسبتیں ختم ہو جائیں گی۔ اس لیے کہ وہاں حیرۃ و دہشت سے رحمت و شفقت اُٹھ جائے گی یہاں تک کہ نہ ماں بیٹے کی، نہ بیٹا باپ کا، نہ عورت شوہر کے کام آئے گی اور نہ اولاد امداد کرے گی۔

ف: نسب دو شخصوں اور اس سے زائد کے درمیان قرابت کا نام ہے وہ یا تو ماں باپ کی جانب سے ہوتی ہے یہ دو قسم ہے:

۱۔ طولاً۔ جیسے آباء اور ابناء کے مابین قرابت۔

۲۔ عرضاً۔ جیسے بھائیوں اور بنو اعمام کے درمیان قرابت داری۔

یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اس وقت وہ نسب ختم ہوگا جس پر تم ایک دوسرے پر فخر کرتے ہو۔

یَوْمَئِذٍ آج کی طرح اس دن یہ رشتہ داریاں نہیں رہیں گی وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ○ ایک دوسرے کے تعلقات نہیں پوچھیں گے۔ مثلاً یہ نہ پوچھا جائے گا من انت (تو کون ہے؟) من ای قبیلہ ونسب انت (مجھے کسی قبیلہ اور نسب سے تعلق ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس لیے کہ ہر ایک نفسی نفسی پکارے گا اور شدتِ ہول کا یہ عالم ہوگا کہ اس وقت ایک دوسرے کو پہچان بھی نہیں سکیں گے پھر ایک دوسرے کا حال کس طرح پوچھیں گے! دُنیا میں یہی ہوتا ہے کہ جب دُکھ اور درد بڑھ جاتا ہے تو آل اولاد کی خبر نہیں رہتی۔

سوال : یہ آیت دُوسری آیت فاقبل بعضھم علیٰ بعض یتساءلون کے منافی ہے کیونکہ دوسری آیت میں ایک دوسرے سے سوال کرنے کا بیان ہے۔

جواب : یہ دوسری آیت کا سوال حساب وکتاب کے بعد ہوگا۔ نیز سب کو معلوم ہے کہ قیامت کا دن بہت طویل ہوگا۔ مروی ہے کہ وہاں پچاس مجلسیں ہوں گی اور ہر مجلس ایک ایک ہزار سال کی ہوگی۔ ہر مجلس میں سختی اور شدت بڑھ کر ہوگی۔ بعض مجلسوں کی شدت اور گھبراہٹ سے ایک دوسرے سے بے خبر ہوں گے اور بعض مجلسوں میں افاقہ پائیں گے تو ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

حدیث شریف ۱ شعبی رحمہ اللہ تعالیٰ سے مروی ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا قیامت کا دن سخت ہوگا جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا انساب بینھم الخ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں تین مقامات ایسے ہیں جہاں ہر ایک کے ہوش اُڑ جائیں گے:

۱۔ جب ہر ایک کا عمل نامہ ہاتھ میں دیا جائے گا۔

۲۔ وزنِ اعمال کے وقت۔

۳۔ پُل صراط پر۔

حدیث شریف ۲ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں مرد وعورت کا ہاتھ پکڑ کر برسرِ میدان ہر ایک کو کہا جائے گا کہ یہ فلاں بن فلاں ہے جس کا ان میں سے کسی پر حق ہو تو اسے میدان میں لایا جائے۔ اس سے وہ مرد یا عورت خوش ہوگا کہ میرے والد میری ماں اور میری اولاد اور میری عورت یا مرد اور میرے بھائی بہنوں پر حقوق ہوں گے لیکن اعلان ہوگا کہ آج نسب سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

ف : حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قیامت میں انسان کو مبغوض ترین بات محسوس ہوگی آج کوئی

اسے اپنا رشتہ دار ظاہر کرے۔ اس کے بعد یہ آیت یوم یفر المرء الخ پڑھی۔

مسئلہ: حضرت محمد بن علی ترمذی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ قیامت میں تمام انساب ختم ہو جائیں گے۔ صرف وہ نسب باقی رہے گا، اس سے وہ نسبت مراد ہے جو عبودیت الٰہی کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ منسلک ہوگی کیونکہ یہ نسبت کبھی منقطع نہ ہوگی اور اس نسبت پر جتنا فخر کیا جائے کم ہے (یہی نسبت ہم فقیروں قادریوں، چشتیوں، اویسیوں، نقشبندیوں، سہروردیوں کو نصیب ہوئی ہے) لیکن آبا، امہات اولاد کی نسبت منقطع ہو جائے گی (سوائے سادات کے)[1]

حکایت حضرت اصمعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں چاندنی رات میں کعبہ معظمہ کا طواف کر رہا تھا کہ اچانک میں نے ایک نہایت غمگین و حزین آواز سنی۔ میں طواف چھوڑ کر اس آواز کی طرف چلا گیا۔ چل کر دیکھا کہ ایک حسین نوجوان کعبہ معظمہ کے پردوں سے لٹکا ہوا کہہ رہا تھا: یا اللہ! اس وقت لوگ سو گئے اور ستارے اپنی تابانی سے رہ گئے تو ہی مالک حی قیوم ہے دنیا کے بادشاہوں نے دروازے بند کر دیے اور ان کے دروازوں پر نگران پہرے دار کھڑے ہیں اور انہوں نے گداگروں سے ڈرتے ہوئے پردے لٹکا دئے ہیں لیکن تیرا دروازہ ہر سائل کے لیے ہر وقت کھلا ہے اس لیے میں تیرے دروازے کا سائل ہوں اگرچہ گنہگار اور فقیر اور مسکین اور قیدی ہوں تاہم تیری رحمت کا امیدوار ہوں اس لیے کہ تو ارحم الراحمین ہے۔

اس کے بعد یہ اشعار پڑھے: ؎

۱ یا من یجیب دعاء المضطر فی الظلم
یا کاشف الضر والبلوی مع القسم

۲ قد نام وفدی حول البیت وانتبھوا
وانت یا حی یا قیوم لم تنم

۳ ادعوك ربّی و مولای و مستندی
فارحم بکائی بحق البیت والحرم

۴ انت الغفور فجد لی منك مغفرۃ
او اعطف عنی یا ذا الجود والنعم

۵ ان کان عفوك لا یرجوہ ذو جرم
فمن یجود علی العاصین بالکرم

ترجمہ: ۱۔ اے وہ ذات جو اندھیروں میں سب کی سنتی ہے، اسے دکھ درد ٹالنے والے رب!

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

۲۔ میرے تمام ساتھی میرے گھر اردگرد سوگئے اور تو حیّ وقیوم نہیں سوئے گا۔
۳۔ اے پروردگارِ عالم! مَیں تجھے پکار رہا ہُوں تُو میرا مولا و سہارا ہے میرے رونے پر رحم فرما تجھے واسطہ ہے بیت اللہ اور حرم کا۔
۴۔ تُو غفور ہے مجھ پر مغفرت کی عطا فرما یا مجھے معاف فرما دے اے سخاوت اور الفت والے!
۵۔ اگر مجرم تیری معافی کی امید نہ رکھے تو فرمائیے تیرا کرم عاصیوں کے سوا اور کن پر ہوگا!

اس کے بعد آسمان کی طرف سر اٹھا کر اس نے عرض کی: یا الٰہی و سیّدی و مولائی! اگر میں اطاعت کرتا ہُوں تو بھی تیری منت و احسان ہے۔ اگر میں نافرمانی کروں تو وہ میری جہالت ہے اور تیرے لیے مجھ پر حجت اور تیری حجت میرے ہاں موجود۔ میرے حال پر رحم فرما اور میرے گناہ بخش دے اور مجھے میرے دادا میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور اپنے حبیب اور اپنے صفی اور اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مجھے محروم نہ فرما۔

اس کے بعد مندرجہ ذیل اشعار پڑھے: ؎

۱ الا ایها المأمول فی کل شدة
الیك شکوت الضر فارحم شکایتی
۲ الا یا رجائی انت کاشف کربتی
فهب لی ذنوبی کلها واقض حاجتی
۳ فزادی قلیل ما اراه مبلغی
علی الزاد ابکی ام لبعد مسافتی
۴ اتیت باعمال قباح ردیئة
وما فی الوریٰ خلق جنی کجنایتی

۱۔ اے وہ ذات جو ہر سختی میں کام آتی ہے، میں نے اپنے دکھ کا تجھ سے شکوہ کیا ہے تو میری شکایت پر رحم فرما۔
۲۔ اے میری امیدگاہ! تُو ہی میرے غم ٹالتا ہے میرے تمام گناہ بخش کر میری ضرورت پوری کر دے۔
۳۔ میرا زادِ راہ قلیل ہے اس سے میں منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکوں گا، اب میں زادِ راہ کو روؤں یا سفر کی طویل مسافت کو۔
۴۔ تیرے ہاں گندے اور ردی گناہ لے کر آیا ہُوں اور دُنیا میں مجھ جیسے اور کسی کے گناہ نہ ہوں گے۔

یہ اشعار پڑھتے پڑھتے وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ میں نے قریب جا کر دیکھا تو وہ امام زین العابدین علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب تھے۔ میں نے فوراً انھیں اٹھا کر اپنی گود میں لے لیا اور ان کے رونے پر خُوب رویا، یہاں تک کہ میری

آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوان کے چہرۂ اقدس پر پڑے تو اُنھوں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا اور فرمایا : کون ہے تو؟ مجھے اپنے محبوب مشغلہ سے روکا ۔ میں نے عرض کی : یا سیدی ! میں آپ کا غلام اصمعی ہوں، اور عرض کی : حضرت ! اتنی جزع فزع کیوں، جبکہ آپ خاندانِ نبوت اور معدنِ رسالت سے ہیں ۔ آپ حضرات کے بارے میں ہے انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا ۔ یہ سن کر سیدھے ہو بیٹھے اور فرمایا : اے اصمعی ! یہ کیا کہا، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بہشت اپنے مطیعین کے لیے پیدا فرمائی ہے اگرچہ وہ حبشی غلام ہوں ۔ اور دوزخ اپنے نافرمانوں کے لیے پیدا فرمائی ہے اگرچہ وہ بادشاہ اور قریشی ہوں ۔ کیا تو نے نہیں سنا : فاذا نفخ فلا انساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون ۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جب نفخۂ عنایت ربوبیت قلب کے صور میں پھونکا جاتا ہے تو قیامت قایم ہوجاتی ہے اور جملہ اسباب منقطع ہوجاتے ہیں تو بندہ کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، نہ آل کی طرف نہ اولاد کی طرف بلکہ جملہ خاندان اور تمام رشتے ناطے چھوڑ کر حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اسے ہر وقت بحرِ محبت میں استغراق رہتا ہے ۔ وہ ان کے اسباب دنیا سے بالکل فارغ ہوجاتا ہے ۔ نہ وہ اہل وعیال کی خبر رکھتا ہے نہ اوطان و املاک کی ۔ اسی طرح جملہ سالکین راہِ ہدا کا حال ہے کہ جب وہ اس حال کو پہنچتے ہیں تو ان کی نرالی شان ہوتی ہے اور وہ اسی میں مستغرق ہوتے ہیں انہیں مطالبہ غیر سے غرض نہیں ہوتی وہ طلبِ حق میں مستغرق رہتے ہیں ۔

تفسیرِ عالمانہ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۔ موازین سے موزونات مراد ہیں یعنی تولی ہوئی نیکیاں ۔ عقاید و اعمال دونوں مراد ہیں ۔ اب معنی یہ ہُوا کہ جس کے عقاید صحیحہ اور اعمال صالحہ ہوں گے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں تُلے ہُوئے اور مقدر ہیں ۔ اور موازین بمعنے موزونات یعنی ان کے اعمال کا اللہ تعالیٰ کے ہاں وزن وقدر ہے اور وہ قیامت میں حاضر کیے جائیں گے (اس کے متعلق تفصیل سے ہم نے سورۂ اعراف میں لکھا ہے) فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وہی لوگ کامیاب ہوں گے ہر مطلوب پر اور ہر پریشان کن امر سے نجات پانے والے ہوں گے ۔

ف : لفظ مَن لفظاً واحد اور معنیٰ جمع ہے اسی لیے اس کے لفظ کا اعتبار کر کے اس کے بعض ضمائر مفرد اور بعض جمع ہیں ۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ اور جس کے عقاید و اعمال کا اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر و وزن ہو گا ۔ اس سے کافر مراد ہے ۔ چنانچہ اس کا معنیٰ اللہ تعالیٰ نے خود متعین فرمایا :

فلا نقیم لھم یوم القیٰمة وزنا ۔

فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یعنی یہی لوگ وہ ہیں جنھوں نے نفوس کی استکمال کے وقت انھیں ضائع کر دیا اور وہ استعداد جس نے ان کے کمال کو حاصل کرنا تھا اسے اُنھوں نے باطل کر دیا۔

ف : الخسر و الخسران بمعنے سرے سے اصل مال کا نقصان ہو جانا۔ (کذا فی المفردات)

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ یہ وہ گروہ ہے کہ اُنھوں نے اپنی زندگی کا سرمایہ بادِ غفلت سے برباد کر دیا اور حصول کمال کی استعدادات کو نفس کی آرزو اور شہوات کی متابعت سے ضائع کر دیا۔

فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚ یہ صلہ سے بدل اور اولٰئِك کی دُوسری خبر ہے۔

تفسیر صُوفیانہ

انسان اس انڈے کی طرح ہے جس میں مرغی کے تصرف کی ولایت اور اس سے بچے پیدا ہونے کی استعداد ہے۔ جب تک مرغی اس میں تصرف نہیں کرے گی اس میں وہ استعداد باقی رہے گی جب اس میں تصرف ہو گا اور وہ اپنی اس حالت سے متغیر ہو جائے گا یعنی وہ کیفیت جس سے انڈے سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد تصرف منقطع ہو جائے گا۔ یعنی جب انڈے میں فساد آ جائے گا اس کے بعد اس میں نفع بخش نہ ہو گا۔ کیونکہ اس کی استعداد ختم ہو گئی۔ اسی لیے مشایخ نے فرمایا :

طریقت کا مرتد شریعت کے مرتد سے بدتر ہے۔

فی جہنم خٰلدون ایسے بے ایمان نفس ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور وہ اپنی فرو خیتہ والی استعداد سے خارج نہیں ہوں گے اور استعداد کے فساد کے بعد اللہ تعالیٰ اصلاح نہیں فرماتا۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ آنرا کہ زمیں کشد درون چوں قارون

نے موسیش آورد بروں ہارون

۲ فاسد شدہ راز روز کار و ارون

لایمکن ان یصلحہ العطارون

ترجمہ[۱] : جسے زمین قارون کی طرح اپنے اندر کھینچ کے لے جائے اسے نہ موسیٰ علیہ السلام باہر کھینچے ہیں نہ ہارون علیہ السلام۔

(۲) زمانہ میں فاسد شدہ راز کو عطار بھی درست نہیں کر سکتے۔

تفسیر عالمانہ

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ان کے چہروں کو جہنم کی آگ جلائے گی۔ مثلاً کہا جاتا ہے، لفحتہ النار بحرھا بمعنے احرقتہ۔ یعنی آگ نے اسے اپنی گرمی سے جلا دیا۔ (کذا فی القاموس) لفح و نفح ایک شے ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ لفح میں بہت زیادہ تاثیر ہوتی ہے۔ (کذا

فی الارشاد وغیرہ) اور چہروں کی تخصیص صرف شرافت کی وجہ سے ہے اور اس لیے کہ انسان ایسے وقت چہرے کے بچاؤ کی زیادہ جد و جہد کرتا ہے۔ اس سے انسان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ معاصی سے کنارہ کش رہے تاکہ جہنّم کی آگ کا مستحق نہ بنے اور طریقہ بھی یہی اختیار کیا گیا یعنی چہرے کا ذکر کر کے انسان کو زجر و توبیخ کی گئی اسی لیے فاعل سے مفعول مقدّم لایا گیا وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ○ آگ کی سخت جلن سے وہ اس میں منہ چڑانے والے ہوں گے۔ الکلوح بمعنے دانتوں سے ہونٹوں کو علٰحدہ کرنا جیسے بکری وغیرہ کے سر کو بھوننے کے بعد ہونٹ جل جاتے ہیں تو دانت کھلے رہ جاتے ہیں۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عتبہ غلام کی توبہ کا یہ سبب ہوا کہ وہ بازار سے گزرا ایک بکری کے بھُنے ہوئے سر کو تنور سے باہر نکال کر رکھتے ہوئے دیکھا تو مسلسل تین رات بیہوش رہا۔

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن آگ پہلے ان کے چہروں کو جلائے گی تو ان کے اوپر والے ہونٹ کو جلاتی ہوئی سر کے درمیان پہنچے گی اور نیچے والے ہونٹ جل کر ناف تک لڑھک آئیں گے۔ (نعوذ باللہ من النار ولفحها)

پھر انہیں تحقیراً و توبیخاً و تذکیراً کہا جائے گا کہ تم اس عذاب کے مستحق ہو جس میں تمہیں مبتلا کیا جا رہا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُم بِهَا تُكَذِّبُونَ ○ کیا تمہارے ہاں ہمارے آیات نہیں آئے اور تم پر دُنیا میں ہمارے یہی آیات پڑھے نہیں گئے تھے جن کی تم تکذیب کرتے تھے قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا کہیں گے اے ہمارے پروردگار! غالب ہو گئی ہمارے اوپر ہماری بدبختی جسے ہم نے اپنے بُرے اختیار سے اپنایا جس نے ہمیں آج یہی بُرے دن دکھلائے۔

ف : امام قرطبی نے فرمایا کہ شقوۃ سے یہاں لذات و خواہشاتِ نفسانی مراد ہیں اس لیے کہ یہی لذات و خواہشات ایسی بدبختی کے سبب بنے۔

اور ابو تراب نے فرمایا کہ شقوۃ سے نفس کے ساتھ حسنِ ظن اور خلق سے سوءِ ظن مراد ہے۔

وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ○ اور اسی سبب سے ہوئے ہم بھٹکے ہوئے، اسی لیے ہم تکذیب و معاصی و جرائم کے مرتکب ہوئے رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْهَا فَإِنْ عُدْنَا فَإِنَّا ظَالِمُونَ ○ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اس سے نکال دے اس کے بعد اگر ہم دوبارہ غلطی کریں تو ہم بڑے ظالم ہوں گے۔ یعنی اپنے نفسوں پر ظلم کر کے حد سے تجاوز کرنے والے ہوں گے۔ قَالَ اللہ تعالیٰ انہیں قہر و جلال سے فرمائے گا اخْسَئُوا فِيهَا جہنم میں خاموشی سے پڑے رہو اور ذلت و خواری تمہارا مقدر ہو چکی ہے تمہارے لیے یہاں سوال کرنے کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ یہ جھڑکی انہیں اس طرح دی گئی جیسے کتوں کو جھڑکا جاتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

خسأت الکلب۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کُتّے کو ذلت کے طور جھڑکا جائے۔ فخسأ پس وُہ کُتا جھڑکی پر ہٹ گیا۔

وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ○ اور جہنّم سے نکلنے اور دنیا میں دوبارہ جانے کی مجھ سے بات مت کرو کیونکہ تمھیں ہمیشہ کے لیے جہنم میں ہی رکھا جائے گا اِنَّهٗ یہ زجر اور دُعا مذکورہ کی تعلیل ہے یعنی شان یہ ہے كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِىْ میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا یعنی اہلِ ایمان يَقُوْلُوْنَ دنیا میں کہتے تھے رَبَّنَآ اٰمَنَّا اے ہمارے پروردگار ہم نے تیری اور تیرے ہاں سے آئے ہُوئے جملہ احکام کی تصدیق کی فَاغْفِرْ لَنَا ہمارے گناہ بخش دے ، وَارْحَمْنَا اور ہمارے حال پر رحم فرما اور ہمیں اپنی جملہ نعمتوں سے نواز ، منجملہ ان کے بہشت کا دخول اور جہنم سے نجات بھی ہے وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۚۖ تو خیرالراحمین ہے اس لیے کہ تیری رحمت تمام رحمتوں کا سرچشمہ ہے فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا اور اے کافرو! تم ان کے ساتھ ٹھٹھا مخول کرتے تھے۔ فلہٰذا اب دُعا مانگنے یعنی ربنا اخرجنا الخ کہنے سے باز آجاؤ اس لیے کہ تم دنیا میں مجھ سے دعا مانگنے والوں (اہلِ ایمان) سے مسخری کرتے تھے۔ جب وُہ کہتے ربّنا اٰمنّا الخ تو تم اپنے مشغلہ میں مشغول رہتے حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ بھلا دیا تمہیں یعنی تمہارا ٹھٹھا مخول اتنا زبردست تھا کہ تم کو اس مشغلہ میں یاد نہ رہا ذِكْرِىْ میرا ذکر، اور میرے ہاں یہی حاضری اور میری طاعت اور میرا خوف تمہارے دلوں سے اُٹھ گیا جبکہ تم ٹھٹھا مخول میں منہمک رہے وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ○ اور تم ان پر خُوب ہنستے تھے۔ یہ ان کے استہزاء کی انتہا تھی۔

شانِ نزول حضرت مقاتل نے کہا کہ یہ آیت حضرت بلال و عمار و سلمان و صہیب اور ان جیسے اور غریب لوگوں کے حق میں نازل ہُوئی۔ جب کفارِ مکہ جیسے ابوجہل و عتبہ و ابی بن خلف اور ان جیسے اور بڑے دنیادار و سرمایہ دار ہنستے اور ان کے اسلام پر پھبتیاں کستے اور انھیں ایذا دیتے تھے۔

اِنِّىْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا آج میں نے انھیں جزا دی ہے ان کے اس صبر پر جو انھوں نے تمھارے ایذا پہنچانے پر کیا۔ صبر یعنے نفس کو شہوات سے روکنا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ یہ جزیتھم کا مفعول ثانی ہے یعنی میں نے انھیں بہشت میں داخل ہونے کی جزا بخشی اور ان کی جملہ مرادیں پُوری کیں اور وہی اس جزا کے ساتھ مخصوص ہیں اور اے کافرو! تم محروم۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ یہ سلوک کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے کہ اہل اللہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے دیدار پُرانوار اور اس کے مشاہدات سے لذت پائیں گے ایسے ہی کفار دیکھ کر بھی فرحت و سرور محسوس کریں گے اور بدبخت کفار جس طرح جہان میں انھیں دیگر سزاؤں سے دُکھ اور تکلیف پہنچے گی ایسے ہی اپنے ناصحین مرشدین کے استہزاء کی سزا کا اضافہ ان کے لیے اور جان لیوا

ثابت ہوگا۔

تفسیر عالمانہ قٰلَ جب اُنھوں نے دنیا کی طرف رجوع کا سوال کیا تو انھیں تذکیر کے طور پر فرمایا جبکہ انھیں پہلے تنبیہ فرمائی کہ دنیا کی طرف لوٹنا محال ہے: کما قال:

اخسئوا فیہا ولا تکلمون۔

لیکن یہ تو بتاؤ کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ زمین پر کتنا عرصہ ٹھہرے رہے ہو یعنی جس دن کی طرف لوٹنا چاہتے ہو اس میں پہلے کتنا عرصہ بسر کر آئے ہو۔

حلِ لغات : اہلِ عرب کہتے ہیں : لبث بالمکان۔ یہ اس شخص کے لیے بولتے ہیں جو اس مکان میں کچھ عرصہ لازمی طور پر ٹھہرا ہو۔

عَدَدَ سِنِیْنَ ○ یہ لفظ کم کی تمیز، یعنی گنتی کے کتنے سال دنیا میں ٹھہرے رہے ہو قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ عرض کریں گے ہم دنیا میں ایک یوم یا اس کا بعض حصہ ٹھہرے ہیں۔ قلت کا اظہار دوزخ کی لمبی مدّت کے مقابلہ کی وجہ سے ہوگا یا اس لیے کہ دنیا میں انھوں نے عیش و عشرت اور سرور و فرحت میں بسر کیا اور سرور و فرحت کے ایّام گویا جلدی گزر جاتے ہیں یا اس لیے کہ وہ ایام گزر گئے اور گزرا ہوا وقت قلیل بلکہ کالمعدوم محسوس ہوتا ہے ؎

ہردم از عمر گرامی ہست گنج بے بدل
میرود گنجے چنین ہر لحظہ برباد آہ آہ

ترجمہ : زندگی کا ہر لمحہ بے بدل خزانہ ہے لیکن افسوس کہ ہمارے لمحات برباد اور ضائع ہو رہے ہیں۔

فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ ○ ان سے پُوچھ لیجئے جو ایّامِ زندگی کو گنتے رہے۔ یعنی اگر ان لمحات کی گنتی ضروری ہے تو دوسروں سے پُوچھیے ہم تو عذاب میں مبتلا ہیں نہ اس سے فرصت ملتی ہے نہ گزشتہ زندگی کے لمحات گنے جا سکتے ہیں۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کفار عرض کریں گے: یا الٰہ العالمین! ہمارے لمحاتِ زندگی ان ملائکہ کرام سے پُوچھیے جو ہمارے ایام و لیالی کے لمحات کی گنتی پر مامور تھے۔

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا اللہ تعالیٰ ان کے قول کی تصدیق کرتے ہوئے فرمائے گا کہ واقعی تم دنیا میں بہت تھوڑا رہے ہو۔

ف : قلیلا مصدر محذوف یعنی لبثاً کی صفت ہے یا یہاں پر زمانہ محذوف ہے۔

تَوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ٥ اگر تمہیں علم ہوتا یعنی جیسے دنیا میں گزارا اور اس کے لمحات کو قلیل پایا لیکن نہ اس وقت تم نے کچھ جانا نہ اب تمہیں کچھ علم ہے۔

ف : بحر العلوم میں اس کا معنی لکھا ہے کہ باوجودیکہ تم نے دنیا میں بڑا عرصہ گزارا ہے لیکن اس کا علم نہیں رہا۔ اگر تمہیں اس کا علم ہوتا تو ضرور بتا دیتے لیکن نہ تمہیں یاد ہے اور نہ بتا سکتے ہو۔

سبق عاقل پر لازم ہے کہ وہ اپنے حال کا تدارک اور اس کی اصلاح میں کوشش کرے قبل اس کے کہ اس کی زندگی کے سانس ختم ہو جائیں اور موت آئے اور سارا کھیل ہی ختم ہو جائے۔

کسی نے خوب فرمایا : ؎

الا انما الدنیا کظل سحابۃ

اظلتك یوما ثم عنك اضمحلت

فلا تك فرحانا بها حین اقبلت

ولا تك جزعانا بها حین ولت

ترجمہ : خبردار یہ دنیا تو بادل کے سایہ کی مانند ہے کہ کچھ دیر وہ تجھ پر سایہ ڈالتا ہے پھر تجھ سے ہٹ جاتا ہے اس لیے کہ نہ اس کے آنے سے خوشی کرو اور نہ اس کے جانے سے غم کھاؤ۔

پند سودمند اردشیر بن بابک بن ساسان نے فرمایا (یہی آل ساسان کا پہلا بادشاہ ہے) کہ دنیا کا میلان چھوڑ دے اس لیے کہ یہ کسی کے ہاں ہمیشہ نہیں رہتی اور نہ ہی اسے بالکل ترک کر دے اس لیے آخرت اسی کی وجہ سے سنورتی ہے۔

دیگر از زمخشری زمخشری نے کہا کہ زندگی کے ان چند لمحات کو غنیمت سمجھ کر نیک اعمال میں جد و جہد کیجئے۔ غلط اعذار اور بیکار حیلے ترک کر دے اس لیے کہ تجھے دنیا میں رہنے کے لیے بہت تھوڑا وقت دیا گیا ہے اور عمر بھی محدود دنوں کی ہے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

۱ کنوں وقت تخمست اگر پروری

گر امیدوار ای کہ خرمن بری

۲ بشہر قیامت مرو تنگدست

کہ وجہی ندارد بغفلت نشست

۳ غنیمت شمر این گرامی نفس

کہ بے مرغ قیمت ندارد قفس

۴ مکن عمر ضائع بافسوس وحیف
کہ فرصت عزیز ست والوقت سیف

ترجمہ: ۱۔ ابھی تو بیج بونے کا وقت ہے اگر اس امید میں ہو کر خرمن اٹھاؤ گے۔
۲۔ قیامت کے شہر میں تنگ دست ہو کر نہ جاؤ، غافل (بیکار) بیٹھنے کا کوئی معنیٰ نہیں۔
۳۔ ان لمحات کو غنیمت جان، پرندے کے بغیر پنجرہ کس کام کا!
۴۔ افسوس وحیف کے ساتھ عمر ضائع نہ کر، اس لیے کہ فرصت عزیز ہے اور وقت تلوار ہے۔

سبق: بعض بزرگوں نے فرمایا کہ وہ عمر جو تجھ سے ضایع ہو گئی اور اس میں کوئی عمل نہ کر سکا تو آنے والے لمحات کے لیے عزم بالجزم کر لے کہ باقی لمحات نیکی میں گزاروں گا تو اس کو بھی غنیمت سمجھ۔ کسی شاعر نے کہا ہے

السباق السباق قولا و فعلا
حذر النفس حسرة المسبوق

ترجمہ: قول و فعل میں اب نیکی کی طرف توجہ دے اور نفس کو سمجھا کہ گزشتہ لمحات بھی ضایع گئے۔

سبق: تمہیں زندگی کے لمحات مفت ملے تو ان قیمتی لمحات کی ادائیگی کا کچھ سوچ۔ اور اسی سوچ میں ممکن ہے تجھے محبوب کا وصال نصیب ہو جائے۔

ف: حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ زندگی کے لمحات جو گزر گئے وہ ضائع گئے لیکن جو باقی ہیں ان کو تو غنیمت سمجھو، اگر ان کو بھی اعمال صالحہ پر صرف کیا جائے تو ضایع شدہ لمحات کی قیمت بھی حاصل ہو سکتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ہر وہ گھڑی جس میں انسان ذکر الٰہی کے بغیر گزار دیتا ہے وہ قیامت میں اس کے لیے حسرت کا سبب بنے گی۔

ف: بعض انسانوں کو لمبی عمریں نصیب ہوتی ہیں لیکن ان کے لمحات کی کوئی قیمت نہیں ہوتی جیسے بعض بنی اسرائیل ہزاروں سال گزار گئے لیکن بہ نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بعض افراد کہ جن کی عمر تو تھوڑی ہوتی ہے مگر ان کے لمحات قیمتی ہوتے ہیں۔ اسی لیے بنی اسرائیل کی لمبی عمروں والے ان قلیل عمروں والوں پر حسرت کریں گے۔ ایسے ہی بعض ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں جنھیں ایک ہی نگاہ سے وصالِ یار نصیب ہو جاتا ہے (اور یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ اللہ والوں کا دامن پکڑ و پھر دیکھو ان کی نگاہِ کرم سے کیا نصیب ہوتا ہے!)

سبق: افسوس تو اس بدقسمت پر ہے جسے لمحاتِ زندگی بھی وافر در وافر ملے لیکن زندگی ضائع کر دی اور خالی ہاتھ گیا۔ اسی لیے فرمان ہے کہ انسان کی دو صفتوں پر رشک کرنا چاہیے:

۱۔ فراغت ۲۔ صحت

اس سے بھی یہی مراد ہے کہ صحت و عافیت اور فراغت اوقات میں دین و دنیا سنوار لے پھر بیڑا پار ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا ہمزہ انکاری ہے اور فاء کا عطف فعل مقدر پر ہے اور الحسبان بالکسر بمعنے الظن۔ اور عبثا' خلقنا کی ضمیر جمع متکلم سے حال ہے۔ یعنی ہم نے تمہاری تخلیق میں کوئی ذاتی غرض ملحوظ نہیں رکھی اور نہ ہی اس تخلیق سے ایسے امر کا ارتکاب مطلوب ہے جس کے فائدہ سے لاعلمی ہو۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ کیا تم غافل ہو اور اپنی بہت بڑی غفلت سے گمان میں ہو کہ ہم نے تمہیں حکمت کے تقاضاؤں کے خلاف پیدا کیا ہے وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ اس کا عطف خلقنکم پر ہے۔ یعنی تمہارا گمان ہے کہ تمہارا ہمارے ہاں لوٹنا نہیں۔ یعنی تمہاری تخلیق سے غرض یہ ہے کہ تم نیک عمل کرو، پھر قیامت میں اٹھا کر تمہیں جزا و سزا دی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا معنیٰ یہ ہے کہ بندوں نے ایسے مالک و حاکم کے ہاں حاضر ہونا ہے اس کے سوا اور کوئی مالک ہے نہ حاکم۔

ف : ترمذی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تاکہ مخلوق اس کی عبادت کرے اور وہ اپنے بندوں کو عبادت کا ثواب اور ترکِ عبادت پر سزا دے۔ اگر وہ عبادت کریں گے تو عبدیت سے حریت اور عزت و عظمت پائیں گے یعنی دنیا میں عبد تھے تو آخرت میں بادشاہ ہوں گے اگر ترک عبادت کریں گے تو وہ عبد مفرور بلکہ مالک کی نگاہ سے گرے ہوئے اور بدبخت شمار ہوں گے اور قیامت میں اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے ساتھ جہنم کے جیل خانے میں سخت سے سخت سزا پائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ افحسبتم انما خلقنکم عبثا یعنی تم نے گمان کیا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بلا معنی پیدا فرمایا ہے۔ اور تمہارا یہ بھی خیال ہے کہ تمہارے اندر کوئی معنیٰ نہیں کہ تمہیں فائدہ نہ نقصان دے یہاں تک کہ تم جانوروں کی سی زندگی بسر کرتے رہو اور تمہیں اعمال صالحہ کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب بھی نصیب نہ ہو گا وانکم الینا لا ترجعون اور یہ بھی تمہارا گمان ہے کہ تم نے لطف یا قہر سے ہمارے ہاں حاضر بھی نہیں ہونا۔ لطف سے رجوع کا یہ معنیٰ ہے کہ انسان اضطراری موت سے پہلے اختیاری موت سے مر جائے۔ اور وہ موت یہ ہے کہ انسان قدم شریعت و طریقت پر چل کر اسفل سافلین یعنی طبیعت سے نکل کر اعلیٰ علیین یعنی عالم حقیقت میں پہنچ جائے۔ اور رجوع بالقہر کا یہ معنیٰ ہے کہ موت اضطراری سے مرے پھر اسے شہواتِ دنیا اور اس کی زینت کے سلاسل اور صفاتِ ذمیمہ کے اغلال سے جکڑ کر اسے جہنم کی طرف گھسیٹ کر لے جایا جائے۔

حکایت پر نصیحت

حضرت بہلول دانا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن بصرہ کی سڑک پر گزر رہا تھا ایک میدان میں چند لڑکے اخروٹ اور بادام سے کھیل رہے تھے لیکن ایک لڑکا

دور بیٹھا اُنھیں دیکھ کر رو رہا تھا، میں نے سمجھا کہ وہ اس لیے رو رہا ہے کہ اس کے پاس اخروٹ و بادام نہیں۔ میں نے پوچھا: بیٹا! کیوں رو رہا ہے، کیا تیرے پاس اخروٹ و بادام نہیں، کیا میں تجھے اخروٹ اور بادام خرید دوں؟ اس نے مجھے غصّے سے دیکھ کر کہا: اے بے عقل! کیا ہم کھیل و تماشا کے لیے پیدا کئے گئے ہیں؟ میں نے کہا: تو پھر کس لیے؟ اس نے کہا: علم و عمل کے لیے۔ میں نے کہا: اللہ تجھے برکت دے۔ بیٹا! تو دانا معلوم ہوتا ہے مجھے اختصاراً نصیحت کیجئے۔ اس نے یہ اشعار پڑھے ؎

۱ ادری الدنیا تجھز بالطلاق
مشمرۃ علی قدم و ساق

۲ فلا الدنیا بباقیۃ لحی
ولا حی علی الدنیا بباق

۳ کأن الموت والحدثان فیھا
الی نفس الفتی فرسا سباق

۴ فیا مغرور بالدنیا رویدا
و منھا خذ لنفسك بالوثاق

ترجمہ: (۱) میں دنیا کو دیکھ رہا ہوں کہ پا بہ رکاب ہو کر اپنا سامان اکٹھا کر رہی ہے۔
(۲) نہ کسی زندہ کے لیے باقی رہے گی اور نہ ہی کسی زندہ نے اس میں رہنا ہے۔
(۳) گویا موت اور اس کا حادثہ انسان کے لیے دو گھوڑے تیز دوڑنے والے ہیں۔
(۴) اے دنیا سے دھوکا کھانے والے! ذرا سوچ اور اس سے کنارہ کشی کر۔

اس کے بعد آسمان کی طرف دیکھ کر اس نے دونوں ہاتھوں کا اشارہ کیا، اس کے چہرے پر آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی اور وہ کہتا تھا؛ ؎

۱ یا من الیہ المبتھل یا من علیہ المتکل
۲ یا من اذا ما آمل یرجوہ لم یخط الامل

ترجمہ: (۱) اے وہ ذات جس کے ہاں ہماری عاجزی ہے، اے وہ ذات جس پر ہمارا سہارا ہے۔
(۲) اے وہ ذات جو کوئی تجھ سے امید رکھتا ہے تو وہ اسی کو چھوڑ کر چل بستا ہے۔

حضرت بہلول رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اس بچے نے یہ کہا اور بےہوش ہو کر گر پڑا۔ میں اٹھا، اس کے چہرے سے مٹی جھاڑی اور اسے اپنی گود میں سُلا لیا۔ جب اس نے آنکھ کھولی اور ہوش میں آیا تو میں نے اس سے پوچھا

بیٹے! تجھے کیا ہوگیا ہے، اتنا خوف کیوں؟ ابھی تو تُو بچہ ہے، تیرے ذمّہ کوئی گناہ بھی نہیں۔ فرمایا: اے بہلول! کیا کہہ رہے ہو، میں اپنی والدہ کو دیکھتا ہُوں کہ جب وہ آگ جلاتی ہے تو پہلے چھوٹی لکڑیوں کو آگ لگاتی ہے پھر بڑی لکڑیوں کو۔ میں ڈر رہا ہُوں کہ کہیں قیامت میں ہم چھوٹے بچوں سے ہی نہ آگ سلگائی جانے اور خدا نہ کرے میں ان میں سے ہوں۔ میں نے پُوچھا: یہ بچہ کون ہے؟ کسی نے کہا: یہ حضرت حسین بن علی بن ابی طالب کی اولاد سے ہیں۔ میں نے کہا: جب درخت باکمال ہیں تو ان کے ثمر کیوں نہ ایسے ذی جوہر ہوں۔ خدا ہمیں اس سے اور اس کے آباء کرام سے نفع بخشے۔

ف: حضرت ابوبکر واسطی رحمہ اللہ تعالیٰ یہ آیت پڑھا کرتے مخلوق کو عبث پیدا نہیں فرمایا بلکہ اس لیے پیدا فرمایا کہ اس کی ذات آشکارا اور اس کی صفاتِ کمالیہ کا ظہور اس کی مصنوعات سے ہو تاکہ مخلوق اسی ذریعہ سے اس کا عرفان حاصل کرے۔

باعثِ ایجادِ کون ومکان بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے تمہیں بے سُود پیدا نہیں فرمایا بلکہ تمہیں نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے لیے پیدا فرمایا ہے کیونکہ ازل میں یہ بات طے ہو چکی تھی کہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور جنسِ انسان سے ہوگا۔ اس معنے پر آپ کائنات کی اصل اور جملہ موجودات کی فرع ہیں ؎

ہفت و نہ و چار کہ پرداختند
خاص پے موکب او ساختند
اوست شہ و آدمیان جملہ خیل
اصل وے و جملۂ عالم طفیل

ترجمہ: ہفت و نہ و چار صرف محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے لیے بنائے وہی بادشاہ ہیں باقی تمام ان کے غلام۔ اصل آپ ہیں باقی جملہ جہان طفیلی۔

ف: بحر الحقائق میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تمہیں پیدا فرمایا تاکہ تم مجھ سے نفع حاصل کرو ورنہ مجھے تمہاری تخلیق کی ضرورت نہیں۔

حدیث قدسی: میں نے مخلوق کو پیدا فرمایا تاکہ وہ مجھ سے نفع پائے، نہ یہ کہ میں ان سے نفع پاؤں۔

ف: مشایخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو پیدا فرمایا تاکہ وہ منظرِ قدرت ہوں اور آدمیوں کو پیدا فرمایا تاکہ وہ مخزنِ جوہرِ محبت ہوں۔

کنت کنزاً مخفیاً: بعض روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے فرزندِ آدم! تمام اشیاء بدن نے

تیرے لیے اور تجھے اپنے لیے پیدا فرمایا۔ کنت کنزاً مخفیاً کا راز یہی ہے۔
مولانا روم قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ اے ظہور تو بکلی نور نور گنج مخفی از تو آمد در ظہور

---

۲ گنج مخفی بود ز پر چاک کرد خاک را تابان تر از افلاک کرد
گنج مخفی بد ز پری جوش کرد خاک را سلطان باطلس پوش کرد

---

۳ خویش را نشناخت مسکین آدمی از فزونی آمد و شد در کمی
خویشتن را آدمی ارزاں فروخت بود اطلس خویش را بر دلق دوخت

---

۴ ای غلامت عقل تدبیرات ہوش چوں چنینی خویش را ارزاں فروش

ترجمہ: ۱۔ اے کہ تیرا ظہور سرا سر نور ہے گنج مخفی تجھ سے ہی ظاہر ہوا۔
۲۔ گنج مخفی کا پردہ چاک ہوا اس نے مٹی کو افلاک سے زیادہ روشن فرمایا گنج مخفی تھا پردے سے جوش مارا، مٹی کو شاہی اطلس پہنا دیا۔
۳۔ مسکین آدمی نے خود کو نہ پہچانا، ترقی کو چھوڑ کر تنزّل میں گرا۔ آدمی نے خود کو سستا بیچ ڈالا اپنی اطلس کو گودڑی پر سی دیا۔
۴۔ عقل و تدبیرات و ہوش تیرے غلام ہیں، جب تو ایسا ہے تو تُو نے خود کو سستا بیچ ڈالا۔

تفسیر عالمانہ فَتَعٰلَی اللّٰہُ اللہ تعالیٰ کی ذات بلند اور اپنی ذات وصفات وافعال میں مخلوق کی مماثلت سے منزّہ ہے اور اس کے افعال حکمتوں اور مصلحتوں اور غایات جلیلہ کے خلو سے بھی پاک ہے اَلْمَلِکُ الْحَقُّ وہ مالک ہے اور ایجاداً وعدماً بدأً واعادۃً واحیاءً واماتۃً وعقاباً واثابۃً ہر لحاظ سے علی الاطلاق ملک اسی کے لائق اور اسی کے لیے ثابت ہے اور اس کا جملہ ماسوا اس کا مملوک اور ہر شے اس کے ملکِ عظیم کے تابع ہے۔ حضرت امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا: وہ ملک اور ذات وصفات وافعال میں ہر موجود سے مستغنی بلکہ ہر موجود اسی کا محتاج ہے۔

ف: المفردات میں ہے کہ حق وہ ہے جو اپنی حکمت کے تقاضے سے جیسے چاہے پیدا کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس کی ذات وصفات اور اس کی بات سچی ہے اور مخلوق میں کسی کا اس پر کوئی حق نہیں۔ اگر وہ مخلوق پر احسان وکرم کرتا ہے تو وہ بایں معنیٰ نہیں کہ مخلوق اس کی مستحق تھی بلکہ یہ اس کا اپنا فضل اور لطف ہے۔

تفسیر عالمانہ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے ماسوا ہر شے اس کی عبد ہے رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ○ وہ عرش کریم کا رب ہے وہ جیسے بھی ہے اسی کے ماتحت فرمان ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اسی کے احاطہ میں ہے اور عرش کو کریم کی صفت میں اشارہ ہے کہ وہ عرش فیض کریم حق کا مقسم ہے وہاں سے اس کی رحمت اور کرم مخلوق کی طرف تقسیم ہو کر آتی ہے وَمَنْ يَّدْعُ وہ عبادت کرتا ہے مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کی افراداً یا اشتراکاً لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ غیر کی عبادت والے کی اللہ تعالیٰ کے سوا کی پرستش کی کوئی دلیل نہیں۔ یہ اِلٰہ کی صفت لازمہ ہے ' جیسے تطیر، بجناحیہ کی صفت لازمہ ہے معبودانِ باطلہ کی پرستش پر کوئی حجت نہیں، کیونکہ باطل معبود پر کوئی ایسی دلیل نہیں ہوتی جس پر کوئی تاکید ہو تاکہ اس پر کسی حکم کو مرتب کیا جا سکے۔ اس میں تنبیہ ہے کہ باطل دین کی کوئی دلیل نہیں ہوتی اور عقل کی بداہت بھی اس کے خلاف گواہی دیتی ہے فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ بے شک اس کا حساب اس کے رب کے ہاں ہے اسے اس کے استحقاق کے مطابق سزا ملے گی۔ یہ من یدع کا جواب ہے اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ○ بے شک شان یہ ہے کہ کافروں کو فلاح نصیب نہیں ہو گی۔ یعنی وہ برے حساب اور سخت دن سے نجات نہیں پائیں گے۔ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ اور فرمائیے اے پروردگار مجھے بخشئے اور میرے حال پہ رحم فرمائیے۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغفار اور رحم کی درخواست کا حکم فرمایا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ دین کے اہم امور سے ہے کہ وہ ذات جس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دئے گئے ہیں تب بھی انہیں مغفرت اور رحمت مانگنے کا حکم ہے۔ پھر ما وشما کس قطار میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ یہ خطاب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ وہ محبوب کہ محبوبیت کا کمال ان پر ختم ہے اور جملہ خصوصیات میں ممتاز اور رسالت ونبوت میں اعلیٰ درجے کے مالک ہیں تب بھی انھیں مغفرت ورحمت کی طلب کا حکم ہے پھر وہ جو گناہوں میں ملوث اور کفر و شرک سے بھرپور ہوں وہ کیوں نہ مغفرت ورحمت کی طلب کریں۔

---

[1] اس میں دیوبندیوں وہابیوں کو تنبیہ ہے کہ ایسے مقام دعا بمعنے عبادت ہے۔ چنانچہ روح البیان ج ٦ ص ١١٢ پر ومن یدع کا ترجمہ بعبد لکھا ہے۔ تفصیل فقیر کی کتاب احسن البیان جلد دوم میں ملاحظہ ہو۔ اویسی غفرلہٗ

ف : امت پر لازم ہے کہ وہ اس دُعا میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرے۔

وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اور تُو خیر الراحمین ہے۔

تفسیر عالمانہ ف : اس میں اشارہ ہے کہ ہر راحم کی رحمت میں تغیر و تبدل کا احتمال ہے کیونکہ وہ کسی پر رحم کرنے کے بعد بھی اپنے تشدّد کا نشانہ بنا سکتا ہے بخلاف اللہ تعالیٰ کے کہ وہ جس پر رحم کرتا ہے پھر اسے اپنے عذاب میں مبتلا نہیں کرتا اس لیے کہ اس کی رحمت ازلیہ ہے اس میں تغیر و تبدل کا احتمال نہیں۔

تفسیر صُوفیانہ حقائق البقلی میں ہے اے اللہ تعالیٰ! میری وہ کوتاہی معاف کر دے جو میں نے تیری معرفت میں برتی ہے اور اپنے مشاہدہ کے مقام میرے اوپر کھولنے کے لیے میرے اوپر رحم فرما۔ اور تُو خیر الراحمین ہے اس لیے کہ کونین کی رحمت تیری رحمتِ قدیم کے دریا کا ایک قطرہ ہے۔

ہر مرض کا علاج حضرت عبداللہ بن مسعود ایک سخت بیماری میں مبتلا مریض پر گزرے، اس پر افحسبتم تا اختتامِ سورۃ اس کے کان میں پڑھا تو وہ فوراً صحت یاب ہو گیا۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پُوچھا کہ تو نے کیا پڑھا ہے؟ عرض کی : یہی آیات پڑھی ہیں۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر ان آیات کو صدقِ دل سے پہاڑ پر پڑھا جائے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔

فضائل سُورۃ و آیات مروی ہے کہ اس سورۃ کی پہلی اور آخری آیات عرشِ الٰہی کے خزانوں میں سے ہیں۔ جو شخص اس سُورۃ کی پہلی تین آیات اور آخری چار آیات پر مداومت اختیار کرے گا وہ دارین میں نجات و فلاح پا جائے گا۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو شہد کی مکھی کی سی آواز سُنائی دیتی۔ ہم نے دیکھا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے اس لیے ہم تھوڑی دیر رک گئے۔ جب آپ فارغ ہُوئے تو قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا مانگی :

اے اللہ! ہمیں بڑھا اور ہمیں گھٹا مت۔ اور ہم پر اکرام عطا فرما اور ہماری اہانت نہ ہو۔ اور ہمیں عطا فرما، ہمیں محروم نہ رکھ، اور ہمیں پسند فرما اور ہمارے اوپر اوروں کو ناپسند فرما۔ اور ہم سے راضی ہو اور ہمیں راضی فرما۔

اس کے بعد فرمایا :

اب میرے اوپر دس آیات نازل ہوئیں جو ان پر عمل کرے گا وہ بہشت میں داخل ہو گا۔

اس کے بعد قد افلح المؤمنون تا دس آیات پڑھیں۔

(صاحب روح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا کہ) اس سورہ مومنین کی تفسیر ۲۲ رجب المرجب ۱۱۰۷ھ میں ختم ہوئی۔

اور

فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس سورہ مومنین کے ترجمہ سے ۶ شوال المکرم ۱۳۹۷ھ بروز خمیس تقریباً ۹ بجے شب فراغت پائی۔

والحمد للہ علیٰ ذالك وصلی اللہ علیٰ حبیبہ الکریم وعلیٰ اٰلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

سُورۃ النّور

اٰیاتها ۶۴	(۲۴) سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ (۱۰۲)	رکوعاتها ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ
فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ
كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ اَلزَّانِيْ
لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۘ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ
ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ
فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○
اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ
اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ
بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○
وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ وَ
الْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ
وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ○ ع

ترجمہ: سورۃ النور مدنیہ ہے اس کی باسٹھ یا چونسٹھ آیات ہیں۔
اللہ کے نام سے شروع وہ بڑا مہربان رحم والا ہے۔
یہ ایک سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا اور ہم نے اس کے احکام فرض کیے اور ہم نے واضح آیات

اتاریں کہ تم نصیحت حاصل کرو زانی عورت اور زانی مرد سو ان کے ہر ایک کو سو درے مارو اور تمہیں اس پر ترس نہ گھیر لے اللہ تعالیٰ کے دین میں اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو اور ان کی سزا کے وقت چاہیے کہ اہلِ ایمان کا ایک گروہ حاضر ہو زانی مرد نکاح نہ کرے مگر زانیہ یا مشرکہ عورت کے ساتھ اور زانیہ عورت سے نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک اور یہ فعل اہلِ ایمان پر حرام ہے اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگائیں پھر چار گواہ بھی نہ لاسکیں تو انہیں اسّی دُرے لگاؤ اور ہمیشہ کے لیے ان کی کوئی گواہی قبول نہ کرو اور وہی لوگ فاسق ہیں اور وہ جو اپنی عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں اور ان کے پاس کوئی گواہ نہ ہوں سوائے اپنے تو ایسے کی گواہی یہ ہے کہ چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ یقیناً وہ سچا ہے اور پانچویں بار یُوں کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اگر جھوٹا ہو اور عورت سے سزا یُوں دفع ہو سکے گی کہ وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر چار بار گواہی دے کہ بے شک مرد جھوٹا ہے اور پانچویں بار یُوں عورت پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اگر مرد سچا ہو اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ تو بہ قبول کرنیوالا حکمت والا ہے۔

تفسیر عالمانہ

یہ سورہ مدنیہ ہے اس کی چونسٹھ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا: اس سورۃ میں عفت، پاکدامنی اور ستر و حجاب اور پردہ کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل کوفہ کو لکھا کہ عورتوں کو سورۂ نور پڑھاؤ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کو بالاخانوں پر مت جانے دو اور نہ ہی انھیں لکھنا سکھاؤ۔ انھیں سورۂ نور پڑھاؤ اور چرخہ کاتنا سکھاؤ۔

سُوْرَۃٌ سورۃ قرآن کے اس ایک حصّے کا نام ہے جو چند آیات و کلمات اور علوم و معارف کو محیط ہوتی ہے یہ سُور المدینہ سے مشتق ہے بمعنے شہر کا احاطہ جو اسی شہر کے اردگرد ہوتا ہے۔ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دراصل ھٰذہٖ سورۃ تھا۔ اگرچہ اس کا ذکر پہلے نہیں ہوا لیکن پھر بھی اسے ھٰذا اشارہ سے ذکر کیا گیا اس کی شرافت پر دلالت کرتا ہے کہ گویا یہ حاضر و مشاہد کی طرح ہے اس کی تنکیر بھی اس کی ذات فخامت و عظمت کی دلیل ہے **اَنْزَلْنٰهَا** یہ بھی اس کی عظمت و فخامت صفاتی کی دلیل ہے یعنی ہم نے اس سورۃ کو عالمِ قدس سے جبریل علیہ السلام کے واسطہ سے نازل فرمائی۔ **وَفَرَضْنٰهَا** یعنی ہم نے ان کے اندر نازل کردہ احکام تم پر قطعی طور پر واجب فرمائے ہیں الفرض بمعنے کسی سخت شے کو کاٹنا اور اس میں نشان ڈالنا۔ اسی لیے لوہے کے کاٹنے کو

الفرض سے تعبیر کرتے ہیں الایجاب والفرض کا اصطلاحاً ایک معنی ہے فرق صرف اتنا ہے کہ باعتبار وقوع و ثبات کے ایجاب کہا جائے گا اور باعتبار حکم کے قطعی ہونے کے فرض سے تعبیر کیا جائے گا (کذا فی المفردات)

وَاَنۡزَلۡنَا فِيۡهَاۤ اور اس کے اندر ہم نے نازل کیں اٰيٰتٍۢ اس سے وہ آیات مراد ہیں جنہیں احکام فرائض سے تعلق ہے۔ اس سے اس کے جملہ آیات مراد نہیں بَيِّنٰتٍ ایسی آیات کہ ان کے احکام پر واضح اور روشن دلائل موجود ہیں اور انزلنا کا تکرار ان احکام کی عظمت اور مہتم بالشان کی وجہ سے ہے ورنہ انزال سورۃ میں انزال احکام کا ذکر ہو چکا تھا لَّعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ۝ شاید کہ تم انھیں قبول کرو اور اس کے محارم سے پرہیز کرو۔ یہاں پر ایک تاؐ محذوف ہے اس لیے کہ یہ دراصل تتذکرون تھا۔ یعنی ان آیات سے نصیحت حاصل کرو اور جب حوادث کے داعیہ واقع ہوں تو تم ان کے موجب احکام کا اجراء کر سکو۔ اس میں اشارہ ہے کہ حق یہ ہے کہ جب بھی ان کے سامنے اس طرح کے واقعات سامنے آئیں تو اسی سورۃ کے احکام کو سامنے رکھ کر فیصلے کریں۔

نکتہ: بعض مشایخ نے فرمایا کہ سورۃ ہذا کے اگر اور آیات بھی نہ ہوتے تو جملہ احکام متعلقہ صرف بی بی عائشہ صدیقہ بنت صدیق حبیبۂ حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برأت میں آیات بھی کافی تھیں کیونکہ اس میں احکام متعلقہ و براہین و دلائل واضحہ موجود ہیں بلکہ اس معاملہ میں یہی آیات جامع ہیں اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِىۡ یہاں سے آیات بیّنات کی تفصیل اور ان کے احکام کا بیان شروع ہے۔ الزنا بمعنے ایسی عورت سے وطی کرنا جس کے ساتھ اس کا عقدِ شرعی نہ ہو۔ الزنا کو بالمد و بالقصر دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ ہاں بالمد ہو تو اسے مصدر فاعلہ بنانا جائز ہے ایسے وقت بوقت نسبت سے زنوی پڑھا جائے گا۔ (کذا فی المفردات)

الزانیۃ ہر وُہ عورت جو زنا کی قدرت رکھتے ہُوئے کسی مرد سے وطی کرائے۔ اس کے اس صیغہ کا یہی تقاضا ہے بخلاف المزنیہ کے اس لیے کہ مزنیہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ جبراً زنا کیا جائے۔ الزانیہ کی تقدیم عرب کی لونڈیوں کے کثرتِ زنا کی طرف اشارہ ہے کہ اس وقت وہ لونڈیاں کھلم کھلا زنا کا ارتکاب کرتی تھیں یا اس لیے کہ اس فعل کا زیادہ تر سبب عورت بنتی ہے اور پھر اس کی کثرتِ شہوت کی طرف اشارہ ہے، نیز اگر عورت اس فعل پر راضی نہ ہو تو مرد سے اس کا ارتکاب بہت کم ہوتا ہے۔ یہ مبتداء اور اس کی خبر فَاجۡلِدُوۡا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا مِائَةَ جَلۡدَةٍ ۖ پر ہے۔ فاؐ شرطیہ ہے اس لیے کہ یہ مبتدا متضمن معنے شرط کا ہے کیونکہ الزانیۃ والزانی کی لام موصولہ ہے۔ دراصل عبارت التی زنت والذی زنا تھی۔ الجلد بمعنے ضرب الجلد (بالکسر) چمڑہ چھیلنا۔ کہا جاتا ہے: جلدہ ضرب جلدہ، جیسے بطنہ و ظہرہ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے پیٹ یا پیٹھ پر مارا جائے۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جلدہ ضربہ بالجلد یعنی اسے ڈنڈے وغیرہ سے مارا۔ اور مِائۃ منصوب علی المصدریہ ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اسے شہر والو! اور

اے احکام قبول کرنے والو، دونوں کو حکم ہے کہ سَو دُرّے مارو۔

مسئلہ : یہ حکم محصن غیر محصن دونوں کو شامل تھا۔ پھر شادی شدہ کے لیے حکم منسوخ ہُوا اور ناسخ بھی حکم قطعی ہے اس لئے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ماعز وغیرہ کو سنگسار فرمایا تھا۔ یہ نسخ الکتاب بالسنۃ المشہورۃ کے قاعدہ سے ہے۔ اس سے ثابت ہُوا کہ شادی شدہ کی حد سنگساری اور غیر شادی شدہ کی حد سَو دُرّے مارنا ہے۔

قاعدہ فقہیہ : حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک باب رجم میں شادی شدہ ہونے کی چھ شرطیں ہیں:

(۱) اسلام (۲) حریت

(۳) عقل (۴) بلوغ

(۵) نکاح صحیح (۶) دخول

کوئی ایک شرط مفقود ہو تو سنگسار نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ : بابِ قذف میں چار شرطیں پہلی، اور عفۃ فقہا کرام کی اس قول سے کہ رجم محصن ای مسلم حر عاقل الخ یعنی مسلمان عاقل، آزاد، بالغ، شادی شدہ اور صاحبِ دخول کی یہی مراد ہے جو ہم نے اوپر بیان کی۔ اسی طرح اُنھوں نے کہا قذف محصنا الخ یعنی مسلمان حر عاقل بالغ عفیف کو حد ماری جائے۔ جب ان میں سے کوئی ایک شرط مفقود ہو تو اسے حد وغیرہ نہیں لگائی جائے گی۔

وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ اور تمہیں ان کے بارے میں رافت و شفقت نہ گھیر لے۔ البحر میں ہے کہ الرافۃ بمعنے رقت قلبی بمعنے مہربانی کرنا۔ اس کی تنکیر تقلیل کے لیے ہے۔ یعنی تمہیں ان کے ساتھ تھوڑی سی مہربانی بھی نہ گھیر لے۔ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی اطاعت اور اقامتِ حدود میں کہ اسے تم معطل چھوڑ دو یا اسے حد مارتے وقت تھوڑی تکلیف پہنچاؤ اور چشم پوشی کرکے تکمیل حد میں کمی کرو۔ اس لیے کہ جسے حد ماری جاتی ہے وہ عجیب وغریب حرکات کا مظاہرہ کرتا ہے اور عجز و انکساری اور فریاد کرتا ہے رحم و کرم کی درخواست کرتا ہے جس پر امامِ وقت یعنی حاکم کو اس کے حال پر رحم آجاتا ہے یا مارنے والا اس پر رحم کرنے لگ جاتا ہے اور حاضرین کو اس کے حال پر ترس آتا ہے بالخصوص جب سزا پانے والا محبوب ترین شخص ہو جیسے اولاد یا بھائی وغیرہ۔ اس طرح حد کی تکمیل نہیں ہو سکے گی اور حقوقِ الٰہی کی ادائیگی میں کمی ہو گی اور زانی کو سَو دُرّے نہیں مارے جا سکیں گے۔ بلکہ اس کو ترک کرنے سے حد میں کمی واقع ہو گی۔ یا آہستہ مارنے پڑیں گے۔ ان تمام صورتوں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو روکا ہے۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ نے جن امور کا حکم فرمایا ہے ان میں رحم و کرم کرنا قبیح ہے۔

حدیث شریف قیامت میں ان حکام کو بارگاہِ حق میں لایا جائے گا جنھوں نے حدودِ متعینہ میں ایک دو ضربیں کم ماری ہوں گی اللہ تعالیٰ انھیں فرمائے گا کیا تم مجھ سے زیادہ رحیم تھے؟ اس کے بعد حکم ہوگا کہ انھیں جہنم میں ڈال دو۔ پھر ان حکام کو لایا جائے گا جنھوں نے سزا میں زیادتی کی ہوگی یعنی مثلاً سو کوڑوں سے ایک دو زاید مارے ہوں گے۔ تو انھیں حکم ہوگا کہ تم نے حد مارنے میں کیوں زیادتی کی؟ تو عرض کریں گے اس لیے کہ تیرے بندوں کو عبرت ہو اور وہ برائیوں سے باز آجائیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کیا تم مجھ سے بڑھ کر حکومت میں تھے۔ پھر حکم ہوگا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ۔

سوال : الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ آیت ہذا سے ثابت ہوا کہ کسی کو برائیوں میں مرتکب ہونا دیکھ کر بہ بنائے شفقت و رحمت نہ روکنا گناہ ہے اور قیامت میں اس کے متعلق مواخذہ ہوگا۔

جواب : واقعی ایسے ہوگا۔ لیکن اس سے وہ فطری شفقت مراد نہیں اس لیے کہ وہ تکلیف شرعی میں داخل نہیں بلکہ وہ رحمت و شفقت مراد ہے جو حدودِ شرعیہ کی اقامت سے مانع ہو اور احکامِ شرع کو معطل کرے۔ ایسی شفقت و رحمت سے باری تعالیٰ نے آیت ہذا میں منع فرمایا ہے۔

مسئلہ : بحر العلوم میں ہے کہ اس میں دلالت ہے کہ مخاطبین پر لازم ہے کہ حدودِ شرعیہ بالخصوص حدِ زنا میں جد و جہد کریں۔ اس میں ذرہ برابر بھی تخفیف کا خیال نہ کریں بلکہ جتنا ہو سکے زور دار چابک لگائیں اس کے بعد حدِ قذف میں امام زہری اسی طرح فرماتے ہیں البتہ حدِ شراب میں تخفیف چاہیے۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ حدِ قذف و شراب میں تخفیف چاہیے لیکن حدِ زنا میں چابک زور زور سے مارے جائیں۔

اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ۚ اگر تم اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان لاتے ہو۔ یہ برانگیختہ کرنے کے باب سے ہے اور غضبِ الٰہی اور عذابِ آخرت سے خوف دلانے کے قبیل سے ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا یہی ہے کہ اس کی طاعت و عبادت میں جد و جہد کی جائے اور احکامِ الٰہیہ کے اجراء میں ذرہ برابر بھی کمی نہ کی جائے۔

ف : حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مخالفین کے ساتھ شفقت کرنے سے احباب و موافقین سے رُوگردانی کے مترادف ہے اور آخرت کی تذکیر میں اس کے اندر کے عقاب و عذاب کی طرف اشارہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ جو بھی احکامِ الٰہیہ و حدودِ شرعیہ سے چشم پوشی کرے گا یا انہیں بروئے کار نہ لائے گا وہ قیامت میں سخت سزا کا مستحق ہوگا۔ قیامت یومِ آخرت سے اس لیے تعبیر کیا جاتا ہے کہ وہی گویا آخری دن ہے کہ اس کے بعد کوئی دن ایسا نہ ہوگا جس میں رات ہو۔ پھر وہی سارے کا سارا گویا ایک ہی دن ہو جائے گا اور ظلمات (تاریکیوں) کا اجتماع ہو کر دوزخ میں رات ہی رات ہوگی۔

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ○

حل لغات : الشهود بمعنے الحضور ۔ عذاب بمعنے کسی کو سخت درد پہنچانا ۔ بعض مشایخ نے فرمایا کہ تعذیب بمعنے ڈنڈے کے گوشہ سے بہت زیادہ مارنا ۔ اس کے علاوہ اور بھی معانی لکھے گئے ہیں اس کا عذاب نام رکھنا بھی سزا پر دلالت کرتا ہے ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسے عذاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا درد گناہ کے دوبارہ ارتکاب سے مانع ہوتا ہے ۔ الطائفۃ بمعنے وہ گروہ جو کسی شے کو اردگرد محیط اور حلقہ ہو سکے ۔ یہ طوف سے مشتق ہے یہاں پر وہ جماعت مراد ہے جس سے مجرم کی تشہیر اور اس کے لیے زجر کا سبب ہو سکے ۔ المؤمنین سے صالحین مراد ہیں اس لیے کہ فاسق تو خود بھی اپنے جرائم و معاصی کی وجہ سے شرمسار ہوگا تو اس کا مجرم کی سزا کے وقت حاضر ہونا بے معنیٰ ہے اور اگرچہ امر وجوب کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں پر یہ امر استحباب کے لیے ہے ۔ کذا قال الفقہا ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ زانی و زانیہ کی سزا کے وقت اہلِ ایمان کے معتبر اور نیک بخت لوگوں کو موجود ہونا چاہیے ۔ خلاصہ یہ کہ زانی اور زانیہ پر حد قایم کرتے وقت معتبر مومنین اور نیک لوگوں کا موجود ہونا اس لیے ضروری ہے کہ لبسا اوقات کوڑے مار کر شرمسار کرنا بہت بڑی اور سخت سزا بن جاتا ہے ۔ کیونکہ گندی شہرت سے مجرم اپنے جرائم و معاصی سے باز آجاتے ہیں ۔

مسئلہ : غیر شادی شدہ زانی و زانیہ کو سو کوڑے مارے جائیں ۔ کوڑا درمیانہ ہو جس میں کوئی گرہ نہ ہو ۔ مرد کو کھڑا کر کے مارے جائیں سر اور منہ اور فرج کے سوا باقی بدن پر متفرق طور پر کوڑے مارے جائیں اور عورت کو بٹھا کر مارے جائیں ، زاید کپڑوں کے سوا اس کا کوئی کپڑا نہ اتارا جائے ۔

مسئلہ : عورت کے لیے گڑھا کھودنا جائز ہے ، مرد کے لیے گڑھا نہ کھودا جائے ۔

مسئلہ : سنگساری اور کوڑے کی سزا کو جمع نہیں کیا جا سکتا ۔ نہ ہی ایسے مجرم کو شہر بدر کیا جائے ۔ ہاں اگر سیاستًہ ایسا کیا جائے تو جائز ہے ۔

مسئلہ : زانی مریض ہو تو اسے سنگسار کیا جا سکتا ہے لیکن کوڑے کی سزا صحت یابی تک موقوف رکھی جائے ۔

مسئلہ : حاملہ کو وضعِ حمل کے بعد سنگسار کیا جائے ۔ اگر کوڑے مارنے ہوں تو نفاس سے فراغت کے بعد مارے جائیں ۔

مسئلہ : غلام کو کوڑوں کی آدھی سزا ہے ، کوڑوں کی سزا اس کا آقا نہیں قایم کر سکتا مگر حاکم وقت کی اجازت سے سزا دے سکتا ہے ۔ (خلافاً للشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ)

حدیث شریف : حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس علاقہ میں زنا کی حد قائم ہو وہ بہت بڑی فضیلت والا ہے ۔ اقامتِ حدِ زنا چالیس روز کی مسلسل رحمت کی بارش سے بہتر ہے ۔

مسئلہ : زنا حرام اور گناہِ کبیرہ ہے ۔

زنا کی نحوست حضور سیدِ عالم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے لوگو! زنا سے بچو، اس لیے کہ زنا میں چھ خرابیاں ہیں، تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ تین دنیا میں یہ ہیں:

۱۔ عزّت و آبرو ختم ہوجاتی ہے۔

۲۔ تنگدستی پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ عمر کم ہوجاتی ہے۔

وہ تین خرابیاں جو آخرت میں ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا۔

۲۔ حساب سخت ہوگا۔

۳۔ جہنم کا عذاب ہوگا۔

مسئلہ: بُری نگاہ سے دیکھنا بھی زنا ہے بلکہ بُری نگاہ شیطان کے زہریلے تیر ہیں۔
مثنوی شریف میں ہے:

این نظر از دور چون تیر است و سم
عشقت افزون می کند صبر تو کم

ترجمہ: بُری نگاہ تیر اور زہر ہے۔ اس سے برا عشق بڑھتا اور صبر کم ہوتا ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ الزانیۃ والزانی میں اشارہ ہے کہ جب نفسِ امارہ زنا کرتا ہے، اس کا زنا یہ ہے کہ وہ شیطان کے تصرفات کے سامنے سرِ تسلیم خم کردے اور دنیا کے امور میں منہمک ہوجائے اور ان اعمال کا ارتکاب کرے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ نیز روح کے زنا کی طرف اشارہ ہے۔ اور روح کا زنا یہ ہے کہ وہ دنیا اور اس کی شہوات کی طرف جھک جائے اور ان خواہشات کے تصورات میں ڈوب جائے جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے فاجلدوا کل واحد منھما مائۃ جلدۃ نفس اور رُوح کو بھوکا رکھو اور شہوات اور ان کی جملہ تمناؤں سے انھیں دُور کردو۔ اس طرح سے ان کا تزکیہ ہوگا۔ ایسی سزا سے نفس و روح کو دولتِ ادب نصیب ہوتی ہے ولا تاخذکم بھما رافۃ فی دین اللہ یعنی اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبّت ہے تو اس کے مخالفین سے بغض رکھو۔ نفس و رُوح جب احکامِ الٰہیہ کی مخالفت کریں تو ان پر رحم مت کرو، اس لیے ان پر رحم کرنا اپنے اوپر ظلم کرنا ہے اور جو نفس و روح پر رحم کرتے ہیں وہ انجامِ کار سے بے خبر ہیں اس لیے کہ نفس و روح کا تزکیہ و تصفیہ نہیں کرتا وہ اس شخص کی طرح ہے جو اپنے بیمار بچے کا علاج نہیں کرتا جیسے اس شخص کی شفقت بچّے کے لیے مضر ہے ایسے ہی نفس و روح پہ شفقت کرنے والا نقصان کر رہا ہے۔ اس لیے کہ مرض جیسے مریض کو تباہ و برباد کردیتی ہے ایسے

نفس و روح کو اوامرِ حق کی مخالفت تباہ و برباد کر دیتی ہے۔ اس لیے دانا وہ ہے جو نفس و روح کے تزکیہ و تصفیہ میں غیر معمول جدوجہد کرتا ہے ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاٰخر ولیشھد عذابھما طائفۃ من المؤمنین اس میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ اہلِ شہود کی صحبت اختیار کرے اور ہر وقت نفس کی گوشمالی کرے اور رُوح کی تادیب میں کوتاہی نہ کرے اور نفس کی گوشمالی اور روح کی تادیب کے لیے شیخ کامل و اصل باللہ کی توجہ کرم کا دامن پکڑے تاکہ وہ افراط و تفریط سے بچائے اور صراطِ مستقیم پر چلائے۔ اور یہی اس کی صحیح راہ ہے جس پر چل کر منزلِ مقصود تک پہنچ سکے گا ؎

قطع این مرحلہ بے ہمرہیٔ خضر مکن
ظلماتست بترس از خطر گمراہی

ترجمہ: اس منزل کو رہبر کے بغیر طے نہ کرنا اس لیے کہ یہاں بڑی تاریکیاں ہیں اس لیے گمراہی کا خطرہ رکھنا۔

تفسیر عالمانہ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَّ الزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ج

حل لغات: النکاح قرآن مجید میں بمعنے العقد یعنی تزوّج مستعمل ہے بمعنے وطی، یہ معنی قرآن مجید میں نہیں آیا۔ امام راغب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ النکاح اصل میں بمعنے العقد کے ہے۔ اس کے بعد استعارۃً جماع کے معنی میں آتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کہ دراصل جماع کے معنیٰ میں ہو، پھر استعارۃً بمعنے العقد آتا ہے اس لیے کہ جماع کے جملہ اسمائے کنایہ کے طور پر آتے ہیں۔ وُہ اس لیے کہ اہلِ عرب جیسے اس کے عمل کو ظاہر کرنا قبیح سمجھتے ہیں ایسے ہی اس کے نام لینے کو بھی قبیح جانتے ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ قبیح کو بہتر شے کے لیے استعارہ کیا جائے۔

مسئلہ: یہ حکم اغلب حال کے مطابق ہے اس لیے کہ اہلِ ایمان کو جہاں زنا کے ارتکاب سے روکا ہے وہاں زنا کے مرتکبین کے ساتھ نکاح سے بھی منع فرمایا ہے کیونکہ اکثر دیکھا گیا ہے اور عادت کا تقاضا بھی یُونہی ہے کہ زنا کا عادی نیک عورتوں کی بجائے بدکردار عورتوں سے نکاح کا خواہشمند ہوتا ہے یا پھر اسے مشرک عورتوں سے نکاح کی آرزو ہوتی ہے۔ ایسے ہی فاسق و فاجر عورتوں کا حال ہے کہ وُہ بھی نیک انسانوں کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی بجائے بُرے اور مشرک مردوں سے نکاح کی خواہش رکھتی ہیں بلکہ وُہ نیک مردوں سے نفرت کرتی ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ جنسیت اور مشاکلت کو بھی معاشرہ میں بڑا دخل ہے۔ اور طبیعت کی ناموافقت، نفرت اور وحشت بلکہ افتراق کی موجب بنتی ہے۔

ف: یہاں پر الزانی کو مقدم کرنے میں اشارہ ہے کہ نکاح میں اصل مرد ہے اس لیے کہ اس کی طلب پہلے اسی سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ منگنی کا آغاز مرد کرتا ہے دوسری وجہ اس کی شانِ نزول ہے۔ مروی ہے

کہ فقراءِ مہاجرین نے مدینہ طیبہ کی دولتمند عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے کی رغبت ظاہر کی صرف اس ارادہ سے کہ ان غریبوں پر وہ دولت مند عورتیں خرچ کریں گی۔ ایسے ہی زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی۔ چنانچہ کاشفی نے لکھا کہ یہودیوں کے بعض لوگوں نے مدینہ کے مشرکین کی ہمسائیگی میں اپنے گھروں کے سامنے جھنڈے گاڑے ہوئے تھے تاکہ اہلِ اسلام کو ورغلا سکیں اور وہ اس ورغلانے پر مشرکین سے اجر و مزدوری لیتے تھے، بالخصوص غریب و مسکین مسلمان جو روزی سے تنگ تھے وہ ان کے ورغلانے پر ان کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے اور پھر اسلام میں کمزور پڑ جاتے جب مشرکین کی دولت مند عورتوں سے نکاح کر لیتے۔ چنانچہ اس معاملہ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی انھیں اس سے نفرت دلائی گئی اور سمجھایا گیا کہ یہ معاملہ زانیوں اور مشرکوں کا ہے تم اس سے بچو۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ زانی کا کام ہے کہ وہ یا تو زانیہ کے ساتھ نکاح کی رغبت کرے یا مشرکہ عورت کے ساتھ، اسی طرح زانیہ کا کام ہے کہ وہ زانی مرد یا مشرک سے نکاح کرے۔ فلہٰذا تم اے مسلمانو! ان کے گرد نہ گھومو تاکہ تم ان میں شمار نہ ہو جاؤ یا ان کی عادات کی پیروی کرو۔ جملہ اُولیٰ صرف تاکید کے لیے لایا گیا ہے ورنہ نفرت دلانے کے لیے جملہ ثانیہ کی ضرورت ہے اور تاکید سے جانبین کے علاقہ کی تاکید مراد ہے تاکہ تنفیر و زجر میں مبالغہ ہو۔ اس سے شرک سے نفرت دلانی مراد ہے اور اس میں نفرت دلائی گئی ہے کہ گویا زانیہ مشرکہ ہے وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ○ اور زانی کا نکاح حرام ہے مومنین پر، اس لیے کہ زانیوں سے نکاح کا تعلق اچھا نہیں اس لیے کہ وہ فاسق ہیں اور فاسقوں سے تشبیہ نامورونی ہے اور تہمت میں ملوث ہونا بھی ہے اور نسب میں طعن و تشنیع اور قبیح شہرت بھی ہوگی ان کے علاوہ اور مفاسد اور خرابیاں بھی، جنھیں کمینے اور رذیل لوگ بھی برداشت نہیں کرتے تو پھر اہلِ ایمان کب برداشت کریں گے۔

مسئلہ: کمینے اور رذیل مردوں سے اہلِ ایمان کا نکاح مکروہ تنزیہی ہے اور اسے لفظ حرم سے تعبیر کرنا زجر و توبیخ ہے یا یہ آیت وانکحوا الایامیٰ منکم سے منسوخ ہے اس لیے کہ ایامیٰ کا لفظ زانیہ کو بھی شامل ہے۔ اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: اس کا اوّل زنا تھا لیکن اس کا آخر نکاح ہے اور حرام فعل (زنا) حلال (نکاح) کو حرام نہیں کرتا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بری دوستی اور صحبت سے بچنا ضروری ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں سے دوستی اور تعلق ہو جو ہمارے والے ہوں کیونکہ صحبت کا طبیعت پر اثر ہوتا ہے۔ جیسے بعض امراض متعدی ہوتی ہیں ایسے ہی صحبت کا اثر دوسری طبائع پر پڑتا ہے۔

حدیث شریف: نہ مشرکین کے ساتھ ٹھہرو اور نہ ان کے اجتماع میں بیٹھو، اس لیے کہ ان کے اجلاس

میں شرکت کرے گا یا ان کے ساتھ نشست و برخاست کرے گا وہ انھیں سے ہوگا، اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یعنی ایک گھر میں مشرکین کے ساتھ نہ رہو اور نہ ہی ایک مجلس میں اکٹھے ہو تاکہ ان کی عادات و اخلاق تمھارے اندر نہ گھس جائیں اور نہ ہی ان کی سیرت قبیحہ اثرانداز ہو، اس لیے لوگ اپنی مخصوص عادات و اخلاق پر زندگی بسر کرتے ہیں اور ان کے ساتھی اور دوست اسی عادات و اخلاق کے ہوتے ہیں ؎

ہمہ مرغان کنند با جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

ترجمہ: تمام پرندے اپنے ہم جنسوں کے ساتھ پرواز کرتے ہیں کبوتر کے ساتھ کبوتر اور باز کے ساتھ باز۔

اور ہر ساتھی اپنے ساتھی کا ہم مثل ہوتا ہے ؎

عن المرء لا تسئل وابصر قرینه
فان القرین بالمقارن یقتدی

ترجمہ: کسی کی عادات و اخلاق دیکھنے ہوں تو اس کے دوست کو دیکھ لو، اس لیے کہ ہر ساتھی اپنے ساتھی سے پہچانا جاتا ہے۔

اہلِ فساد فسادیوں کے دوست ہوتے ہیں اور دل سے ان کے ساتھ ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر ان کے گھر ایک دوسرے سے بہت دُور ہوں، اور نیک لوگ نیکوں کے دوست ہوتے ہیں اگرچہ بظاہر ان کے مکانات میں بہت زیادہ فاصلہ ہو۔ کاشفی نے لکھا کہ جنسیت ملاقات کا سبب ہے اور ہم شکل ہونا الفت کا موجب ہے ؎

ہرکس مناسب گہر خود گرفت یار
بلبل بباغ رفت و زغن سوئے خارزار

ترجمہ: ہر شخص اپنی طبع کے مناسب دوست تلاش کرتا ہے، بلبل باغ کو جاتی ہے اور گدھ جنگلوں میں۔

مسئلہ: اہلِ ایمان پر لازم ہے کہ وُہ بُرے دوستوں سے دُور رہیں تاکہ بُرے احوال و اعمال کا ان پر اثر نہ پڑے۔ زمخشری کے کلماتِ میں سے ہے کہ اپنی نشست و برخاست اپنے ہم جنس لوگوں سے رکھیے۔ یعنی تمہیں چاہیے کہ ایسے کو دوست بناؤ جو تمہاری طبع کے موافق ہو۔ اس لیے کہ غیرجنس کو دوست بنانا سخت عذاب میں مبتلا ہونا ہے۔

مسئلہ: فقہی مسائل میں ہے کہ نصرانی عورت فربہ کو دیکھ کر یہ تمنا کرنا کہ کاش وہ نصرانی ہوتا اور اس سے نکاح

کرتا، تو ایسی تمنا کفر ہے۔ بعض نے کہا وہ اس لیے کہ موٹی عورتیں اہلِ ایمان بھی ہوتی ہیں لیکن چونکہ اس نے جنسیت کی آرزو کی اس لیے کافر ہوگیا۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ بقدرِ الامکان اپنے آپ کو بچائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ غیور ہے۔ اس کی غیرت سے ہر وقت ڈرنا چاہیے۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ۔ الرمی اعیان میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے پتھر وغیرہا۔ اور کبھی گفتگو میں بھی آتا ہے جس سے گالی مراد ہوتی ہے۔ مثلاً بہتان تراشی وغیرہ۔ اگرچہ اس کا حقیقی معنیٰ مطلقاً پتھر مارنا وغیرہ ہے۔

الارشاد میں ہے کہ ان کی بہتان تراشی کو الرمی سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ جیسے رمی سے مرمی (جسے پتھر، تیر وغیرہ مارا جائے) کو سخت درد پہنچتا ہے ایسے ہی جن پاکدامن عورتوں پر بہتان تراشا ہے انھیں بھی ایسے ہی ذہنی دکھ درد پہنچتا ہے اس لیے کہ زبان کا زخم بہ نسبت پتھر اور تیر کے زخم، گہرا ہوتا ہے۔

المحصنات پاک دامن عورتیں۔ اگر بالفتح ہو تو وہ عورتیں جو اپنی پاکدامنی کی حفاظت خود کریں۔ اگر بالکسر ہو تو ان کی حفاظت دوسروں سے ہوتی ہے۔ الحصن کا معنیٰ معروف ہے۔ اس کے بعد مجازاً اس شے کو کہا جاتا ہے جو دوسروں کی حفاظت کرے۔ مثلاً کہتے ہیں:

درع حصینۃ۔ (زرہِ مضبوط)

وہ اس لیے کہ زرہ بدن کی حفاظت کرتی ہے۔ اور کہتے ہیں: فرس حصان۔ وہ اس لیے کہ گھوڑا اپنے سوار کی حفاظت کرتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے: امراۃ حصان۔ پاکدامن عورت کو کہتے ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ لوگ جو پاکدامن عورتوں پر زنا کی تہمت لگاتے ہیں ہم نے محصنات کا معنیٰ زنا سے پاک دامن کا اس لیے کیا ہے کہ اس سے قبل زانی عورتوں کا بیان ہوا ہے۔ اس اعتبار سے یہاں محصنات سے زنا سے پاکدامن عورتیں مراد ہیں۔ یہاں پر محصنات کی تخصیص صرف اس لیے ہے کہ ان پر بہتان تراشی عموماً ہوا کرتی ہے ورنہ اس حکم میں عورتیں اور مرد برابر ہیں۔ اور المحصنات سے بھی اجنبی عورتیں مراد ہیں ورنہ اپنی عورتوں پر بہتان باندھنے کا مسئلہ اور ہے۔ اس کی تفصیل اس کے بعد آئے گی۔

مسئلہ: علماء کرام کا اتفاق ہے کہ احصان القذف کی پانچ شرائط ہیں:

۱۔ حریت
۲۔ بلوغ
۳۔ عقل
۴۔ اسلام
۵۔ عفۃ عن الزنا۔

یہاں تک کہ اگر کسی نے ایک بار اوّل بلوغ میں ایک بار زنا کرکے تائب ہُوا اور پھر ہر طرح کی بُرائی سے محفوظ رہا
اگر ایسے شخص پر کسی نے زنا کی تہمت باندھی تو بہتان تراشی پر کوئی حد نہیں۔

مسئلہ : زنا کی تہمت کے الفاظ یہ ہیں :

عاقل محصنہ (جس پر پہلے زنا کی تہمت نہ لگی ہو) کو کہے ؛

یا زانیہ یا ابن الزانی یا ابن الزانیہ یا ولد الزنیٰ ۔یا تُو اپنے باپ کی نہیں ۔یا غصے میں کہے کہ
اے فلاں کی بیٹی ۔ اور دوسرے کو قذف یعنی تہمت اور بہتان تراشی میں ہے :

یا فاسق یا شراب الخمر یا آکل الربا، یا خبیث یا نصرانی یا یہودی یا مجوسی۔

ان صورتوں میں اسی طرح تعزیر واجب ہے جیسے غیر محصن تہمت و بہتان تراشی سے۔

مسئلہ : تعزیر کی زیادہ سے زیادہ سزا تیس کوڑے اور کم سے کم تین، تاکہ تعزیر کی سزا حد شرعی کے درجہ کو نہ پہنچے اس لیے کہ غلام کی حدِ شرعی چالیس کوڑے ہے جبکہ وہ غیر محصن پر سزا کی یا شراب پیئے تو اسے چالیس کوڑے مارے جاتے ہیں ۔لیکن امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ انھیں آزاد مرد کی سزا کے برابر اسّی کوڑے مارے جائیں۔ اس سے کم کا قول بھی ہے اور پانچ کوڑے بھی ایک روایت میں مذکور ہیں ۔ اور ایک روایت میں سَو کوڑا بھی منقول ہے۔

مسئلہ : حد اور تعزیر میں فرق یہ ہے کہ حد کی سزا مقرر ہے اور تعزیر کی کوئی سزا مقرر نہیں وہ حاکم وقت کی رائے اور اس کی صوابدید پر موقوف ہے نیز حدِ معمولی سے شبہ سے ساقط ہوسکتی ہے لیکن تعزیر ساقط نہیں ہوتی اور حد بچے پر نہیں لگتی، تعزیر جاری ہوسکتی ہے ۔ اور حد کا اطلاق ذمی پر ہو گا اگرچہ مقدراً،اور تعزیر کا اس پر اطلاق نہ ہو گا ، اس لیے کہ تعزیر تطہیر کے طور جاری کی جاتی ہے اور کافر تطہیر کا اہل نہیں ، ہاں اہل ذمہ کی حد جبکہ غیر مقدر ہو کو عقوبت کہا جائے گا اور وقت گزر جانے سے حد ساقط ہو جاتی ہے ۔لیکن تعزیر ساقط نہ ہو گی ۔ اس لیے دوسرے حقوق کی طرح تعزیر میں حق العبد ہے تعزیر میں معافی اور شہادۃ علی الشہادت جائز ہے اور اس میں قسم بھی جاری ہوسکتی ہے بخلاف حد کے کہ اس میں مذکورہ بالا کا اجراء نہیں ہوسکے گا۔

ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ پھر وہ چار گواہ نہیں لا سکتے جو ان کے دعویٰ کی گواہی دیں۔

مسئلہ : حدود میں عورتوں کی گواہی غیر قابلِ قبول ہے اس لیے کہ حدِ زنا میں اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔

نکتہ : لفظِ ثمّ میں اشارہ ہے کہ اس معاملہ میں اگر گواہی دیر سے دی جائے تو بھی جائز ہے۔

مسئلہ : امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک گواہوں کی گواہی یک وقت ضروری ہے اسی لیے لفظ لم لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ فرداً فرداً گواہی کے قابل نہیں ۔اسی لیے امام اعظم رضی اللہ عنہ نے گواہی کے لیے اجتماع الشہود کی قید لگائی ہے ۔یعنی گواہی کے وقت گواہوں کا ایک مجلس میں ہونا واجب ہے خواہ اس مجلس میں

گواہی فرداً فرداً ادا کریں۔ چاروں گواہوں کی قید سے ظاہر ہے کہ اگر ان میں ایک کم ہوگیا تو بہتان تراشوں پر نصاب کی کمی کی وجہ سے حد قذف ہو گی۔

مسئلہ: اگر تمام گواہ نابینے ہوں یا تمام محدود فی القذف ہوں یا ایک یا کوئی گواہ غلام ہو تو بھی بہتان تراشوں پر حد قذف ہوگی اس لیے کہ یہ لوگ شہادت کے اہل نہیں۔

فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً۔ ثمنین مصادر کی طرح منصوب ہے اور جلدۃ تمیز ہے اسی لیے منصوب ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اگر بہتان تراش آزاد ہو تو اسے اسّی کوڑے، اگر غلام ہو تو چالیس کوڑے مارے جائیں کیونکہ ان کا جھوٹ ظاہر ہوگیا اور ان کی بہتان تراشی واضح ہو چکی ہے جبکہ چار گواہ پیش کرنے سے عاجز ہو گئے ہیں۔

مسئلہ: اگر قاذف بہتان تراش زانی ہو تو قاذف پر تعزیر ہے، اس پر حد نہیں۔ مگر مقذوف جس پر بہتان تراشا ہے ثابت ہو جائے تو نہ مقذوف معاف کر سکتا ہے اور نہ ہی اس سے معافی کی درخواست کی جا سکتی ہے۔

مسئلہ: ثبوت حد کے بعد اگر قاذف و مقذوف مال لے دے کر صلح کریں تو ایسی صلح ناجائز ہے۔ ہاں قبل از ثبوت حد مال وغیرہ سے صلح ہو سکتی ہے۔

مسئلہ: نابالغ اور مجنون اگر اپنی عورت پر افترا باندھیں یا کوئی اجنبی غیر عورت پر افترا کریں۔ اور گواہ نہ پیش کر سکیں تو ان پر حد نہیں اور نہ ہی لعان کر سکتے ہیں۔ بعد بلوغ اور مجنون کے بھی لعان وغیرہ نہیں کر سکتے۔ ہاں ان پر زجر و توبیخاً تعزیر ہے۔

مسئلہ: اگر کسی نے بار بار کسی پر زنا کی تہمت لگائی، اگر ایک ہی سے زنا کا افترا کیا تو گواہ نہ پیش کرنے سے اس پر ایک حد ہے۔ اگر مختلف نام لے کر افترا کیا، مثلاً کہا کہ تو نے زید اور عمرو سے زنا کرایا۔ اگر گواہ نہ ہو تو متعدد الفاظ کی وجہ سے اس پر متعدد حدیں قایم کی جائیں گی۔ (کذا فی الکبیر)

وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا اس کا عطف اجلدوا پر ہے۔ اس کے حکم میں داخل اور اس کا تمتہ ہے۔ یعنی جیسے اس میں زجر و توبیخ ہے۔ ایسے ہی اس میں ان کی شہادت کا قبول نہ ہونا ان کے قلب کو دکھ درد پہنچے گا جیسے جلد سے بدن کو درد پہنچانا مطلوب تھا۔ ایسے ہی اس میں قلب کو درد پہنچانا مطلوب ہے تاکہ اسے اس درد کی پوری پوری سزا ملے جو اس نے مقذوف کو زبان سے درد پہنچایا۔ لھم میں لام فعل محذوف کے متعلق اور شہادت سے حال ہے اور شہادۃ سے لھم کو مقدم اس لیے کیا گیا کہ وہ نکرہ ہے۔

ف: ان کی شہادت قبول نہ کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ تہمت باندھنے سے اُن کی شہادت ان سے سلب ہو گئی جبکہ وہ تہمت نہ باندھنے سے شہادت کے اہل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد کافر محدود فی القذف کی

شہادت قبول ہے۔ اس لیے کہ اسلام سے پہلے وُہ شہادت کا اہل نہیں تھا۔ جب اسلام قبول کیا تو اب وُہ شہادت کے قابل ہُوا اور حد قذف کا حکم اس اہلیت سے پہلے کا تھا۔ اب آیت کا معنی یُوں ہُوا کہ قاذفین کی شہادت کسی حال میں بھی قبول نہ کرو اس لیے کہ قذف سے وُہ شہادت کے اہل نہیں رہے۔ اَبَدًا ان کی مدت العمر تک۔ اگرچہ اس گناہ سے توبہ کر کے نیک ہو جائیں وَاُولٰٓئِكَ صرف وہی هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ فسق اور خروج عن الطاعۃ اور تجاوز عن الحد میں کامل ہیں۔ اس معنے پر گویا فاسقون میں لفظ فاسق کا صرف وہی مستحق ہے۔

مسئلہ: تفسیر الکبیر میں ہے کہ قذف کے مرتکب کو فاسق کہنے سے ثابت ہُوا کہ بہتان تراشی کبیرہ گناہ ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا یہ الفاسقین سے استثناء ہے مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ مگر وہ لوگ جنہوں نے بہت بڑے گناہ کے ارتکاب کے بعد توبہ کی وَاَصْلَحُوْا اپنے اعمال کی اصلاح کی۔ مثلاً حد قذف کے لیے سر جھکانا اور مقذوف سے معافی طلب کرنا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ جو استثناء سے فوائد حاصل ہوئے ان کی تعلیل ہے کہ وہ اللہ غفور رحیم ہے وہ بموجب فسق مواخذہ نہیں فرماتا اور نہ ہی انھیں فاسقون میں داخل فرماتا ہے اس لیے کہ وُہ بہت بڑی مغفرت و رحمت والا ہے۔

ف: آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت بڑا رحیم و کریم ہے کہ ان کی خطاؤں پر پردہ ڈالتا ہے باوجودیکہ ان کے اپنے عزیز و اقارب یا دوست وغیرہم ان کے عیوب و نقائص کو ظاہر کرنے کے درپے رہتے ہیں اور پھر اگر بندوں کا آپس میں کسی معاملہ پر اختلاف ہو جائے تو ان کا صدق و کذب کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتا۔ بلکہ ایک ایسا طریقہ ان کے سامنے رکھتا ہے کہ جس سے کسی ایک کو جُھوٹا نہیں قرار دیا جا سکتا۔ پھر حدود کا حکم دے کر انھیں ادب سکھایا تاکہ آئندہ ایسی غلطی کا ارتکاب نہ کریں اسی لیے ان کی گواہی ہمیشہ کے لیے رد فرمائی اور ان کا نام فاسق رکھا تاکہ تادیب سے بُرائی کا ارتکاب نہ کریں نیز انھیں ترغیب دلائی کہ وہ صفاتِ ستاریہ و کریمیہ و رحیمیہ سے موصوف ہوں اپنے بھائیوں کے عیوب و نقائص کو چھپائیں ان کی خطاؤں اور غلطیوں کے افشاء سے احتراز کریں۔

حدیث شریف ۱: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بندے سے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے جو دوسروں کے عیوب و نقائص کا اظہار کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اے زبان سے ایمان قبول کرنے والو، اور دل سے منکرو، یعنی منافقو! مسلمانوں کے عیوب و نقائص کے درپے نہ رہو، اس لیے کہ جو بھی کسی دُوسرے بھائی کے عیوب و نقائص کے درپے رہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ محشر میں برسر میدان عوام کے سامنے رُسوا فرمائے گا۔

حدیث شریف ۲: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کسی مسلمان کا عیب و خطا چھپاتا ہے

قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کے عیب و خطا چھپائے گا۔
حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

۱ منہ عیب خلق فرومایہ پیش
کہ چشمت فرو دوزد از عیب خویش

۲ گرت زشت خوئے بود در سرشت
نہ بینی ز طاؤس جز پاے زشت

۳ طریق طلب کز عقوبت رہی
نہ حرفے کہ انگشت برو ئے نہی

ترجمہ: ۱۔ نالائق مخلوق کے عیب ظاہر نہ کر، اس لیے کہ تیرے عیب سے تیری آنکھ بند ہے۔
۲۔ اگر کوئی بُری عادت تجھ میں ہے (تو تجھے نظر نہیں آتی) جیسے مور کو اپنے پاؤں کا عیب۔
۳۔ طریقت کے راہ میں یہی ہے کہ عذاب سے نجات پانا ہے تو کسی کے عیب پر انگشت نمائی نہ کر۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ کمال مہربانی اور نوازش فرماتا ہے کہ گناہوں کے ارتکاب پر ان کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اگرچہ وہ کتنے ہی بڑے گناہ ہوں۔ لیکن صرف زبانی توبہ سے قبولیت کی امید نہیں رکھنی چاہیے جب تک انسان اپنے فساد حال کے ازالہ اور اصلاحِ اعمال کا مظاہرہ نہ کرے۔

بعض مشایخ نے فرمایا کہ اصلاحِ اعمال و ازالہ فساد حال اور توبہ کی قبولیت کی ایک علامت یہ ہے کہ بندہ اپنے بُرے عمل سے مکمل طور پر نہ صرف باز آجائے بلکہ اس کی ہر طرح سے مذمت کرے اور اس سے زمانۂ سابق میں جو کچھ ہُوا اس پر اظہارِ ندامت کرے اور علم و عمل کی اتباع میں سر کی بازی لگائے۔ جو شخص توبہ کے بعد ایسا طریقہ اختیار نہیں کرتا اسے توبہ کی قبولیت کی امید نہیں رکھنی چاہیے ؎

۱ فرا شو چو بینی در صلح باز
کہ ناگہ در توبہ گردد فراز

۲ مرو زیر بار گناہ اے پسر
کہ حمال عاجز بود در سفر

۳ بہشت او ستاند کہ طاعت برد
کرا نقد باید بضاعت برد

۴ اگر مرغِ دولت ز قیدت بجست

ہنوزش سر رشتہ داری بدست۔

ترجمہ: (۱) آگے بڑھ جب صلح کا دروازہ کھلا ہے کہ اچانک توبہ کا دروازہ بند ہوگا۔

(۲) اے عزیز! گناہوں کے بوجھ تلے مت آ، اس لیے کہ بوجھ والا سفر میں عاجز ہو جاتا ہے۔

(۳) بہشت وہ لے گا جو نیکی لائے گا، جس کے پاس نقد پیسہ ہوتا ہے سامان وہی خریدتا ہے۔

(۴) اگر دولت کا مرغ تجھ سے بھاگ گیا۔ اسے مضبوط رکھ کہ ابھی اس کی رسّی کا سرا تیرے ہاتھ میں ہے۔

سبق: انسان پر لازم ہے کہ موت سے پہلے اپنے اعمال کی اصلاح کرے ورنہ جب موت آ جائے گی تو پھر اصلاح اعمال کا موقعہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ اب ان لوگوں کا بیان ہے جو اپنی عورتوں پر تہمت باندھتے ہیں اس سے قبل ان لوگوں کا بیان تھا جو غیروں پر بہتان تراشی کا ارتکاب کرتے تھے۔ یعنی وہ لوگ جو اپنی عورتوں پر زنا کی تہمت باندھتے ہیں۔ مثلاً کہا:

یا زانیۃ یا زنیتِ۔ تُو نے زنا کیا۔

یا رأیتك تزنی۔ میں نے تجھے زنا کراتے دیکھا۔

مسئلہ: بحرالعلوم میں ہے کہ جب کسی نے اپنی عورت سے کہا: یا زانیۃ۔ (حالانکہ وہ دونوں محصن ہیں) عورت نے جواب دیا: لا، بل انت۔ میں تو زانیہ نہیں بلکہ تُو ہے۔ اس صورت میں عورت پر حد ہے کیونکہ اس نے اپنے شوہر پر تہمت باندھی اور مرد پر حد نہیں، بلکہ وُہ چاہے تو لعان کرے۔

مسئلہ: قاذف پر بھی جب تک دعویٰ دائر ہو کر حاکمِ وقت کے ہاں مقدمہ پیش نہ ہو اس وقت تک وہ لعان نہ کرے۔

لعان کا آغاز حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب آیت والذین یرمون المحصنٰت ثم لم یأتوا باربعۃ شھداء نازل ہُوئی تو عاصم بن عدی الانصاری نے کہا کہ اگر کوئی اچانک گھر میں داخل ہو اور اپنی عورت کے ساتھ کسی غیر مرد کو بُرائی کرتا دیکھے اور وُہ چار گواہ تلاش کرنے جائے تو اس وقت تک وہ برائی سے فارغ ہو کر نکل جائے گا اور اگر اسے اس حالت میں قتل کر دے تو پھر قاتل قتل کیا جائے گا، اور اگر وُہ کہے کہ میں نے اپنی عورت کے ساتھ فلاں کو بُرائی کرتے دیکھا تو حدِ قذف میں کوڑے کھائے گا۔ اگر خاموش رہے گا تو غیظ و غضب سے رہا نہ جائے گا تو اب کیا کرے؟ اے اللہ تعالیٰ! تُو ہی ہماری اس مشکل کو حل فرما دے۔

اسی عاصم کا چچا عویمر نامی تھا۔ اس کی بیوی خولہ بنتِ قیس تھی وہ اپنے چچازاد عاصم کے پاس آیا اور

کہا کہ میں نے اپنی بیوی کے ساتھ شریک بن سحما کو برائی کرتے دیکھا ہے۔ عاصم نے سُن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضری دی اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے ابھی ابھی آپ سے جو سوال کیا تھا اس میں میرے خاندان کے لوگ بہت جلد آزمائش میں مبتلا ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کیسے؟ عرض کی: میرے چچا زاد عویم نے کہا کہ میں نے اپنی عورت خولہ کے ساتھ شریک کو برائی کرتے دیکھا ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو بلایا اور سب سے پہلے عویم سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: اے عویم! اپنی چچا زاد یعنی اپنی زوجہ کے بارے میں خوفِ خداوندی کو سامنے رکھیے اس پر بہتان تراشی نہ کیجئے۔ عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بخدا! میں نے شریک کو اپنی عورت کے پیٹ پر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور چار ماہ سے میں نے اپنی زوجہ سے مجامعت بھی نہیں کی اور اب وہ حاملہ ہے۔ اس سے واضح ہے کہ وہ حمل غیر کا ہے۔ پھر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زوجہ خولہ سے فرمایا کہ خدا کا خوف کھا کر سچ سچ کہہ دے۔ اس نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! عویم ایک باغیرت انسان ہے اس نے شریک کو دیکھا کہ وہ میری طرف غور سے دیکھتا اور کبھی کبھی میرے ساتھ گفتگو کرتا۔ محض اتنی سی بات پر میرے شوہر نے مجھ پر تہمت باندھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس جھگڑے پر یہ آیت نازل ہوئی: والذین یرمون ازواجھم۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عورت پر قذف کے بجائے لعان کیا جائے۔ اس لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت نماز کے اعلان کا حکم فرمایا۔ عصر کی نماز ادا کر کے عویم کو فرمایا: اُٹھ کھڑا ہو اور کہہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ بخدا! خولہ زانیہ ہے اور میں یقیناً سچا ہوں۔" پھر دوبارہ کہلوایا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ بخدا! میں نے شریک کو اپنی عورت سے زنا کرتے دیکھا۔ اور واقعی میں سچا ہوں۔" تیسری بار فرمایا: کہو "میں گواہی دیتا ہوں کہ بخدا! خولہ میرے غیر سے حاملہ ہوئی ہے اور یقیناً میں سچا ہوں۔" چوتھی بار کہلوایا کہ "میں گواہی دیتا ہوں کہ بخدا! خولہ زانیہ ہے اور میں نے اس کے ساتھ چار ماہ سے جماع نہیں کیا اور میں یقیناً سچا ہوں۔" پانچویں بار کہلوایا کہ "عویم پر لعنت ہو اگر وہ جھوٹا ہو۔" اس کے بعد عویم سے فرمایا: بیٹھ جا۔ اور خولہ سے فرمایا: اُٹھ کھڑی ہو۔ جب وہ اُٹھی تو اس سے کہلوایا کہ "میں گواہی دیتی ہوں کہ میں سچی ہوں میرا شوہر جھوٹا ہے۔" دوسری بار کہلوایا کہ "میں گواہی دیتی ہوں کہ شریک نے میرے ساتھ زنا نہیں کیا میرا شوہر جھوٹ بولتا ہے۔" تیسری بار کہلوایا "میں گواہی دیتی ہوں کہ میں اپنے شوہر عویم سے حاملہ ہوں وہ جھوٹ بولتا ہے کہ میرا حمل اس کے غیر سے ہے۔" چوتھی بار کہلوایا کہ "میرے شوہر نے مجھے برائی کرتے نہیں دیکھا، وہ جو کچھ کہتا ہے جھوٹ بولتا ہے۔" پانچویں بار کہلوایا کہ "خولہ پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اگر عویم اپنے دعوے میں سچا ہو۔" ان گواہیوں کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان جدائی کا حکم صادر فرمایا اور فرمایا کہ جب لڑکا پیدا ہو تو اس کی ماں کے حوالے کر دینا اسے باپ کی طرف منسوب نہ کرنا چنانچہ

یہی مضمون قرآن مجید میں یوں ہے :

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اور وہ لوگ جو اپنی عورتوں پر تہمت لگاتے اور ان کے پاس گواہ بھی نہیں جو ان کے دعوے پر ان کے لیے گواہی دیں۔ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ یہ شهداءُ سے بدل ہے اور انہیں شہداء میں شامل کرنے میں اشارہ ہے کہ ان کی بات دعوٰی کے طور کہنا بھی ایک قسم کی شہادت ہے۔ اس معنے پر ان کی بات کو بھی شہادت میں شامل کیا جائے گا فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ یہ مبتدا ہے اس کی خبر اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ ہے۔ یعنی ان میں سے ہر ایک کی شہادت مشروعہ چار شہادتیں ہوں بِاللّٰهِ شَهٰدٰت کے متعلق ہے اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ بخدا وہ جو اپنے دعوے میں سچّا ہے۔ یہاں لفظ علیٰ محذوف ہے۔ حرف جارہ کو حذف کر کے ان کو مکسور پڑھا گیا ہے تاکہ مضمون کی تاکید ہو جائے وَالْخَامِسَةُ اور پانچویں شہادت۔ یعنی ان چاروں کے بعد پانچویں شہادت کو ملا کر یہ پانچ شہادتیں ہوں گی۔ اور پانچویں شہادت میں کہے اَنَّ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔ لعنت بمعنے طرد و ابعاد ہے۔ اور آخرت میں اس کا اثر عذاب سے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ کے قبولِ فیض و توفیق سے محرومی۔ اور انسان کا اس طرح کہنا اس کی بد دعا پر دلالت کرتا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ کفار پر لعنت تا قیامت مسلسل رہے گی۔ اور مسلمانوں کی لعنت خیر سے دُوری کا نام ہے اور جو بھی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ اس وقت خیر و بھلائی سے دُور ہو جاتا ہے اور جب معصیت کو چھوڑ کر نیکی کرتا ہے تو وہ خیر و بھلائی کے قریب ہو جاتا ہے۔

اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ اگر وہ جھوٹا ہو اس دعوٰی میں جو اس نے زنا کی تہمت لگائی ہے۔

مسئلہ : جب مرد عورت سے لعان کر چکے تو پھر عورت کو قید کیا جائے یہاں تک کہ وہ اپنی غلطی کا اعتراف کرے تو سنگسار کی جائے یا وہ بھی لعان کرے۔

وَیَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ جس عورت پر تہمت باندھی گئی ہے اس سے دنیوی عذاب دفع کرنے کے لیے اور دنیوی عذاب میں ایک سنگساری ہے اور یہی عذاب شدید ترین ہے۔ دَرَءَ بمعنے دفع۔

حدیث شریف میں ہے :

ادرأو الحدود بالشبہات۔

(حدود کو شبہات سے دفع کرو)

اس میں اشارہ ہے کہ مجرم کو حد سے بچانے کے لیے جائز حیلہ بنانا جائز ہے۔

اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ یہ کہ عورت چار گواہیوں میں کہے بخدا اس کا

شوہر جھوٹا ہے اس دعویٰ میں جو اس نے مجھ پر تہمت باندھی۔ وَالْخَامِسَةُ منصوب ہے اس کا عطف اربع شہادات پر ہے۔ یعنی پانچویں شہادت پر کہے اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَا۔ الغضب بمعنے انتقام کے ارادہ پر قلب کے خون کا کھولنا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غصہ سے بچو، اس لیے کہ ابن آدم پر وہ ایک انگارہ ہوتا ہے جو غصہ سے روشن ہوتا ہے۔ کیا تم نے غصہ والے کو نہیں دیکھا کہ غصہ کے وقت اس کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سُرخ ہوجاتی ہیں۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کی طرف غضب کی نسبت بایں معنی جائز ہے کہ وہاں پر مطلقاً غیر سے بدلہ لینا مراد ہوتی ہے۔ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ اگر میرا شوہر سچا ہو اس دعویٰ میں جس میں اس نے مجھ پر زنا کی تہمت لگائی ہے۔

نکتہ: عورت کے لیے غضب اور مرد کے لیے لعنت کے استعمال میں عورت پر تغلیط مطلوب ہے اس لیے کہ عورتوں میں فسق وفجور کا مادہ زیادہ ہے بہ نسبت مردوں کے۔ علاوہ ازیں عورتیں اپنی عام گفتگو میں لعنت کو بہت زیادہ استعمال کرتی ہیں اس لیے انھیں لعنت کے لفظ سے کوئی خطرہ نہیں ہوگا بخلاف لفظ غضب کے کہ اس سے اسے خطرہ ہوگا جبکہ ایک غیر مانوس لفظ اس کے سامنے آئے گا۔

مسئلہ: عورت لعان کے بعد مطلقہ بائنہ ہوگی۔ یہی امام ابوحنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ کا مذہب ہے اور اس کا حکم تابیدی بھی نہیں یہاں تک کہ اگر مرد بعد کو کہے کہ میں نے لعان میں جھوٹ کہا ہے میری عورت کا کوئی قصور نہیں۔ اب اسے مطلقہ بائنہ نہیں قرار دیا جائے گا بلکہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے ساتھ نکاح کرے۔ لیکن اس جھوٹ کی وجہ سے اس پر حدِ قذف ہوگی۔ لیکن امام ابویوسف وزفر وحسن بن زیاد وشافعی رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ فرقت دائمی ہوگی اس سے طلاق کو کوئی تعلق نہ ہوگا اور دائمی فرقت کا یہ معنیٰ ہے کہ اب کے بعد عورت و مرد آپس میں نکاح نہیں کر سکتے۔

مسئلہ: اگر زوج اہلِ شہادت سے نہ ہو مثلاً وہ عبد ہو یا کافر، اور عورت مسلمان ہوگئی اس وقت اس نے اپنی عورت پر زنا کی تہمت لگائی قبل اس کے کہ شوہر کو اسلام کی دعوت دی جائے یا محدود فی القذف ہو اور عورت اہلِ شہادت سے ہے تو مرد پر حد ہے اور لعان نہ ہوگا اس لیے کہ یہاں لعان کا موقعہ معدوم ہے۔ لعان کے تفصیلی مسائل ایسے ہی قذف کے جملہ مسائل کتبِ فقہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝ لولا کا جواب محذوف ہے اور اسے اس لیے محذوف کیا گیا ہے تاکہ بندے کے خوف وخشیت میں اضافہ ہو۔ نیز معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کا

احصار نہیں ہوسکتا۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اے تہمت تراشنے والو! اگر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم نہ ہوتا ایسے ہی اگر تمہارے افعال و اقوال کی کوتاہیوں کی توبہ قبول نہ کرتا اور اس کے احکام شرعیہ کے اجراء میں حکمتِ بالغہ نہ ہوتی منجملہ ان کے ایک لعان کا حکم بھی ہے تو تم پر ایسے عذاب کا نزول ہوتا جس کا بیان تمہارے لیے ناممکن ہے۔ منجملہ اس عذاب کے ایک یہ بھی ہے کہ اگر لعان کا حکم مشروع نہ فرماتا تو زوج پر حدِ قذف لازم ہوجاتی حالانکہ لفظا ہر اس کی بات ماننی پڑتی اس لیے کہ زوج اپنی زوجہ کے حالات کو خوب جانتا ہے اور نیز یہ بھی ممکن تھا کہ وہ اپنی عورت پر ایسا افترا نہ کرتا کیونکہ فضاحۃ و قباحت میں دونوں شریک ہیں۔ لیکن چونکہ لعان وغیرہ سے کسی قسم کی قباحت نہیں اس لیے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے نیز اگر اس کی شہادت اس کے لیے حدِ قذف کی موجب ہوتیں تو بھی اس کے ساتھ شفقت کیسی! بہرحال جملہ امور حکمتِ ایزدی اور اس کے لطف وکرم پر دلالت کرتے ہیں ان ہر ایک کی شہادت باوجودیکہ ان میں ایک کا جھوٹا ہونا لازمی ہے ایک دوسرے سے دنیوی سزا سے دفع کرنے والی ہے۔ یہ بھی اس کے کریم ہونے پر دلالت کرتا ہے کہ اس نے حکمت سے ایسا حکم جاری فرمایا کہ جس سے بندوں کو دُکھ تکلیف نہ ہو۔ اس دعویٰ میں سچے کی تو بات ظاہر ہے جھُوٹے کے لیے بھی رحمت ہے بایں معنیٰ کہ اسے مہلت مل گئی۔ اور دنیا میں اس کا پردہ رہ گیا اور اس سے حد دفع ہوگئی اور توبہ کے لیے اسے وقت مل گیا۔ یہ سب اس کی رحمت اور فضل وکرم ہے۔ کتنی ہی بلند شان کا مالک ہے اور بہت بڑی رحمت اور فضل وکرم والا ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اگر تم پر اللہ کی رحمت اور اس کا فضل وکرم اور بخشش نہ ہوتی اور وہ تمہاری توبہ قبول کرنے والا نہ ہوتا ایسے ہی وہ احکام کے لیے حدود قایم نہ فرماتا تو تم رسوائی میں مبتلا ہوتے اور پھر جھُوٹے کو سخت سزا ملتی، ایسے ہی فضلِ خداوندی شامل نہ ہوتا کہ اس نے اپنی سزا میں تاخیر نہ فرمائی ہوتی تو تم ہلاک ہوجاتے یا اگر فضل وکرم نہ ہوتا کہ فواحش سے زواجر و نہی نہ فرماتا تو تمہاری نسلیں منقطع ہوجاتیں اور لوگ ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرڈالتے یا یہ کہ اگر تم پر بخششِ الٰہی نہ ہوتی کہ تمہاری توبہ قبول نہ فرماتا تو تم ناامیدی میں سرگرداں رہتے۔ اس کریم نے تمہیں اپنی مدد اور توفیقِ توبہ عطا فرمائی ورنہ تم منزلِ مقصود تک ہرگز نہ پہنچتے۔

ف

گر توبہ مددگار گنہگار نبودے — او را کہ بسرحد کرم راہ نمودے

در توبہ نبودے کہ در فیض کشودے — زنگ غم از آئینہ عاصی کہ زدودے

ترجمہ: اگر توبہ گنہگار کی مددگار نہ ہوتی تو اسے سرحدِ کرم تک کون پہنچاتا۔ توبہ کا دروازہ نہ ہوتا تو فیض کا دروازہ کب کھلتا، عاصی کے آئینہ سے غم کا زنگ کون صاف کرتا!

(باقی برصفحہ ۱۴۹)

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ
امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ لَّوْلَا
إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ○ لَّوْلَا جَاءُوا
عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ○
وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ
عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ
هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ○ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا
سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ○ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○
وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ
فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ○
وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ ع

ترجمہ : بے شک وہ جو بہت بڑا بہتان لائے ہیں وہ تم میں سے ایک گروہ ہے اسے اپنے لیے شر نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لیے خیر ہے ان میں ہر ایک کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا اور ان میں وہ جس نے سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بڑا عذاب ہے کیوں نہ ہو جب تم نے سنا تھا کہ اہلِ ایمان مردوں اور عورتوں نے آپس والوں پر نیک گمان کیا ہوتا اور کہتے یہ کھلا بہتان ہے اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے تو جب وہ گواہ نہ لائے سو وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس مشغلہ میں تم نے حصہ لیا اس پر تمھیں بڑا عذاب پہنچتا تم اسے اپنی زبانوں پر ایک دوسرے سے نقل کر کے لاتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات بتا رہے تھے جس کا تمھیں علم نہیں تھا اور اسے تم معمولی سمجھتے تھے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے اور کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے سنا تھا کہا ہوتا کہ ہمارے لیے لائق نہیں کہ ہم ایسی بات کہیں، پاکی ہے تجھے، یہ بڑا بہتان ہے اللہ تعالیٰ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ آئندہ ایسا ہرگز نہ کرنا اگر ایمان دار ہو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات واضح طور پر بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے بیشک وہ لوگ جو چاہتے ہیں کہ اہلِ ایمان میں بڑا چرچا پھیلے دنیا و آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تم نہیں جانتے اور تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو تم اس کا

مزہ چکھتے) اور بے شک اللہ تعالیٰ بڑا مہربان رحمت والا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۴۷)

ف : بعض مشایخ نے فرمایا ولولا فضل اللہ علیکم و رحمتہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا دا نہ ولولا فضل عبادتکم وصلاتکم وجہادکم وحسن قیامکم بامر اللہ۔ یعنی تمہاری عبادت اور نماز اور اوامر الٰہی کے بجالانے کی فضیلت نہ ہوتی تو تم ہرگز نجات نہ پا سکتے تاکہ ہم ظاہر کریں کہ یہ تمہاری عبادت کا نتیجہ ہے ؎

چو روے بخدمت نہی بر زمین
خدا را ثنا گوے و خود را مبین

ترجمہ : جب تم خدمت کے لیے منہ زمین پر رکھو تو صرف اللہ تعالیٰ کی تعریف کرو خود کو درمیان میں نہ لاؤ۔

اے اللہ ! ہمیں اہل فضل وعطا ٔ ومحبت دولا سے بنا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ بے شک وُہ لوگ جو لائے ہیں افك یعنی بہت بڑا افترا و کذب، جو بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تراشا گیا۔

حل لغات : الافك کا حقیقی معنی ہے القلب یعنی الصرف۔ کیونکہ وُہ افترا جو کسی پر تراشا جاتا ہے وہ گویا اپنے طریقے سے ہٹ گیا ہے۔ اس سے وہی بہتان مراد ہے جو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر تراشا گیا۔ مناسبت ظاہر ہے کہ وہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا جو ستاد و ستائش کی مستحق تھیں، کیونکہ امانت و دیانت وصداقت اور عفت و شرافت آپ پر ختم تھی لیکن باوجود اینہمہ آپ کو قبیح امر سے متہم کیا گیا اس معنے پر جس نے آپ پر بہتان تراشا اس نے گویا اچھے اوصاف کو گندے اوصاف سے بدل ڈالا۔

واقعۂ افک حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کو تشریف لے جاتے تو قرعہ ڈالتے۔

ف : القرعہ بالضم، مٹی یا آٹا گوندھ کر اس کے اندر ایک کاغذ رکھ دیا جاتا جس پر سفر یا حضر لکھا ہوتا وہ کسی انجان بچے کو دے کر کہا جاتا کہ وہ ازواجِ مطہرات میں سے کسی ایک کو دے دے۔ وہ جسے دیتا اس پر عمل کیا جاتا (کذا فی القہستانی) جس بی بی کے نام قرعہ نکلتا حضور علیہ السلام اسی بی بی کو سفر میں ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ ہجرت کے پانچویں سال غزوہ بنی المصطلق کو جاتے ہوئے آپ نے قرعہ ڈالا تو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام نکلا۔ اس غزوہ کا دوسرا نام غزوۂ المریسیع ہے۔ (کذا فی انسان العیون) بنو المصطلق قبیلہ خزاعہ کی

ایک شاخ کا نام ہے۔ المصطلق، الصلق سے مشتق ہے بمعنے رفع الصوت۔ اور المریسیع خزاعہ کے پانی کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ یہ وسعت عین الرجل سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی آنکھ کی خرابی کی وجہ سے آنسو بہائے۔ یہ چشمہ قدید کے ایک کنارے پر واقع تھا۔

ف : القاموس میں ہے کہ المریسیع ایک کنواں ہے یا ایک چشمے کا نام ہے۔ غزوہ بنی المصطلق اسی کی طرف منسوب ہے۔ غزوۂ مذکورہ میں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تشریف لے گئیں اور یہ آیۂ حجاب کے نزول کے بعد کا واقعہ ہے آیۃ حجاب یاایّھا الذین لا تدخلوا بیوت النبی ہے۔ اس لیے کہ یہ آیت ۳ھ میں نازل ہوئی۔ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جنگ سے واپسی پر مجھے ہودج میں بٹھا دیا گیا جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے تو ایک جگہ قیام کیا۔ ہودج سے نکل کر قضائے حاجت کے لیے میں قافلہ سے کچھ دور چلی گئی۔ جب میں ضرورت سے فارغ ہوئی اپنے سامان کی طرف لوٹی، اچانک میں نے اپنے سینے پر ہاتھ لگایا تو ہار کو گم پایا جو شہر قطام کا بنا ہوا تھا۔ قطام، صنعاء کے قریب علاقۂ یمن کا ایک شہر ہے۔ الجزع بالفتح و سکون الزاء المعجمہ بمعنے خرز یمانی، وہ موتی جس میں سیاہی و سپیدی دونوں ہوں اور وہ آنکھ کے مشابہ ہوتا ہے۔ (کذا فی القاموس) اس زمانے میں وہ بارہ درم کی قیمت کا تھا۔ بی بی صاحبہ فرماتی ہیں اس ہار کو تلاش کرتے مجھے دیر ہوگئی۔ میرے کجاوہ بردار آئے، ان کا سردار ابو مویہبہ تھا وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام تھا، نہایت صالح انسان تھا۔ اس کے ساتھ ایک جماعت تھی جو بی بی صاحبہ کا کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھتی تھی۔ حسبِ عادت انہوں نے میرا کجاوہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا اور چل پڑے، ان کا خیال تھا کہ میں کجاوے میں ہوں۔ اس وقت عورتیں ہلکی پھلکی تھیں کیونکہ گوشت خوری سے موٹاپا پیدا ہوتا ہے اس وقت گوشت خوری نہ تھی (کذا فی انسان العیون) جب وہ کجاوہ اونٹ پر رکھ کر چلے گئے تو مجھے ہار مل گیا، میں اپنے مقام پر پہنچی تو قافلہ وہاں سے روانہ ہو چکا تھا۔ میں اس خیال سے وہیں بیٹھ گئی کہ جب وہ مجھے اونٹ پر ہودج میں نہیں پائیں گے تو وہ میری تلاش میں واپس آئیں گے۔ مجھ پر نیند غالب آگئی تو تھوڑی دیر کے لیے میں سو گئی۔ اندریں اثنا صفوان بن معطل سلمی رضی اللہ عنہ تشریف لائے وہ اس کام پر مامور تھے کہ ہمیشہ لشکر کے پیچھے رہتے تاکہ اگر کوئی چیز پیچھے رہ جائے یا گر پڑے تو وہ اسے اٹھا لائیں۔

قرطبی نے فرمایا کہ انھیں صاحبِ ساقہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا جاتا ہے۔ اور صحابہ میں یہ برگزیدہ صحابی تھے کما فی الانسان۔

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) جب وہ میرے پاس پہنچے، دیکھا کہ میں سو رہی ہوں، میرے قریب آئے اور مجھے پہچان لیا اور ان کے انّا للہ و انّا الیہ راجعون کہنے پر میں بیدار ہوئی۔ اور انہوں نے

یہ پڑھا بھی اسی لیے کہ میں جنگل میں تنہا تھی۔ یہ بھی ایک بہت بڑی مصیبت ہے۔ میں نے چہرے پر دوپٹہ ڈالا، یہ ایک چھوٹا سا کپڑا تھا جسے مقنعہ کہا جاتا ہے جس کے ساتھ عورتیں سر باندھتی ہیں۔ اُنھوں نے میرے ساتھ کوئی بات نہ کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا ان کا ادب تھا۔ انہوں نے اونٹ بٹھایا، میں اس پر بیٹھ گئی اور وہ اونٹ کی مہار پکڑ کر چل دیے۔ یہاں تک کہ ہم دوپہر کے وقت قافلے سے جا ملے۔ وہ بھی اُتر چکے تھے۔

مسئلہ: اسی واقعہ سے فقہاء کرام نے ثابت کیا ہے کہ اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں رہنا جائز ہے جب سفر طویل ہو بلکہ جب عورت کو کسی قسم کا خطرہ ہو تو واجب ہے۔

نکتہ: حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ سے امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے معانی الآثار میں لکھا کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا تمام عالمِ اسلام کے لیے محترم تھیں (اس لیے کہ آپ تمام اہل ایمان کی ماں تھیں) اور اس وقت دوسری عورت کبھی ساتھ نہ تھی اس لیے حضرت صفوان کو مجبوراً بی بی صاحبہ کے ساتھ چلنا پڑا۔

صاحبِ رُوح البیان کی تشریح فقیر (اسماعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے امام صاحب کا مقصد یہ ہے کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم سب کی سب اُمت کی محارم ہیں کما قال تعالیٰ:

وازواجه امهاتهم۔

اور ان کے ساتھ نکاح بھی حرام ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ولا تنکحوا ازواجه من بعده ابدا۔

لیکن ان سے افضل بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضور علیہ السلام کو قریب تر بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں اس لیے بابِ دین میں جتنا وافر حصہ بی بی خدیجہ کے بعد بی بی عائشہ کو نصیب ہُوا اور کسی بی بی کو نصیب نہیں ہوا، اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے میرے دین کی دو تہائیاں حاصل کرو۔ اس معنے پر بھی بی بی صاحبہ کی حُرمت اور مؤکد ہو جاتی ہے۔ اسی لحاظ سے بی بی صاحبہ سے سفر و حضر میں دین حاصل کرنا ضروری ہے (واللہ اعلم) بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ جب ہم مدینہ طیبہ پہنچ چکے اس کے بعد بہت سے بدقسمت بہتان و افترا کر کے تباہ و برباد ہُوئے ان سب کا سرِ فہرست اور پہلا افترا کرنے والا عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین تھا۔ یہ بدبخت اپنی جماعتِ منافقین کے ساتھ ایک جگہ بیٹھا تھا جب بی بی صاحبہ کو صفوان رضی اللہ عنہ لے کر مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے تو اس بدبخت نے قسم کھا کر اعلان کر دیا کہ (معاذ اللہ) ان دونوں سے بُرائی ہو گئی اس کے بعد سارے شہر میں عام شہرت پھیلا دی یہاں تک کہ منافقین ٹولیاں بن بن کر جگہ جگہ یہی گفتگو کرنے لگے۔ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں مدینہ طیبہ پہنچتے ہی بیمار پڑ گئی۔ اس بیماری میں مجھے

کامل ماہ گزر گیا ۔ میرے متعلق یہ خبر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور میرے والدین کو پہنچ گئی لیکن مجھے اس کے متعلق کوئی خبر نہ تھی صرف اتنا محسوس ہوتا تھا کہ حضور علیہ السلام کا میرے ساتھ وہ لطف و کرم نہیں رہا جو پہلے ہُوا کرتا تھا میں نے اپنی بیماری کے اثنا میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے میکے چلے جانے کی اجازت چاہی آپ نے بطیبِ خاطر مجھے والدین کے گھر جانے کی اجازت بخشی ۔ میں والدین کے گھر پہنچی اور کامل بیس پچیس دنوں سے زاید ایام بیماری میں گزار دیے ۔ ایک رات قضائے حاجت کے لیے میں بی بی ام مسطح کے ساتھ باہر جنگل کو جا رہی تھی ۔ یہ ام مسطح حضرت ابوبکر کی خالہ زاد تھیں اور ہم قضائے حاجت کے لیے رات کو جاتی تھیں اس لیے کہ اس وقت مدینہ طیبہ میں پاخانہ کی تعمیر کا رواج نہ تھا کیونکہ اسے عجمیوں کا طریقہ سمجھا جاتا تھا ۔ بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ جب ہم اپنی ضرورت سے فارغ ہُوئیں تو گھر کو روانہ ہُوئیں ۔ اس اثنا میں بی بی ام مسطح کا پاؤں ڈگمگا گیا ، فرمایا : مسطح برباد ہو ۔

ف : تعس مسطح بفتح العین وکسرھا بمعنے ہلاک ۔ اس سے بی بی صاحبہ کی مراد اپنے صاحبزادہ سے تھی ۔ مسطح خیمہ کی لکڑی کو کہا جاتا ہے ۔ ان کا اصلی نام عوف تھا ۔ میں نے انھیں کہا کیا آپ ایسے شخص کو گالی دیتی ہیں جو بدر کی جنگ میں حاضر تھا ۔ اُنھوں نے فرمایا : کیا تجھے معلوم نہیں کہ اس نے تیرے متعلق کیا کیا باتیں کی ہیں ۔ اس کے بعد مجھے سارا واقعہ سنایا ، میں سنتے ہی اور زیادہ بیمار ہوگئی اور اسی رات کو صبح تک میں روتی رہی نہ آنسو بند ہُوئے اور نہ ہی مجھے نیند آئی ؎

چشمم ز گریہ بر سر آب ست روز و شب
جانم ز نالہ در تب و تاب ست روز و شب

ترجمہ : میری آنکھ گریہ سے دن رات پانی رواں ہے میری روح رونے سے دن رات گرمی میں ہے ۔

اس کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے متعلق رائے لی ۔ بعض نے میرے لیے طلاق کا مشورہ دیا اور بعض نے صبر کا ۔ ایک ماہ تک میرے متعلق کوئی وحی نہ اُتری ۔ ایک دن حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے اور میرے والدین میرے پاس بیٹھے تھے حضور علیہ السلام آکر بیٹھے اور کلمۂ شہادت پڑھا ۔ اس کے بعد فرمایا :

اے عائشہ ! مجھے تیرے متعلق ایسی بات پہنچی ہے اگر تُو بری الذمہ ہے تو اللہ تعالیٰ تیری براءت کی آیات نازل فرمائے گا اگر تجھ سے غلطی ہوگئی تو تجھے اللہ تعالیٰ سے استغفار اور توبہ کرنی چاہیے اس لیے کہ بندہ جب گناہ کرکے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرلیتا ہے ۔ جب حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بیان ختم فرمایا تو میرے آنسو ختم گئے یہاں تک کہ میں اپنی آنکھوں میں ایک قطرہ بھی محسوس نہیں کرتی تھی ۔ میں نے اپنے

والدگرامی سے عرض کی کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے جواب دیجئے۔ والدگرامی نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جواب دُوں۔ اس کے بعد میں نے والدہ ماجدہ سے عرض کیا کہ آپ ہی کچھ فرمائیں۔ انہوں نے بھی یہی فرمایا۔ پھر میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ بخدا! مجھے یقین ہے کہ جو کچھ تم لوگوں نے سنا وہ تمہارے دلوں میں جم گیا اور تم نے اس کی تصدیق بھی کر لی اب اگر میں کہوں کہ میں اس قبیح فعل سے بری ہوں تو بھی تم تصدیق نہیں کرو گے اگر میں اس کا کچھ اعتراف کر لُوں (خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں اس سے بری ہوں) تو تم تصدیق کر دو گے بخدا اب میں اپنی اور تمہاری مثال سوائے اس کے اور کوئی نہیں پاتی وہی کہتی ہوں جو حضرت ابو یُوسف یعنی یعقوب علیہ السلام نے کہا: فصبر جمیل واللہ المستعان علیٰ ما تصفون۔ ع

صبرے کنیم تا کرم او چہ مے کند

ترجمہ: میں صبر کرتا ہُوں تاکہ دیکھوں کہ اس کا کرم کیا کرتا ہے۔

بی بی صاحبہ فرماتی ہیں کہ یہ کہہ کر میں واپس اپنے بستر میں آ گئی اور مجھے یقین تھا کہ میں بری ہُوں اور یہ بھی خیال گزرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ میری برأت کا اظہار فرمائے گا۔ لیکن یہ بھی خیال آتا کہ میں کہاں کہ وہ بے نیاز مجھ جیسی کے لیے وحی اتارے جس کی تلاوت کی جائے یعنی میں اپنے دل میں اپنی تحقیر کے تصور میں برأت کی آیات کے نزول کو دُور از قیاس سمجھتی تھی لیکن مایوس بھی نہیں تھی کہ ممکن ہے کہ میرے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں میری برأت کے متعلق کچھ معلوم فرمالیں یہاں تک کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر پہ ہی تھے اور ابھی اس مجلس سے اُٹھے بھی نہیں تھے کہ آپ پر وہی کیفیت طاری ہو گئی جو بوقتِ نزول وحی آپ پر ہوتی تھی آپ کے چہرے پر اسی وقت کپڑا اُڑھا دیا گیا اور آپ کے سرہانے چمڑے کا تکیہ رکھ دیا گیا آپ کے چہرے سے بوقتِ نزول موتیوں کی طرح پسینہ ٹپکتا تھا۔ جب آپ نے وحی سے فراغت پائی تو چہرہ اقدس سے پسینہ پُونچھتے ہوئے تبسم فرما کر سب سے پہلا کلمہ آپ کے منہ مبارک سے نکلا کہ اے عائشہ! تمہیں مبارک ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تیری برأت کا اظہار فرمایا ہے۔ میری والدہ نے فرمایا: اے عائشہ! اُٹھ اور حضور علیہ السلام کا شکریہ ادا کر۔ میں نے کہا میں صرف اپنے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گی جس نے آیاتِ برأت انّ الذین جاءو بالافك نازل فرمائیں۔

ف: سہیلی نے فرمایا کہ غزوۂ مذکورہ سے واپسی کے بعد ستائیس راتوں کے بعد مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کی آیات کا نزول ہوا۔ یہی عام مفسرین نے فرمایا۔

مسئلہ: رافضیوں کی طرح جو بھی بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر زنا کی نسبت کرے وہ کافر ہے اس لیے کہ وہ قرآنی نصوص کی تکذیب کرتا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ قرآنی آیات کا مکذب کافر ہے۔

دعا دافع الکرب: حیاۃ الحیوان میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب لوگ مجھ پہ بہتان

تراش رہے تھے تو میں نے خواب میں ایک نوجوان کو دیکھا جو مجھ سے پوچھتا: بی بی! تو کیوں غمگین ہے؟ میں نے سارا ماجرا سنایا۔ اس نے کہا: مندرجہ ذیل کلمات پڑھیے اللہ تعالیٰ تمہارا غم ٹال دے گا۔

یا سابغ النعم و یا دافع النقم و یا فارج الغم و یا کاشف الظلم و یا اعدل من حکم و یا حسیب من ظلم و یا اول بلا بدایۃ و یا آخر بلا نہایۃ اجعل لی من امری فرجا و مخرجا۔

بی بی صاحبہ فرماتی ہیں میں نے بیدار ہو کر کلماتِ مذکورہ پڑھے تو اس کے بعد آیاتِ برأت کا نزول ہوا۔

ف: بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چار شخصوں کی برأت کا اظہار فرمایا:

(۱) یوسف علیہ السلام کی برأت زلیخا کے خاندان کے ایک ننھے بچے سے۔

(۲) موسیٰ علیہ السلام پر یہود کی تہمت کہ انہیں گندی بیماری ہے، جس کی برأت اس پتھر کے ذریعے فرمائی جو موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا۔

(۳) بی بی مریم کی برأت ان کے اپنے صاحبزادے عیسیٰ علیہ السلام کی گفتگو سے۔

(۴) بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت آیاتِ مذکورہ نازل فرما کر۔

ف: آیاتِ برأت کے نزول کے بعد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ہاں تشریف لے گئے، اور انھیں بی بی رضی اللہ عنہا کی برأت کی آیات پڑھ کر سنائیں اور بہتان تراشوں کو اسّی اسّی کوڑے لگوائے۔

ف: بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ عبداللہ بن اُبی بن سلول کو دُگنے کوڑے لگوائے گئے۔ یعنی ایک سو ساٹھ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جو بھی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسری ازواجِ انبیاء علیہم السلام پر تہمت لگائے تو اسے ایسی ہی دُگنی سزا ملنی چاہیے۔

مسئلہ: الخصائص الصغریٰ میں ہے کہ جو شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات پر زنا کی تہمت لگائے اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ایسے ہی حضرت ابنِ عباس و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا، بلکہ ایسے بدبخت کو قتل کر دینا چاہیے۔ چنانچہ قاضی وغیرہ سے اسی طرح منقول ہے۔ بعض فقہاء نے فرمایا کہ ایسی تہمت پر قتل کا حکم صرف بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے کہ جو بھی ان پر زنا کی تہمت لگائے اسے قتل کر دیا جائے۔ اور دوسری ازواجِ مطہرات پر بہتان تراشی پر دوہری حد ہے۔ (کذا فی انسان العیون)۔

ف: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہر نبی علیہ السلام کی زوجہ زنا سے پاک ہوتی ہے۔

سوال: نوح و لوط علیہما السلام کی ازواج کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فخانتا ھما (ان سے خیانت

کا صدور رہوا) اور آیت کا مضمون حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو ٹھکراتا ہے

جواب : یہاں پر خیانت سے ان کا اذیت پہنچانا مراد ہے چنانچہ مروی ہے کہ نوح علیہ السلام کی اہلیہ نے انھیں مجنون کہا اور لوط علیہ السلام کی زوجہ نے اپنی قوم کو لوط علیہ السلام کے مہمانوں کی خبر دی۔

نکتہ : ہر نبی کی بیوی کافرہ تو ہو سکتی ہے لیکن زانیہ نہیں ہو سکتی وہ اس لیے کہ یہ حضرات کفار کی طرف دعوتِ حق کے لیے مبعوث ہوتے ہیں تو ان کے خاندان میں ایسے قبیح فعل کا صدور ناموزوں ہے جو ان کی دعوت و ارشاد کے لیے نفرت و کراہت کا موجب بنے اور کفر موجب نفرت نہیں ورنہ کافر اس سے باز آجاتے۔ البتہ فسق و فجور (زنا وغیرہ) نہ صرف نفرت و کراہت کا سبب ہے بلکہ جملہ قبائح کے سرِفہرست ہے اسی لیے ہر مذہب کا سنجیدہ و مہذب طبقہ اس کا ارتکاب نہیں کرتا بلکہ اس سے سخت نفرت و کراہت کرتا ہے۔

جلیل القدر صحابہ اور عائشہ صدیقہ کی برأت

امام فخر الدین کی کتاب الاشارات میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں میں اکثر اوقات مکان میں تشریف رکھتے تھے۔ پس آپ کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے۔ آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس واقعہ میں مشورہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میں عائشہؓ کی پاکدامنی اور منافقوں کے جھوٹ پر یقین کرتا ہوں اس لیے کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم مبارک پر مکھیوں کو بیٹھنے سے روک رکھا ہے کیونکہ یہ مکھیاں ناپاکیوں پر بیٹھتی ہیں اور اس میں لتھڑ جاتی ہیں۔ پس جبکہ اللہ تعالیٰ نے اس قدر معمولی نجاست سے آپ کو محفوظ رکھا ہے تو کیونکر آپ کو ایسے کی صحبت سے جو کہ اس قسم کے فحش کے ساتھ ملوث ہو محفوظ نہ رکھے گا۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیا۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ مبارک زمین پر پڑنے نہیں دیا۔ اس لحاظ سے کہ شاید کوئی شخص اس پر اپنا قدم رکھ دے یا کہیں زمین ناپاک ہو۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اتنی بھی قدرت کسی کو نہیں دی کہ آپ کے سایہ مبارک پر قدم رکھے تو وہ کیونکر کسی کو آپ کی زوجہ مطہرہ سے سوءِ ظن رکھنے کی قدرت دے سکتا ہے !

اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مشورہ لیا۔ اُنھوں نے عرض کیا : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم سب آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے۔ آپ نے اچانک نماز کے درمیان اپنا جوتا مبارک اتار دیا آپ کو دیکھ کر ہم نے بھی اتار دیا۔ جب آپ نے نماز تمام کی تو آپ نے ہم سے جوتا اتار دینے کا سبب دریافت کیا تو ہم نے جواب میں عرض کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اتباع میں ایسا کیا گیا۔ یعنی جب آپ نے نعلین مبارک اتاری تو ہم نے بھی آپ کی فرمانبرداری کے لیے اُتار دی۔ یہ سُن کر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھ کو جبرائیل علیہ السلام نے

اُن کے اتارنے کے لیے کہا کہ ان میں کمال نظافت نہیں۔ قدرے گھن کی چیز لگی ہوئی ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ نے اِس امر پر آپ کو خبردار کیا کہ آپ کے جوتا مبارک پر کچھ گھن کی چیز ہے اس لیے ان دونوں کی آلودگی کی وجہ سے انکے اتار دینے کا حکم دیتا ہے تو پھر وہ کس طرح حکم نہ دے گا کہ وہ برائی کی مرتکب ہوئی ہوں۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات کے مذکورہ بالا جوابات سے مسرور ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان حضرات کی تصدیق فرمائی اور مخالفین یعنی منافقین کو ذلیل اور رسوا فرمایا[۱]۔ اور آیت نازل ہوئی کہ ان الذین جاءو بالافك عصبة منكم ۔ عصبة منكم ' ان کی خبر ہے ۔ عصبہ اور عصابہ دس سے چالیس افراد کی جماعت کو کہا جاتا ہے ۔ یہاں پر عبداللہ بن اُبیّ بن سلول اور زید بن رفاعہ و مسطح بن اثاثہ و حمنہ بنت جحش اور دیگر وہ لوگ جنہوں نے ان کا ساتھ دیا ۔

---

[۱] واقعہ افک پر فقیر نے ایک علیٰحدہ تصنیف[۱] سپردِ قلم کی ہے یہاں قارئینِ رُوح البیان کے لیے چند باتیں عرض کی جاتی ہیں ۔

واقعہ ہذا میں سب سے زیادہ حصہ منافقین کا ہے ایسے ہی آج کل وہابی دیوبندی اس واقعہ کی آڑ میں عظمتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ چنانچہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم کے علم کو گھٹانے کے لیے مندرج سوالات پیش کرتے ہیں لیکن فقیر اویسی غفرلہٗ پہلے اپنے ہم مسلک سُنّی بھائیوں سے التماس کرتا ہے کہ واقعہ افک کے لیے بخاری شریف ج ۲ تفسیر سورۂ نور تحت آیت ہذا سامنے رکھیے۔ بخاری شریف میں اسی حدیثِ افک میں یہ الفاظ موجود ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:

واللہ ماعلمت علیٰ اھلی الا خیرا ۔

(خدا کی قسم میں نے اپنے اہل پر بجز خیر کے کچھ نہیں جانا)

غور کیجئے اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم قسم ارشاد فرما کر اپنے علم کا اعلان فرما رہے ہیں مگر منکرین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم پر بھی یقین نہیں تو پھر فقیر اویسی غفرلہٗ کو کہنے دو کہ ان بیچاروں کو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم پر بھی اعتبار نہیں ۔ مجھے ان کے ایمان پر اعتبار نہیں ۔

سوال : اگر حضور علیہ السلام کو بی بی کی برأت کا علم تھا تو پھر ان سے بے توجہی اور لطف و کرم میں کمی کیوں ؟ جیسا کہ خود بی بی نے کہا کہ لا اعرف من رسول اللہ اللطف الذی کنت اری منه حتی اشتکیت الخ

جواب : (۱) اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت صدیقہ کی طرف سے توجہ کو کم کر دینا لاعلمی کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس تہمت کے بعد غیرتِ محمدیہ کا تقاضا یہ تھا کہ جب تک یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف نہ ہو اس

(باقی بر صفحہ آئندہ)

[۱] بنام شرح حدیثِ افک ۔ اویسی غفرلہٗ

ف : حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے متعلق اختلاف ہے۔ ان کے مندرجہ ذیل اشعار دلالت کرتے ہیں کہ

(بقیہ حاشیہ ص (۱۵۶) وقت تک سرکار توجہ میں کمی فرمائیں تاکہ کسی دشمن کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کی تہمت سے کوئی نفرت نہیں۔

(۲) یہ عموماً فطرتِ انسانی ہے کہ جب کوئی کسی اہم کام میں مصروف ہو تو پھر گھر میں چاہے کوئی کتنا ہی محبوب ہو اس کی طرف توجہ کم ہوتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مصروفیت کا اندازہ خود ہی کیجئے کہ جہاں اعیا ربے پر کی اڑا رہے تھے وہاں حسان رضی اللہ عنہ جیسے عاشق بھی اس مصیبت میں اضافے کا سبب بنے۔ ان سب سے نبٹنا معمولی مصروفیت نہیں تھی۔ جب تجربے سے ثابت شدہ امر ہے کہ ایسے امور در پیش ہوں تو کم توجہی ہو ہی جاتی ہے۔ تو پھر اس سے لاعلمی ثابت کرنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے!

سوال : اگر حضور علیہ السلام کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کا علم تھا تو پھر غمگین کیوں ہوئے؟ آپ کا حُزن ملال بتاتا ہے کہ آپ کو اس معاملہ میں کوئی علم نہیں تھا۔

جواب : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غمگین ہونا بھی اس وجہ سے تھا کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بے گناہی کا یقین رکھتے تھے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کیا کہ سرکار نے فرمایا واللہ ما علمت الخ۔ صدمہ تو یہی تھا کہ بے گناہ پر تہمت لگی۔ اگر ان کی بے گناہی کا علم نہ ہوتا تو اس قدر صدمہ بھی نہ ہوتا۔ اگر آج ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کو بے گناہ پھانسی پر لٹکا دیا گیا تو ہمیں ضرور صدمہ ہوگا۔ اگر اس کی بے گناہی کا علم نہ ہو تو اس قدر صدمہ بھی نہ ہوگا۔

بلکہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی تفسیر کبیر میں ایک قاعدہ لکھا کہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے اقوال سے تنگدل اور مغموم ہو جایا کرتے تھے باوجودیکہ حضرت کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کفار کے یہ اقوال بالکل فاسد ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

ولقد نعلم انك يضيق صدرك بما يقولون ۔ (سورہ حجر، رکوع ۶)

یعنی ہم جانتے ہیں کہ آپ ان کی بیہودہ باتوں سے تنگدل ہوتے ہیں۔ تو یہ واقعہ بھی ایسا ہی ہے۔ یعنی حضور کا تنگ دل ہونا محض کفار کی بیہودہ گوئی پر تھا باوجودیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اُن کی بیہودہ بکواس کا باطل اور جھوٹا ہونا معلوم تھا اور اس کی مثالیں قرآن و احادیث میں بے شمار ہیں۔ چند ایک تفسیر اویسی میں درج ہیں اور شرح حدیثِ افک میں بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کے مفسدانہ اقوال سے تنگ دل ہوتے تھے جس کو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : ولقد نعلم انك يضيق الآية۔ اور ان مفسدوں کے اقوال کے فساد کو بھی جانتے تھے۔ اسی طرح اس

(باقی اگلے صفحہ پر)

انھوں نے بھی دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرح بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برآت ۔ کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۷) موقعہ پر بھی کفار کی جھوٹی تہمت سے مغموم تھے ۔ ورنہ جانتے تھے کہ کافر جھوٹے ہیں ۔

غرض ہر شخص جس کو زنا وغیرہ کی تہمت سے متہم کریں اور ہر جگہ اسی کا ذکر ہو تو وہ شخص اور نیز اس کے خویش و اقارب باوجود اس کی پاکی کے اعتقاد کے مغموم و پریشان ہوں گے ۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت کو غم ہوا ۔ مگر مخالفین اس بات کو تسلیم کرنے کے بجائے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام نہ لگائیں انھیں آرام و چین نہیں آتا

لطیفہ : تجربہ شاہد ہے کہ مخالف کو کسی مجلس میں تہمت لگائی جائے تو فوراً اس کا چہرہ کالا نیلا ہو جانے کا باوجودیکہ اسے یقین ہوگا کہ وہ اس تہمت سے بری ہے ۔ اس کے بعد اب اس سے پوچھیے کہ اب بھی کہو گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق علم تھا یا نہ ۔

سوال : اگر حضور علیہ السلام کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی براٗت کا علم تھا تو پھر تفتیش حال کا کیا معنیٰ ، کہ کبھی اس سے پوچھا کبھی اس سے ۔

جواب : (۱) اُمت کے لیے تشریع و تعلیم مقصود تھی کہ آنے والے دَور میں اگر کسی کو ایسا واقعہ درپیش ہو تو صفائی معاملات ایسے ہو جیسے آپ نے اپنی محبوبہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے کیا ۔ اور سیرۃ نبوی کا مطالعہ کرنے والے اور علوم حدیث کے واقفین سے پوشیدہ نہیں کہ آپ اپنے ہر معاملہ میں اُمت کی تعلیم کو مدِّنظر رکھتے تھے خواہ اس میں کتنی ہی تکالیف و شدائد کا سامنا کرنا پڑے ۔

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیقہ کے معاملہ کی تفتیش لاعلمی کی وجہ سے نہیں فرمائی بلکہ حضرت صدیقہ کی پاک دامنی کو ان مسلمانوں کے اذہان میں قائم کرنے کے لیے فرمائی جو مسلمان ہونے کے باوجود تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گئے تھے جب ان کے دلوں میں حضرت صدیقہ کی طرف سے بدگمانی راسخ ہو چکی تھی تو بمقتضائے فطرتِ بشریہ یہ بات قرینِ قیاس تھی کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بذاتِ خود صدیقہ کی پاکی پر زور دیں تو شاید وہ سرکار کے حق میں بھی بدگمان نہ ہو جائیں اور یہ خیال کریں کہ ان کی عزت کا معاملہ ہے اس لیے اس طرح فرما رہے ہیں یہی وجہ تھی کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اس معاملہ میں زور نہیں دیا کہ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ ہمارے حق میں بدگمان ہو کر کفر و ارتداد تک پہنچ جائیں ۔ اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو اپنے سے ایسی بدگمانی سے بچانے کی بہت کوشش کرتے تھے ۔

باقی سوالات و جوابات اور مزید تحقیق عجیب فقیر کی کتاب " شرح حدیثِ افک " میں ہے ۔

(اویسی غفرلہٗ)

اظہار فرمایا ؎

مهذبة قد طيب الله خيمها

و طهرها من كل سوء و باطل

فان كنت قد قلت الذى قد زعمتموا

فلا رفعت سوطى الى انا ملى

وكيف و ودّى ما حييت و نصرتى

لآل رسول الله زين المحافل

(کما فی انسان العیون)

ترجمہ : وہ پاک دامن بی بی جسے اللہ تعالیٰ نے ہر عیب سے پاک فرمایا اور اسے ہر برائی اور باطل سے بری فرمایا ہے ۔
اگر تو بھی منجملہ ان لوگوں کے ہو جنہوں نے بی بی پر تہمت تراشی، تو کیوں نہ ہو جبکہ میں نے تہیّہ کر رکھا ہے کہ جب تک زندہ ہوں آلِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کرتا رہوں گا ۔

ف : امام سہیلی نے "کتاب التعریف والاعلام میں رقم کیا کہ حضرت حسّان رضی اللہ عنہ بہتان تراشوں میں سے نہیں تھے ۔

سوال : یہ قول ذیل کے شعر سے باطل ہے جبکہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے بارے میں مشہور ہے : ؎

لقد ذاق حسان الذى كان اهله

وحمنة اذ قالا لهجر و مسطح

ترجمہ : جب بہتان تراشوں کو حد ماری گئی تو حسّان نے بھی مزہ چکھ لیا وہ اس لائق تھا کہ اسے حد ماری جائے ۔ ایسے ہی حمنہ اور مسطح نے بھی بہتان تراشا ۔

جواب : اس شعر میں حضرت حسّان رضی اللہ عنہ کا نام کسی نے غلط لکھا ہے اس لیے کہ یہ شعر دراصل عبداللہ بن ابی بن سلول کے متعلق ہے ۔ دراصل عبارت یوں تھی : ؏

لقد ذاق عبد الله ما كان اهله

اب آیت کا معنی یوں ہوا کہ بے شک وہ لوگ جنہوں نے بی بی عائشہ پر بہتان تراشا وہ ایک جماعت تھی جو ایمان سے موصوف تھی ۔

سوال : عبداللہ بن ابی بن سلول تو مومن نہیں تھا اسے کیسے مومن کہہ دیا گیا ۔

جواب : چونکہ وہ بظاہر مومن تھا اس لیے ہم نے اسے ایمان سے موصوف کیا اگرچہ پوشیدہ طور پر وہ رئیس المنافقین تھا۔
لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ یہ خطاب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عائشہ و صفوان رضی اللہ عنہم کو ہے۔ ایسے ہی ان لوگوں کو جو حضور علیہ السلام کی وجہ سے مغموم و محزون ہوئے تاکہ اس خطاب سے انہیں تسلی ہو۔ اور لا تحسبوہ کی ضمیر غائب افك کی طرف راجع ہے۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بہی خواہو! تم اس بہتان تراشی کو اپنے لیے شر نہ سمجھو۔ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ بلکہ وہ تو تمہارے لیے خیر ہی خیر ہے، اس لیے کہ اس سے تمہیں بہت زیادہ اجر و ثواب حاصل ہو رہا ہے کیونکہ وہ تمہارے لیے آزمائش اور بہت بڑا امتحان ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس سے تمہاری عزت و عظمت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ جب بی بی کی برأت کے متعلق اٹھارہ آیات نازل ہو رہی ہیں ان سے تمہاری شان اور بڑھ گئی کہ تم نے بی بی کے بارے میں معاملہ صاف رکھا اور بدگمانی سے کام نہ لیا اس طرح سے تمہارا اعزاز و اکرام بلند ہو گیا اور مخالفین کو وعید شدید۔ نیز جنھوں نے تمہاری تعریف کی وہ بھی معزز و مکرم ٹھہرے۔ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ۔ امرأ اور مرء بمعنے انسان و رجل (مرد) یعنی اس جماعت میں سے ہر ایک کے لیے وہی ہے مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ جو اس نے بُرے عمل کا ارتکاب کیا۔ یعنی اس نے جس قدر بی بی کے متعلق بدگمانی اور تہمت تراشی میں غور و خوض کیا اس لیے کہ ان میں بعض نے زور لگا کر بہتان تراشا اور بعض نے خوب ہنسی مذاق کی اور بعض خاموش رہے لیکن اس تہمت تراشی سے لوگوں کو منع نہ کیا۔

ف : تاویلات النجمیہ میں اس کا ترجمہ لکھا کہ جنھوں نے اس تہمت میں جد و جہد کی اور سخت بدگمانی کی اور حرمِ نبی علیہ السلام کی ہتک کی۔

وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ اور وہ جو بہت بڑے افتراء کا مرتکب ہوا۔

مسئلہ : المفردات میں ہے کہ اس میں تنبیہ ہے کہ جو کسی گناہ کی ابتدا کرتا ہے یہاں تک کہ لوگ اس کی اقتداء میں اس برائی کا ارتکاب کرتے ہیں تو اس کا سب سے بڑا گناہ لکھا جائے گا۔

مِنْهُمْ اس جماعت میں سے۔ اس سے ابن ابی مراد ہے اس لیے کہ اس گناہ کا آغاز اس نے کیا اور حضور علیہ السلام کے بغض و عداوت میں اسے خوب پھیلایا، جیسا کہ گزرا لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ اس عبداللہ بن ابی کو ایک خاص قسم کا عذاب ہوگا جس کا درد بہ نسبت دوسرے عذاب کے سخت تر ہوگا اس لیے کہ اس بہت بڑے گناہ کا آغاز اسی نے کیا بنا بریں اسے عذاب بھی سخت تر ہوگا۔ ایسے ہی جس قدر کسی نے اس گناہ میں زیادہ حصہ لیا اسے عذاب بھی اسی قدر زیادہ ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: جس نے برائی کا طریقہ رائج کیا تو اس کے لیے تا قیامت اپنے گناہ کے علاوہ اس پر عمل کرنے والوں کے برابر گناہ لکھا جائے گا۔

ف : تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ایسے شخص کو اس جرم کی وجہ سے مواخذہ ہوگا اور اسے شدید ترین عذاب دیا جائے گا۔ اس سے دنیا و آخرت کا خسارہ مراد ہے ؎

ہر کہ بنہد سنتی بداے فتی

تا در افتد بعد او خلق از عمی

جمع گردد بروے آں جملہ بزہ

کو سرے بود ست وایشاں دم غزہ

ترجمہ : جو بھی بُرا طریقہ جاری کرتا ہے تاکہ خلقِ خدا گمراہ ہو، تو تمام گناہ اس کے سر پر رکھے جائیں گے ۔ تمام لوگ اس کے لشکری ہوں گے اور وہ ان سب کا سردار ۔

لَوْ لَآ یہ حرفِ تخضیض ہے بمعنے ھلّا (کہاں) ہے ۔ یہ جب حرفِ ماضی پر داخل ہو تو بمعنے ترکِ فعل پر توبیخ و ملامت کا معنی دے گا ۔ اس لیے کہ اگر اسے اصلی معنی یعنی طلب کے معنی میں رکھا جائے تو ماضی میں طلب کا تصور نہیں ہوسکتا ۔ اور جب مضارع پر داخل ہو تو اس وقت کسی فعل کی طلب اور اس پر برانگیختہ کا معنی ہوتا ۔ اس معنے پر وہ مضارع بمعنے امر ہوگا ۔ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ اے غور و خوض کرنے والو یعنی قول باطل میں شروع ہونے والو کیوں نہ ہوا جب تم نے سنا تھا ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا تاکید توبیخ کی وجہ سے غیبتہ کی طرف عدول کیا گیا ہے ۔ یعنی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مؤمن پر نیک گمان کرنا ضروری ہے ایسے ہی اہلِ ایمان پر طعن و تشنیع کرنے والے کے طعن و تشنیع کو دُور کرنا بھی لازمی ہے ۔ جو بھی اہلِ ایمان سے بدگمانی کرتا اور ان سے طعن و تشنیع کو دفع نہیں کرتا تو وہ مقتضائے ایمان پر عمل نہیں کرتا ۔ اور انفسھم سے ان کے ابنائے جنس مراد ہیں جو کہ بمنزلہ ایک دوسرے کے نفوس ہوتے ہیں ۔ قولہ تعالیٰ :

ولا تلمزوا انفسکم ۔

اس سے مراد یہ ہے بعض تمہارا تمہارے بعض کا عیب بیان نہ کرے ۔ کیونکہ مومن آپس میں ایک نفس کی طرح ہیں اہلِ ایمان مرد و عورت پر واجب ہے کہ جو نہی کسی کے متعلق خود یا بالواسطہ کوئی غلط بات سنیں اگرچہ عام مومن کے متعلق بھی ہو تو بلا تردد و بلا تفکر سنتے ہی حسنِ ظن سے کام لیتے ہوئے وَّقَالُوْا اسی کے متعلق اسی وقت کہہ دیں هٰذَآ یہ بات اِفْكٌ مُّبِيْنٌ کھلا اور واضح بہتان ہے ۔ یعنی جب یہ عام اہلِ ایمان کے متعلق ہے تو پھر صدیقہ بنت الصدیق ام المومنین حرمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو اور زیادہ احتیاط لازمی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کی ازواجِ مطہرات کی تعظیم و تکریم کا حکم فرماتا اور انہیں ویسے بُرے افعال سے محفوظ رکھتا ہے لَوْ لَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ یہ غور و خوض کرنے والے اپنے دعویٰ پر

چار گواہ کیوں نہیں لائے۔ یہ قول کا تتمہ یا من جانب اللہ کلام جدید ہے۔ اس پر وُہ چار گواہ کیوں نہ لائے فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ پس جب وُہ چار گواہ نہ لائے فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ○ تو وہ مفسد اللہ کے ہاں یعنی اس کے حکم اور شرع (جس کے دلائل مضبوط اور ظاہر ہیں) میں وہ مکمل طور پر جھوٹے ہیں جن کے کذب پر شہادت موجود ہے اور علی الاطلاق کذب کی صفت کے وہی مستحق ہیں۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ یہ لوگ ظاہراً و باطناً جھوٹے ہیں اگرچہ وُہ اپنی جھوٹی بات پر گواہ بھی لاتے اور ظاہری طور پر وہ سچے ثابت ہوجاتے تب بھی وہ باطناً جھوٹے ہوتے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کی ازواج پر ایسی قباحت ممتنع ہے۔ پھر اس قانون پر ان کی ظاہری گواہی ان کے منہ پر ماری جاتی۔

ف : امام قرطبی رحمہ اللہ نے فرمایا، بسا اوقات انسان اپنے دعویٰ پر گواہ نہیں پیش کرسکتا تو اسے شرعاً تو جھوٹا کہیں گے لیکن عند اللہ وُہ سچا ہوگا لیکن دُنیا میں احکام کا دارومدار ظاہر پر ہے اور ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے دنیوی احکام مشروع فرمائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ احکام کا ترتب انسان کے اپنے علم پر نہیں ہوتا۔ اسی لیے علماء کا اجماع ہے کہ احکام دنیا ظاہر پر مرتب ہوں اور ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے وَلَوْلَا یہ امتناعیہ ہے لولا امتناعیہ وُہ ہے جو دوسری کسی شے کی وجہ سے اس کا وجود ممتنع ہو فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی۔ یہ خطاب تمام مسلمان مردوں عورتوں کو ہے فِی الدُّنْیَا دنیا میں مختلف نعمتوں سے نوازا جانا منجملہ ان کے ایک یہی ہے کہ تمہیں توبہ کی توفیق بخشی وَالْاٰخِرَةِ اور آخرت میں بہترین اور مختلف قسم کی نعمتیں منجملہ ان کے گناہوں کی معافی اور مغفرت جو تمہارے لیے مقدر ہے لَمَسَّكُمْ تو تمہیں بہت جلد پہنچ جاتا فِیْ مَآ اَفَضْتُمْ اس سبب سے جو تم نے حدیث افک میں غور و خوض کیا عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ بہت بڑا عذاب جس کے بعد باقی تمام عذاب ہیچ ہیں اور وہ توبیخ و جلد ہیں اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ یہاں ایک تا محذوف ہے اور یہ لمستکم کی ظرف ہے یعنی تمہیں وُہ بڑا عذاب اس وقت پہنچتا جب تم ان مخترعین کے ساتھ ملاقی ہوتے، بِاَلْسِنَتِكُمْ اپنی زبانوں کے ساتھ۔ یعنی بہتان تراشی کی باتیں ایک دوسرے سے لیتے۔ اس کی صورت یوں تھی کہ جب بھی ایک دوسرے سے ملتے تو حدیث افک چھیڑ لیتے۔ جھوٹی معلومات سن سنا کر آگے کو بڑھاتے یہاں تک کہ یہ خبر عام پھیل گئی حتیٰ کہ مدینہ طیبہ کا کوئی گھر اور مکان اور کوئی گلی کوچہ ایسا نہ تھا جہاں یہ خبر نہ گونج رہی ہو۔

حل لغات : تلقی الکلام من فلان و تلقنہ و تلقفہ و لقفہ کا ایک ہی معنیٰ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے ملفوظات سے یا اس کے مفہومات سے استفادہ کرے۔ الارشاد میں ہے کہ تلقی و تلقف و تلقن ہم معنی ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے میں استقبال، دوسرے میں خطف و اخذ بسرعۃ، تیسرے میں حذق و مہارت کا معنیٰ ملحوظ ہوتا ہے۔

وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ اور اپنے منہ سے وُہ باتیں کہتے جن کا تمہیں علم بھی نہیں

سوال: قول تو منہ سے صادر ہوتا ہے پھر اسے بافواھکم سے مقید کرنے کا کیا معنیٰ؟

جواب: یہ ایک محاورہ ہے اور یہ اس وقت بولتے ہیں جب بات کسی کے دل پر اثر نہ کرے۔ سُن لینے کے بعد اس کا تعلق صرف زبان رہے۔ اور اس افک کی کیفیت بھی یہی تھی کہ وہ صرف زبانوں پر جاری رہا لیکن ان کے قلوب اس کے علم سے بالکل خالی تھے۔

مسئلہ: ایسے امور جن کا علم نہ ہو اور انھیں بیان کرنا حرام ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ولا تقف ما ليس لك به علم۔

یعنی ایسی بات مت کہو جو صرف زبان تک محدود ہو اور دل سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اسے علم نہیں کہا جا سکتا۔

وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا اور تم اسے آسان سمجھتے ہو اور خیال یہ ہے کہ یہ معمولی معاملہ ہے وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں عَظِيْمٌ ۝ بہت بڑے گناہ کا حامل ہے۔

حکایت ایک شخص مرتے وقت رو رہا تھا۔ کسی نے سبب پُوچھا تو جواب دیا کہ میرا کوئی ایسا بُرا عمل ہوگا جسے میں معمولی سمجھتا ہوں۔ لیکن ممکن ہے کہ وُہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا ہو۔

ف: کسی نے اپنے عزیز کو نصیحت کرتے ہُوئے فرمایا کہ تم اپنے کسی گناہ کو گٹھلی کے برابر مت سمجھو ممکن ہے وُہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کھجور کے برابر ہو۔

ف: حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ یہ ان لوگوں کے حق میں اُتری ہے جو بہت بڑے دعوے کرکے اپنے رب تعالیٰ پر جرأت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام کے مقدس درجات تک پہنچا ہوا جانتے ہیں۔ نہ وہ خدا سے ڈرتے ہیں نہ انھیں کچھ حیا ہے۔

ف: امام ترمذی نے فرمایا کہ جو اپنے غلط امور پر جُرأت کرکے انھیں کچھ نہیں سمجھتا تو وہ گویا اللہ تعالیٰ کی عظمت کا منکر ہے۔ اس پر دلیل میں یہی آیت پڑھی ؎

اگر مردی از مردئ خود مگوی

نہ ہر شہسواری بدر برد گوی

ترجمہ: اگر تُو جوانمرد ہے تو اپنی جوانمردی ظاہر مت کر اس لیے کہ بہادر اپنی گیند باہر لے جائے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ اور کیوں جب تم نے بہتانیوں اور ان کے تبیعین سے جب سُنا قُلْتُمْ تو ان کی تکذیب کرتے ہوئے اور اسے ایک بہت بڑا بہتان خیال کرکے تم نے کہہ دیا ہوتا مَّا يَكُوْنُ لَنَآ ہمارے لیے ممکن نہیں اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا کہ ہم ایسی بات کہیں۔ اس سے ایسی بات کے بولنے کی نفی ہے اس کے وقوع

امکان کی نفی نہیں سُبۡحٰنَکَ اس سے تعجب ہے جو ایسی ناپاک گفتگو کی، دراصل یہ کلمہ اس وقت بولا جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے لیے مصنوعات دیکھا جائے اس کی تنزیہ بیان کرنے کے ارادہ پر کہ اس ذات پر ایسے مصنوعات بنانا مشکل نہیں پھر بکثرت ہر تعجب کرنے والے کے لیے اس کا استعمال ہونے لگا یا اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ ذات مقدس ہے کہ وہ اس کے نبی علیہ السلام کے حرم محترم سے ایسے جرم کا صدور ہو جبکہ ان کی ازواجِ مطہرات فسق و فجور سے پاک ہوتی ہیں کیونکہ ان کا فسق و فجور عوام کی نفرت کا موجب بنتا ہے۔ ایسے ہی انبیاء علیہم السلام کے ازدواجی مقصد کے لیے بھی مخل ہے اس لیے کہ ان کی ازواج کا فاسق و فاجر ہونا موجب نفرت ہوتا ہے لیکن ان کا کافر ہونا موجبِ نفرتِ عوام نہیں۔ جیسا کہ بارہا بیان کیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی پاکی ہے کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کے حرم محترم کو ایسے بُرے فعل کا مرتکب ہونے دے هٰذَا وہ بہتان جس کا بیان کرنا بھی حرام ہے۔ بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ ۝ بہت بڑا بہتان ہے۔

حل لغات : بہتان، بھتہ کا مصدر ہے۔ یعنی کسی کے متعلق ایسی بات کہنا بہت بڑا گناہ ہے۔ (کما فی التاویلات النجمیہ)

یا یہ بہت و یتحیر من عظمتہ سے ہے یعنی وہ جس شخص پر بہتان تراشا گیا اس کی عظمت سے متحیر ہوتا ہے اس لیے کہ اس نے اس پر ایسی بات کہہ دی جو اس کے اندر نہیں تھی گناہوں کی حقارت اور اس کی عظمت میں جیسے مصادر کا اعتبار ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوسعید حراز قدس سرہٗ نے فرمایا:

حسنات الابرار سیأت المقربین۔

(وُہ امور جو ابرار کے نزدیک نیکیاں سمجھی جاتی ہیں وہ مقربین کے نزدیک برائیاں ہوتی ہیں)

ایسے ہی ان کی حقارت و عظمت میں متعلقات کا بھی اعتبار ہوتا يَعِظُكُمُ اللّٰهُ۔ الوعظ النصح والتذکیر ایک معنیٰ ہوتا ہے بمعنے انجام سے آگاہ کرنا۔ اب معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں نصیحت فرماتا ہے۔ اور یہ خطاب بی بی صاحبہ پر بہتان تراشوں کو ہے اَنۡ تَعُوۡدُوۡا لِمِثۡلِهٖۤ یہ کہ پھر ایسا بہتان نہ تراشنا، نہ ہی ان کے حق میں آئندہ کوئی بدگمانی کرنا اَبَدًا عمر بھر اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ اگر تم اللہ و رسول (جل جلالہٗ وصلی اللہ علیہ وسلم) اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو اس لیے کہ ایمان ایسے بُرے امور سے روکتا ہے۔

مسئلہ : اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی آئندہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر افترا کرے گا وُہ ایمان کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا (روافض و شیعہ عبرت حاصل کریں جبکہ بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا پر گندے بہتان تراشتے ہیں)

مسئلہ: تفسیر الکبیر میں ہے کہ جو شخص بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بہتان کو سُن کر روکتا نہیں وہ بہتان تراشی میں شامل ہے اگرچہ اس کا گناہ بہتان تراش کے گناہ سے کم ہوگا۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ اور اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی آیات بیان کرتا ہے جو شرائع و محاسن آداب کو واضح کرتی ہیں تاکہ تم ان سے نصیحت حاصل کر سکو اور ان سے اپنے عادات و اخلاق کو درست کر سکو یعنی ایسے طریقے سے نازل فرمایا کہ جن سے مطالب و مقاصد واضح ہو جاتے ہیں۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ وُہ پہلے غیر واضح تھے پھر انہیں واضح کیا گیا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے جملہ چھوٹے بڑے سب احوال کو جانتا ہے حَكِيْمٌ ٥ وہ ان کی جملہ تدابیر و افعال میں حکمت سے کام لیتا ہے۔ جب وہ علیم حکیم ہے تو پھر اپنے ایسے رسول علیہ السلام کے حرم میں ایسا بُرا فعل کیسے صادر ہونے دیتا ہے جسے تمام رسولوں سے برگزیدہ بنایا اور انہیں اپنی جملہ مخلوق کے لیے مبعوث فرمایا تاکہ ان کی رہبری فرمائیں اور حق کا راستہ بتائیں اور ان کا تزکیہ کریں اور پاکیزہ بنائیں۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ اللہ تعالیٰ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکدامنی کو جانتا ہے۔ اسی لیے ہر عیب و عار سے ان کی برأت کا اظہار فرمایا ؎

تا گریبان دامنش پاکست از لوث خطا
وز مذمت عیب چو آلودہ از سر تا بپا

ترجمہ: تاکہ لوث خطا سے ان کے دامن کا گریبان پاک ہو ایسے ہی عیب و عار کی مذمت سے بھی منزہ، جبکہ وہ از سر تا پا پاک ہے پھر اسے عیب دار بنایا جا سکتا ہے

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے: ؎

کرا رسد کہ کند عیب دامن پاکت
کہ ہمچو قطرہ کہ بر برگ گل چکد پاکی

ترجمہ: وُہ کون ہے جو تیرے پاک دامن میں عیب ظاہر کرے کہ جس دامن سے پاکی ٹپکتی ہے جیسے برگِ گل سے پانی ٹپکتا ہے۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کے ساتھ جو کچھ کرتا ہے وہ دراصل اس کا لطف و کرم ہے اگرچہ بظاہر وہ غیظ و غضب اور قہر و جبر معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس طرح سے ہی وُہ اپنے پاک بندوں کی تادیب و تہذیب اور رفعت درجات فرماتا ہے بلکہ اس طرح سے ہی انھیں اپنا قرب عطا فرماتا ہے۔ ایسے ہی واقعہ افک اگرچہ بظاہر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور

بی بی عائشہ اور ان کے عزیز و اقارب اور جملہ صحابہ کرام کے لیے ایک بہت بڑی آزمائش اور امتحان تھا - اور قاعدہ ہے کہ ابتلاؤ آزمائش اللہ تعالیٰ کے ساتھ قرب کی وجہ سے ہوتی ہے، جیسے سونے کے لیے آگ -

حضور علیہ السلام نے فرمایا :

حدیث شریف ۱ سخت ترین آزمائش انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے، اس کے بعد اولیاء کرام، پھر ان کے قریب تر وغیرہ -

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف ۲ "یبتلی الرجل علی قدر دینہ -"

(انسان کی آزمائش اس کے دین کی مقدار پر ہوتی ہے)

ف : اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے قلوب کے متعلق غیرت رکھتا ہے - جب دیکھتا ہے کسی بندے کے قلب پر غیر کی محبت کا اثر ہے تو اس کو کسی ایسی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لائے -

فضائل و مناقب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

(۱) حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کو کس سے بہت زیادہ محبت ہے -

فرمایا : عائشہؓ اور اس کے ساکن سے -

(۲) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا :

یا عائشۃ حبك فی قلبی کالعقدۃ -

(اے عائشہ! تیری محبت میرے دل میں عقدہ کی طرح ہے)

(۳) مروی ہے کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں آپ سے محبت کرتی ہوں بلکہ میں چاہتی ہوں کہ ہر وقت آپ کے قریب رہوں -

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بی بی صاحبہ پر حدیثِ افک کا اجرا فرمایا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی صاحبہ کے قلب کو پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف لگا دیا - یعنی اپنی محبت سے اللہ تعالیٰ کی محبت میں مشغول فرما دیا - یہاں تک کہ بی بی صاحبہ کے دل میں محبتِ الٰہی کا اتنا غلبہ ہوگیا کہ نزولِ آیاتِ برأت کے بعد بی بی صاحبہ نے کہا:

نحمد اللہ لا نحمدك -

(میں صرف اللہ تعالیٰ کی حمد کرتی ہوں آپ کی حمد نہیں کروں گی)

اللہ تعالیٰ نے بی بی صاحبہ کے قلب سے محبتِ غیر کے پردے ہٹا دئے اور ان کے شک و شبہات کو زائل فرما کر بی بی صاحبہ کی برأت ظاہر فرمائی اور بہتان تراشوں کی تادیب و تہذیب فرمائی اور بی بی صاحبہ کے

موافقین کے مراتب و درجات بلند فرمائے۔

ف : الحکم العطائیہ اور اس کی شرح میں ہے کہ جب بی بی صاحبہ کی برأت کی آیات حضور علیہ السلام نے پڑھ کر سنائیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بی بی صاحبہ سے فرمایا کہ اُٹھ کر حضور کا شکریہ ادا کیجئے اور یہ حکم اس لیے فرمایا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بی بی صاحبہ کی بلند قدری محسوس ہوئی۔ لیکن بی بی صاحبہ نے عرض کی، میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گی۔ اس میں بی بی صاحبہ کا قلب خالص توحید کی طرف مکمل طور پر جھک گیا تھا حتیٰ کہ اس وقت ان کے قلب پر غیریت کو گنجائش ہی نہیں تھی لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کے قلب کو اکمل مقام کی طرف متوجہ فرمایا یعنی وہ مقام جسے بقا باللہ سے تعبیر کرتے ہیں اور وہی مقام ہے جو اثباتِ آثار و عمارتِ دارین کا مقتضی ہے جس میں ہزاروں احکام اور ان گنت حکمتیں ہیں۔ اسی مقام کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان اشکر لی ولوالدیك ۔

آیت میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کو ملایا، اس لیے کہ والدین انسان کے وجود کی مجازاً بقا کے موجب ہیں اگرچہ حقیقی بقاء کا موجب اللہ تعالیٰ کا فضل و لطف ہے۔ اسی لیے حقیقی شکر اسی کے لیے ہے کیونکہ حقیقی نعمت اسی سے ملتی ہے۔ دوسروں کے لیے اگر شکر کیا جاتا ہے تو مجازاً، ایسے ہی کسی سے نعمت حاصل ہو تو بھی مجاز کا تصوّر ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

حدیث شریف لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس ۔

(جو لوگوں کا شکر نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتا)

ف : اللہ تعالیٰ کے شکر کو بندوں کے شکر سے مشروط فرمایا ہے۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے شکر کا ثواب نہیں ملتا جب تک کہ اس کے بندوں کا شکریہ نہ ادا کیا جائے۔ اور بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس وقت مشغول بخدا تھیں اسی لیے انھیں سوائے باری تعالیٰ کے کسی طرف توجہ نہیں تھی بلکہ ان پر منۃ مولیٰ کا ایسا غلبہ تھا کہ انھیں سوائے اپنے مولیٰ اور کسی کا خیال تک نہ تھا اسی لیے اس وقت اپنے محبوب کے تصوّر میں ڈوبی ہوئی تھیں اور یہ ان کے لیے اعلیٰ مقام تھا۔ چنانچہ یہی مقام ایک وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی پیش آیا تھا جبکہ نمرود نے انھیں آگ میں ڈالا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ کوئی ضرورت ہو تو فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے کوئی سوال نہیں کرنا اس لیے کہ وہ میرے حال کو خوب جانتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ سے ہی اتمامِ نعمت اور حفظ حرمۃ اور آداب لائقہ کے ساتھ مراداتِ حق پہ ثبات کا سوال ہے۔ وہی ہمیں کافی اور اچھا کارساز ہے۔

ف : تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جانے کے دو طریقے ہیں :

۱ - اہلِ سلامۃ

۲ - اہلِ ملامۃ

اہلِ سلامت کے طریقے کی انتہا بہشت اور اس کے درجات ہیں اس لیے کہ وہ اپنے وجود کی قید میں محبوس ہیں اور اہلِ ملامت کے طریقے کی انتہا اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ ملامت حبس وجود کے دروازے کی کنجی ہے ۔ اسی سے ہی وجود ایسے پگھل جاتا ہے جیسے سورج سے برف پگھل جاتی ہے ۔ تاہم جس قدر وجود پگھلتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کا وصال نصیب ہوتا ہے ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو ملامت میں مبتلا فرمایا تاکہ اسی کی وجہ سے حبسِ وجود سے نکل کر واصل الی اللہ ہوں ۔

اس واقعہ سے بی بی صاحبہ کی ولایت کا ثبوت ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو وجودِ مخلوق کے ظلمات سے نکال کر نورِ قدم کی طرف لے جاتا ہے ۔ کما قال تعالیٰ :

اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمات الی النور ۔

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ : ہم وفا کرتے ہیں ملامت کھینچتے ہیں اور اس سے خوش ہوتے ہیں اس لیے کہ ہمارے طریقہ میں رنجیدہ ہونا کفر ہے ۔

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

عشق در ہر دل کہ سازد بہرورت خانۂ
اوّل از سنگِ ملامت افگند بنیاد او

ترجمہ : جس دل میں عشق گھر کرتا ہے اسے سب سے پہلے ملامت کا نشانہ بناتا ہے ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ ابنِ ابی اور دیگر وہ لوگ جنہوں نے افک کے بارے میں اس کا اتباع کیا یُحِبُّوْنَ بے شک وہ لوگ ارادہ کرتے ہیں کہ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ پھیلے اور ظاہر ہو فاحشہ تمام برائیوں سے قبیح تر ہو ۔ برائی کو فاحشہ سے تعبیر کیا جاتا ہے خواہ اس کا تعلق اقوال سے ہو یا افعال سے ۔ یہاں زنا مراد ہے یعنی دشمنانِ رسول چاہتے تھے کہ بی بی عائشہ کے زنا کی خبر دور دور تک پھیلے فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اہلِ ایمان میں ، یعنی ان لوگوں میں جو ایمان کے بارے میں مخلص ہیں لَھُمْ دشمنانِ رسول

کے لیے اسی سبب سے عَذَابٌ اَلِیْمٌ دردناک عذاب ہے۔ یعنی ایک قسم کا عذاب جس میں درد و الم کے سوا اور کچھ نہ ہو فِی الدُّنْیَا دنیا کا عذاب جیسے حد کا اجراء وغیرہ وَالْاٰخِرَةِ جیسے نارِ جہنم اور وہ عذاب جو انھیں جہنم میں ملے گا۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لوگ اہلِ ایمان میں برائی پھیلانے کا صرف ارادہ نہیں رکھتے تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ ایسی بُرائی کی نشر و اشاعت میں پورا زور لگانا چاہتے تھے کیونکہ صرف برائی پھیلانے کے ارادہ پر ان پر حدِ قذف نہیں لگی بلکہ ایسی بُرائی کی نشر و اشاعت کی وجہ سے سزا پائی۔ اور وہ یہی کہ انھوں نے حضرت صفوان اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما پر بہتان تراشا اور اس پر شرعی گواہ پیش نہ کر سکے تو ان پر حدِ قذف جاری ہوئی۔

ف : الارشاد میں ہے کہ لوگ ایسی بُرائی کی اشاعت کے متعلق دل چسپی رکھتے ہوئے اس کی نشر و اشاعت میں سر کی بازی لگاتے ہیں اور اس دوسرے فعل کا پہلے فعل پر اکتفا کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا اس لیے کہ وہ ایسا جامع فعل ہے کہ وہ دونوں کا معنیٰ پورا کر دیتا ہے۔ اور فی الذین اٰمنوا تشیع کے متعلق ہے۔

سوال : منافقین نے اس خبر کو تمام لوگوں میں پھیلایا لیکن قرآن مجید میں صرف الذین اٰمنوا (اہلِ ایمان) پر اکتفا کیا گیا ہے۔

جواب : چونکہ تمام لوگوں سے اہلِ ایمان عمدہ ہیں اور عمدۃ کے ذکر سے دوسروں کا ذکر ضمناً آ گیا۔ یا فی الذین اٰمنوا فعل مضمر کے متعلق ہے اور وہ الفاحشۃ سے حال ہے اور موصول سے صرف اہلِ ایمان مراد ہیں۔ اب عبارت یوں ہو گی:

یحبون ان تشیع الفاحشۃ کائنۃ فی حق المؤمنین و فی شانھم۔

وَاللّٰهُ یَعْلَمُ اور جملہ امور بالخصوص وہ باتیں جو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے معاملہ کی اشاعت کے متعلق جو ان کے دلوں میں پوشیدہ سکیمیں ہیں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ اور تم نہیں جانتے فلہذا تم صرف ان پر حدِ قذف جاری کرو اور ان کے باطن اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ لولا کا جواب محذوف ہے۔ یعنی اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور انعام نہ ہوتا تو وہ تمہیں بہت بڑے عذاب میں مبتلا فرماتا لیکن تمہیں عذاب میں مبتلا نہیں فرمایا تمہارے لیے رؤف و رحیم یعنی بہت زیادہ رحمت فرماتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں دو اشارے ہیں:

(۱) جیسے اہلِ افک کو اظہارِ برائی پر سزا ملی ایسے ہی محبۃ اشاعۃ سے انھیں باطنی نقصان بھی ہوا۔ چنانچہ قلوب مومنین کے وجوب سلامتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ظاہری اعضاء کو برائیوں سے روکنا

اور زبان کو کسی کی ضرر رسانی سے بچانا واجب ہے۔ ایسے ہی قلوب کو بھی۔ کیونکہ جیسے دیگر اعضا کو آخرت میں سزا ملے گی ایسے ہی قلوب کو بھی۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ۱ میں ان لوگوں کو جانتا ہوں جن کے سینے پر جب جہنم کے چابک پڑیں گے اس سے جو آواز اُٹھے گی اُسے تمام اہلِ نار سنیں گے۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو لوگوں کے عیوب بیان کرتے اور ان کی پردہ دری کرتے اور ان کی برائیوں کو پھیلاتے تھے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حدیث شریف ۲ جو کسی دوسرے مسلمان بھائی کی بُرائی کا صرف ایک کلمہ پھیلاتا ہے حالانکہ وہ اس برائی سے پاک ہے اور وہ چاہتا ہے کہ وہ شخص اس بُرائی کی اشاعت سے دنیا میں رسوا ہو تو اللہ تعالیٰ چاہے تو ایسے بدبخت کو جہنم کی آگ میں ڈال دے۔ (کمافی الکبیر)

خلاصہ یہ کہ اہلِ افک نے جو کچھ کیا اس میں اہلِ ایمان کو ذرہ برابر بھی تعلق نہ تھا کیونکہ اہل ایمان کا وہ کام نہیں بلکہ اہلِ ایمان کی شان تو یہ ہے جو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ:

مومن ایک دوسرے کے لیے دیوار کی طرح ہے کہ وہ ایک دوسرے کی وجہ سے مضبوط ہوتے ہیں۔

اور فرمایا: اہلِ ایمان آپس میں محبت اور رحم و کرم میں ایک نفس کی طرح ہیں کہ ایک عضو کو تکلیف ہو تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو کر آنکھوں پر کاٹتا ہے۔

ے

۱ بنی آدم اعضائے یکدیگر اند
کہ در آفرینش زیک گوہر اند

۲ چو عضوے بدرد آورد روزگار
دگر عضوہا را نماند قرار

۳ تو کز محنت دیگراں بے غمی
نشاید کہ نامت نہند آدمی

ترجمہ: ۱۔ بنی آدم ایک دوسرے سے اعضاء کی طرح ہیں اس لیے تخلیق ایک ہی جوہر ہیں۔
۲۔ جب ایک عضو کو زمانہ تکلیف پہنچاتا ہے تو دوسرے اعضاء کو قرار نہیں رہتا۔
۳۔ جب تو دوسروں کے دکھ سے بے خبر ہے تو لائق نہیں کہ تیرا نام آدمی ہو۔

(باقی ص ۱۷۱ پر)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ لَوْ لَا
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ
وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۞ وَ لَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى
وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لْيَعْفُوْا وَ لْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ
اللّٰهُ لَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ
الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ
وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَ يَعْلَمُوْنَ
اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ۞ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَ الْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَ الطَّيِّبٰتُ
لِلطَّيِّبِيْنَ وَ الطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۞

ترجمہ : اے ایمان والو! شیطان کے نقش قدم پر مت چلو وہ تو بے حیائی اور برائی کا کہے گا اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم میں سے کوئی بھی کبھی پاک وستھرا نہ ہوسکتا ہاں اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاک وستھرا کردیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سمیع علیم ہے اور وہ جو تم میں فضیلت اور وسعت والے ہیں وہ قسم نہ کھائیں قریبی رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی اور چاہیے معاف کریں اور چاہیے درگزر کریں کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہاری مغفرت کرے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے بے شک وہ جو تہمت باندھتے ہیں بے خبر پاکدامن والی ایمان والی عورتوں پر تو وہ دنیا وآخرت میں لعنتی ہیں اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے جس دن میں ان پر ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے ان کے اعمال جو وہ کرتے تھے اس دن اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا بدلہ پورا پورا دے گا اور جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق اور ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے۔ خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے ہیں اور پاکدامن عورتیں پاکدامن مردوں کے لیے اور پاکدامن مرد پاکدامن عورتوں کے لیے، وہ لوگ بری الذمہ ہیں ان باتوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں ان کے لیے مغفرت اور باعزت روزی ہے۔

(بقیہ ص ۱۷۰)

ف : اہل اسلام کی امداد اور ان کا تعاون اور ان کے لیے خیر و بھلائی کا ارادہ کرنا دین کے ارکان سے ہے جو مسلمانوں کو فتنہ میں ڈالنے اور رسوا کرنے کے درپے ہو وہ خناس کی طرح تمام مخلوق سے شریر ترین انسان ہے

ف : آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ توبہ کرنے سے عذابِ الٰہی ٹل جاتا ہے۔ نیز ثابت ہُوا کہ آخرت کا عذاب اس شخص کو ہوگا جو گناہوں پر اصرار کرے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے والے کو قیامت میں اللہ تعالیٰ عام مخلوق میں سزا دے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ میرے لیے مہاجرین میں چند برگزیدہ افراد کو منتخب فرمائے گا جن کے ساتھ میں تیرے متعلق مشورہ کروں گا۔

جب بی بی صاحبہ نے حضور علیہ السلام سے یہ حدیث سنی تو رو پڑیں اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا، مَیں آپ کی راحت اور آپ کے سرور کو اپنی خوشی سے مقدم سمجھتی ہُوں۔ یہ سُن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام متبسم ہُوئے اور فرمایا تو صدیق کی صاحبزادی ہے، اسی وجہ سے جواب دہ دیا جو لاجواب ہے۔

ف : اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بڑا رحیم و کریم ہے ان پر بہت زیادہ لطف و کرم فرماتا ہے اور انہیں مذموم اوصاف سے پاک وصاف فرماتا ہے اگرچہ وہ دنیا و آخرت کے عذاب کے بھی مستحق ہوں کیونکہ اس نے مخلوق کو رحمت کرنے کے لیے پیدا فرمایا، اسے عذاب کرنے کے لیے نہیں بنایا۔ اگر ان پر کوئی عذاب نازل فرماتا ہے تو وُہ ان کے اعمال کی شامت اور بُرے اختیار کی وجہ سے ہوتا ہے۔

دُعا ہم اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وُہ ہمیں ان اوصافِ ذمیمہ سے بچائے جو دردناک عذاب کے موجب ہیں اور ہمیں ان اخلاقِ حمیدہ سے مشرف فرمائے جو دارِ نعیم میں نعمات اور درجاتِ علیا کا باعث ہیں۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ۔ خطوات، خطوۃ بضم الخاء بمعنے وہ فاصلہ جو دو قدموں کے درمیان ہے۔ یعنی چلنے والے کے دو قدموں کے درمیان کا فاصلہ، و بالفتح بمعنے چلنے کی ایک نوبت۔ اور یہاں پر اتباع الخطوات سے اقتداء مراد ہے۔ اگرچہ یہاں چلنے کا معنیٰ ہی نہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

اتبع خطوات فلان ومشی علی عقبہ۔

(اس نے فلاں کی اتباع کی اور اس کے قدم بہ قدم چلا۔)

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے طریقے کو اپنائے۔ یہاں پر شیطان کی سیرت و طریقہ مراد ہے۔ اب معنیٰ یوں ہُوا کہ اے مومنو! شیطان کے اس طریقہ کو نہ اپناؤ جس کی طرف وہ تمہیں بلاتا اور اس کا تمہارے دلوں میں

وسوسہ ڈالتا اور اسے تمہاری آنکھوں میں مزین کرکے دکھاتا ہے منجملہ اس کے فاحشہ کی اشاعت و محبت ہے۔ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ اور جو بھی شیطان کی اتباع کرکے فاحش و منکر کا ارتکاب کرتا ہے فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِؕ یہ جزاء کی علت اور اسی کے قائم مقام ہے فاحشہ و فحشاء وہ برائی جو عقلاً و عرفاً عظیم تر سمجھی جائے قولاً ہو یا فعلاً، اور المنکر وہ برائی جو شرعاً قبیح ہو۔

ف : ابو اللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ وہ امر جسے شرع و سنت قبیح کہے۔ المفردات میں ہے جس کے قبح کا عقول صحیحہ حکم دیں یا اس کے قبح پر عقول صحیح کو توقف ہو۔ نیز جسے شریعت میں قبیح سمجھا جائے اسے منکر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ استعارۃً ہر وہ امر جسے شیطان مزین کرکے دکھائے اور بنو آدم کی تحقیر کے پیش نظر انہیں شر پر برانگیختہ کرے اسے منکر سے تعبیر کیا جائے گا۔ یعنی شیطان انہیں فحشاء و منکر کا حکم دیتا ہے۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔ یعنی مذکورہ بیانات نہ ہوتے اور توفیق نصیب نہ ہوتی جو کہ گناہوں کو مٹانے والی ہے اور حدود شرع نہ مقرر ہوتے جو گناہوں کا کفارہ ہیں مَا زَكٰى تو گناہوں کی میل اور گرد سے پاک و صاف نہ ہو مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ تم میں سے کوئی ایک۔ پہلا مِن بیانیہ اور دوسرا زائدہ۔ محلاً مرفوع علی الفاعلیۃ ہے اَبَدًا ہمیشہ تک یعنی آخر الدہر یعنی غیر منتہی زمانہ تک وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ لیکن اللہ تعالیٰ پاک اور ستھرا کرتا ہے مَنْ يَّشَآءُ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے کہ اس پر فضل و رحمت کی بارش برساتا اور اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔ جیسے اے مومنو! تمہارے ساتھ کیا۔

ف : اس میں قدریہ کا رد ہے وہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے طاعات و عبادات سے ہی نفوس کا تزکیہ و تطہیر کرتا ہے جسے توفیق کو کوئی دخل نہیں۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ اللہ خوب سنتا ہے منجملہ ان کے یہ اقوال بھی ہیں جو انہوں نے حدیث افک میں تراشے اور ان کے بعض نے اظہار توبہ بھی کیا عَلِيْمٌ ○ جملہ معلومات کو بھی خوب جانتا ہے منجملہ ان کے ان کے یہ بیانات بھی ہیں جو انہوں نے واقعہ افک میں دل میں چھپائیں اس میں بندوں میں توبہ میں اخلاص پیدا کرنے پر انگیختہ کیا گیا ہے ؎

گر نباشد خالص چہ حاصل از عمل

ترجمہ: اگر نیت خالص نہ ہو تو اس عمل کا کیا فائدہ!

تفسیر صوفیانہ

ان آیات سے چند امور ثابت ہوئے۔

(۱) شیطان کے طریقے ان گنت ہیں یہ وہی ہیں جن پر فحشاء و منکر کا اطلاق ہو سکتا ہے منجملہ ان کے قذف، شتم، کذب اور لوگوں کے عیوب کی تفتیش۔

حدیث شریف ۱ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بندے کی ہر بات اس کے لیے مضر ہے سوائے امر بالمعروف ونہی عن المنکر اور ذکرِ الٰہی کے۔

حدیث شریف ۲ : مبارکباد کا مستحق ہے ہر وُہ شخص جو اپنے عیوب پر نظر رکھنے میں اتنا مشغول ہے کہ اسے دوسروں کے عیوب پر نظر کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا۔

ف : نیز وہ بھی مبارکباد کا مستحق ہے جو حلال کی کمائی سے راہِ حق میں خرچ کرتا ہے اور فقہاء کی مجلس میں بیٹھتا ہے اور حکماٗ کے پاس آمدورفت رکھتا ہے اور اہلِ معصیت وجہلاٗ سے کنارہ کش رہتا ہے۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ خطوات الشیطان سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی منت ماننا۔ (کذافی تفسیر ابی اللیث)

طاعتِ الٰہی کی منت ماننا کارِ ثواب ہے۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہما، اس لیے کہ یہ امور فحشاٗ ومنکر سے روکتے ہیں۔

(۲) نفوس کا تزکیہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہ اپنے بندوں میں جس کے لیے استاد کامل یعنی مرشد کا ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اسے راہِ حق پہ لگائے۔ ہم ان امور میں سب سے بڑا وسیلہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں۔ ان کے بعد ان حضرات کو جو ہمیں راہِ حق پہ لگائیں۔

ابوالحسن خرقانی شیخ الاسلام حضرت عبداللہ انصاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علمِ حدیث وعلمِ شریعت کے میرے مشایخ بہت ہیں لیکن طریقت کے میرے مشایخ صرف ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ ہیں۔ اگر مجھے ان کی زیارت نصیب نہ ہوتی تو میں حقیقت سے ناآشنا رہتا۔

ف : اہلِ ارشاد ہی طریقۂ دین کے رہبر اور ابوابِ یقین کی کنجیاں ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ انسان کامل کا وجود غنیمت ہے ان کی صحبت نعمتِ عظمیٰ ہے ؎

زمن اے دوست ایں یک پند بپذیر
برو فتراک صاحب دولتے گیر
کہ قطرہ تا صدف را در نیابد
نگردد گوہر روشن نتابد

ترجمہ : مجھ سے اے دوست! ایک نصیحت قبول فرما، وہ یہ کہ صاحبِ دولت کا دامن تھام اس لیے کہ پانی کا قطرہ جب تک صدف کے منہ میں نہیں جاتا اس وقت تک روشن موتی نہیں بن سکتا۔

تصفیۂ قلب کی نشانی حقیقی تزکیہ کی نشانی یہ ہے کہ پہلے دل کو گناہوں اور غلطیوں سے نفرت ہوتی ہے پھر اغیار سے بالکل تنفر ہو جاتا ہے۔

مَنْ يَّشَآءُ میں اشارہ ہے کہ ہر انسان تزکیہ کا اہل نہیں جیسے منافقین اور وہ لوگ جن کے قلوب رعونت و سرکشی کے زنگ میں ہیں۔ نیز اس میں اشارہ ہے کہ جو بھی اہلِ ایمان میں سے حدیثِ افک میں غلطی کا شکار ہوا

اس کی مغفرت و معافی ہوگئی۔ جیسے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ، جیسا کہ آنے والی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں معظم الشان تھے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کو جھانک کر دیکھا۔ یعنی انہیں نظرِ رحمت و مغفرت سے نوازا اور ان کے حق میں فرمایا:

اے بدریو! جو چاہو کرتے جاؤ، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

ازالۂ وہم اس حدیث شریف کی مراد یہ ہے کہ اس کریم نے اہلِ بدر کے ساتھ اظہارِ عنایت و شفقت اور ان کے مراتب و درجات کی بلندی کا اظہار فرمایا ہے۔ اس سے یہ مطلب لینا گمراہی ہے کہ (معاذ اللہ) انھیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی برائی کے ارتکاب کی رخصت عام فرما دی۔ یہ وہ طرز ادا ہے کہ محبوب کو کہا جاتا ہے:

اصنع ماشئت۔

(جو تیرا جی چاہے کرتا جا)

ف: المقاصد الحسنہ میں ہے کہ بعض اہلِ عرب کہتے ہیں:

کانك من اهل البدر۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی قول و فعل سے چشم پوشی کی جائے۔ ہر گناہ کی توبہ کی قبولیت کا اسی سے سوال ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلَا یَاْتَلِ۔ الائتلا بمعنے القسم یعنی قسم کھانا (کذا فی تاج المصادر) الالیۃ سے ہے بمعنے الیمین۔ ولا یاتل بمعنے ولا یحلف یعنی قسم نہ کھانے۔

شانِ نزول یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب انہوں نے قسم کھائی کہ اپنے خالہ زاد مسطح کو خرچہ وغیرہ نہیں دیں گے کیونکہ وہ فقیر مسکین بدری مہاجر تھے۔ قسم اس لئے کھائی کہ اُنہوں نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشی میں حصّہ لیا تھا۔

اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ دین کی فضیلت والے۔ اور الفضل بمعنے زیادتی۔ وَالسَّعَةِ اور مال کی وسعت والے۔ اَنْ یُّؤْتُوْٓا یہ کہ نہیں دیں گے اور احسان و مروّت نہیں کریں گے۔ یہاں پر حرف علیٰ محذوف ہے اور یہ عام ہے۔ یعنی اکثر طور بعض مقامات پہ حرفِ جر حذف کر دیا جاتا ہے اُولِی الْقُرْبٰی رشتہ داروں پر وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مسکینوں اور مہاجر فی سبیل اللہ پر۔ یہ ایک ہی موصوف کے صفات ہیں اور موصوف لفظ ناس ہے۔ یعنی وہ لوگ جن کے صفات مذکورہ جامع ہوں اس لیے کہ ایسے لوگوں کے بارے میں گفت گو ہو رہی ہے اور حضرت مسطح رضی اللہ عنہ انہی صفات سے موصوف تھے کیونکہ مسطح رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر

رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار اور مسکین و مہاجر تھے ۔
نکتہ : صفات کو حرفِ علت کے ساتھ لانے میں اشارہ ہے کہ ان کی ہر صفت مستقل طور پر استحقاق انفاق کی علت تھی وَلْيَعْفُوا چاہیے کہ ان کی غلطیوں سے درگزر فرمائیں وَلْيَصْفَحُوا اور ان کی ملامت سے اعراض فرمائیں۔
ف : امام راغب نے لکھا کہ الصفح بمعنے ترک ملامت ۔ اور یہ عفو سے بلیغ تر ہے ۔ اس لیے کہ بار ہا کا تجربہ ہے کہ انسان کسی کو معاف تو کر دیتا ہے لیکن اسے اس کی غلطی پر ملامت کرتا رہتا ہے اَلَا تُحِبُّوْنَ کیا تمہیں پسند کہ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ تمہیں اللہ بخش دے یعنی تمہارے عفو اور ترکِ ملامت اور برائی کے بدلہ میں احسان کے عوض تمہیں اللہ تعالیٰ اپنی مغفرت عطا فرمائے وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ؀ باوجودیکہ اللہ تعالیٰ بندوں کے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے مواخذہ کی کامل قدرت ہے لیکن پھر بھی وہ بہت بڑی رحمت و مغفرت کا مالک ہے ۔
ف : اس میں ترغیب ہے کہ بندے کو چاہیے کہ عفو و درگزر کرنے کی عادت اپنائے اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے بھی عفو اور مغفرت و رحمت کا وعدہ کریمہ فرمایا ہے ۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو فرماتا ہے کہ کیا تم میری مغفرت کے خواہاں نہیں ہو ۔ اگر واقعی میری مغفرت اور عفو و رحمت کے خواہاں ہو تو اس کا موجب یہی ہے کہ تم اس کے بندوں کو معافی دو اور ان کی غلطیوں اور خطاؤں سے درگزر کرو ۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایثار مروی ہے کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آیۃ ہذا سنائی تو عرض کی : میں چاہتا ہوں کہ میرا رب تعالیٰ میری مغفرت فرمائے ۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت مسطح رضی اللہ عنہ کو حسبِ دستور خرچہ دے دیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا اور فرمایا کہ تادمِ زیست ان سے خرچ بند نہ کروں گا ۔
ف : معجم طبرانی کبیر میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد حضرت مسطح کو پہلے سے دگنا خرچہ دینا فرما دیا ۔
مسئلہ : آیت سے ثابت ہوا کہ جو شخص کسی امر کے کرنے نہ کرنے کی قسم کھائے لیکن پھر محسوس ہو کہ یہ قسم نہ کھانی تھی تو اس پر لازم ہے کہ حانث ہو کر قسم کا کفارہ ادا کرے ۔ اس میں اسے تین ثواب نصیب ہوں گے :

۱ ۔ امرِ الٰہی کی فرمانبرداری
۲ ۔ احسان و مروّت کا اجر ، وہ اس لیے کہ اس نے صلہ رحمی کی ۔
۳ ۔ کفارہ دینے کا اجر و ثواب ۔

فضیلتِ صدیق رضی اللہ عنہ علمائے کرام نے اس آیت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آیت سے چند فوائد مرتب ہوئے :

فضیلت و شرافت پر استدلال کیا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک عیب سے معیوب ہونے سے روکا ۔ اور انھیں اولوالفضل کے نام سے موسوم فرمایا نیز صیغہ جمع کے ساتھ یاد کرنے سے بھی ان کی فضیلت کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ صیغہ جمع تعظیم و تکریم کے لیے بولا جاتا ہے ۔ چنانچہ قوم کے سردار اور اعلیٰ شخصیت کے لیے کہا جاتا ہے لا یفعلوا کیت کیت ۔

شیعہ کا رد منکرین نے کہا کہ یہاں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے مال و دولت کی وجہ سے اولوالفضل کہا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مال کی وجہ سے انھیں اولوالفضل کہنا تسلیم کیا جائے تو تکرار لازم آتا ہے اس لیے کہ آیت میں لفظ السعۃ واقع ہے اور قرآن مجید میں تکرار ناموزوں ہے ۔ نتیجہ نکلا کہ آیت میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی تصریح ہے کہ واقعی بعد الانبیاء افضل الخلق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں ۔

علی و صدیق کی آپس میں محبت و عقیدت کا بیان انسان العیون میں ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس لیے اولوالفضل فرمایا کہ اس نے کہ حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے آپ کو اولوالفضل سے یاد فرمایا ۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مقام پر رونق افروز تھے ، حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب بیٹھے تھے جونہی حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جگہ چھوڑ دی اور اپنی جگہ پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بٹھایا ۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیفیت دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا :

لا یعرف الفضل لاھل الفضل الا اولوالفضل ۔

(صاحبِ فضیلت کی فضیلت کو فضیلت والا ہی جانتا ہے)

حکیم سنائی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ؎

۱ بود چنداں کرامت و فضلش
که اولوالفضل خواند ذوالفضلش

۲ صورت و سیرتش ہمہ جان بود
زاں ز چشم عوان پنہان بود

۳ روز و شب سال و ماہ در ہمہ کار
ثانی اثنین اذ ھما فی الغار

ترجمہ : ۱۔ اس کی کتنی فضیلت و بزرگی ہوگی جسے اہلِ فضیلت ذُوفضل سے یاد فرمائیں۔
۲۔ اس کی صورت وسیرت محبوب ہے وہ عوام کی آنکھ سے پوشیدہ ہے ۔
۳۔ روز وشب اور مہ وسال اس کے ثانی اثنین اور رفیقِ غار ہیں۔
(۴) برے کو برائی کے بدلے کے بجائے احسان ومروّت سے نوازا جائے ۔

حدیث شریف مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ہنس پڑے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے ؟ آپ نے فرمایا :

" میری اُمت کے دو شخص اللہ تعالیٰ کے حضور میں گھٹنوں کے بل حاضر ہوئے ایک نے عرض کی کہ یا اللہ ! اس سے میرے حقوق ادا کرائیے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھی سے فرمایا : اس کے حقوق ادا کیجئے ۔ اس نے عرض کی : یا اللہ ! میرے پاس تو ایک نیکی بھی نہیں رہی ۔ اس دوسرے نے عرض کی : یا اللہ ! میرے گناہ اس پر رکھ دیجئے ۔"

اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا :

" وہ بہت بڑا دن ہے اس وقت لوگ آرزو کریں گے کاش ! ان کے گناہ سر سے اٹھانے والا کوئی ہو !"

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے ان دونوں کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہا :

" اللہ تعالیٰ حقوق طلب کرنے والے سے فرمائے گا آنکھ اٹھا کر بہشت میں دیکھیے ۔ عرض کرے گا یا اللہ ! بہشت میں سونے کے شہر دیکھتا ہوں جس کے محلات سونے سے اور ان پر موتیوں کا جڑاؤ ہے ، فرمائیے یہ کسی نبی علیہ السلام یا کسی صدیق یا شہید کے لیے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا : یہ اس کے لیے ہیں جو ان کی قیمت ادا کرے گا ۔ عرض کرے گا یا اللہ ! اس کی قیمت کون ادا کر سکتا ہے ؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا : اس کی قیمت تیرے پاس ہے اگر تو ادا کر دے تو یہ تمام محلات تجھے دے دیے جائیں گے ۔ عرض کرے گا یا اللہ ! وہ کیا ہے ؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا وہ ہے تیرا اپنے بھائی کو معاف کرنا ۔ عرض کرے گا : میں نے اسے معاف کر دیا ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو پھر دیر کیا ہے لے جا اپنے بھائی کو ، اور دونوں بہشت میں داخل ہو جاؤ ۔

من کان یرجو عفو من فوقہ
فلیعف عن ذنب الذی دونہ

ترجمہ : جو اپنے سے بڑے سے معافی کا خواستگار رہے اسے اپنے سے چھوٹے کو معاف کرنا چاہیے ۔

ع در عفو لذتیست کہ در انتقام نیست

(معافی میں جو لذت ہے وہ انتقام میں نہیں)

۳۔ مشایخ واولیاء واکابر علماء کو نصیحت ہے کہ وہ اپنے متعلقین کی خطاؤں اور لغزشوں سے چشم پوشی سے کام لیں بلکہ تخلقوا باخلاق اللہ پر عمل کرتے ہوئے ان کی غلطیاں معاف کر دیں اور انہیں یہ بھی سمجھایا ہے کہ ان سے احکامِ طریقت کی تعلیم نہ روکیں اس لیے کہ ہر حال میں اللہ معین و مددگار ہے۔ اور سیئات اعمال کی معافی اسی کے ہاتھ میں ہے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ، الرمی کا معنیٰ سورۃ کے اوائل میں گزرا ہے، بے شک وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں الْمُحْصَنٰتِ پاکدامن عورتوں پر کہ جنہیں زنا اور فاحشہ جیسے قبیح افعال سے متہم کیا گیا الْغٰفِلٰتِ جو بے خبر ہیں یعنی ایسے قبائح و فواحش کا ان کو وہم و گمان تک نہیں ہوتا اور نہ ان کے متعلقات یعنی بوس وکنار وغیرہ کو جانتی ہیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ یہ محصنات سے زیادہ پاکیزہ ہوتی ہیں۔

ف: التعریفات میں ہے کہ غفلت عن الشئ سے مراد ہے کہ اس کا وہم وگمان تک نہ ہو۔

الْمُؤْمِنٰتِ وہ جو ایمان سے موصوف ہیں۔ یعنی ہر وہ جملہ امور واجبات ہوں یا محظورات ان سب کو وہ دل سے مانتی اور زبان سے اقرار کرتی ہیں ایسی عورتیں جن کا ایمان حقیقی تفصیلی ہے اسی لیے اسے دوسری صفات سے مؤخر کرکے لایا گیا ہے۔ اس سے بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مراد ہیں۔ اور صیغۂ جمع اس لیے ہے کہ ان پر بہتان تراشی گویا جملہ امہات المؤمنین کو متہم کرنا ہے کیونکہ عصمت ونزاہت سب کی سب مشترک اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے میں برابر ہیں۔ اس کی نظیر کذبت قوم نوح المرسلین میں ہے کہ انہوں نے نوح علیہ السلام کو جھٹلا کر گویا تمام انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی لُعِنُوْا بسبب اس کے کہ انہوں نے بی بی صاحبان کے حق میں کہنے اور ان کی حرمت کی ہتک کی وجہ سے ملعون ہونے فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ دنیا وآخرت میں اس لیے کہ اہلِ ایمان میں رحمت سے دور ہوئے یعنی عالمِ دنیا میں مرذود وملعون ہیں اور آخرت میں مبغوض ومطرود ہیں۔ لعنت بمعنے کسی کو بطریق غیظ وغضب ہٹانا اور دور کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے بندے کو آخرت میں عذاب میں مبتلا کرے اور دنیا میں اسے اپنے فیض کے قبول کرنے اور توفیق سے محروم فرمادے۔ اور بندے سے کسی دوسرے کو لعنت بمعنے بد دعا کرنا وَلَھُمْ ان کےلئے مذکورہ لعنت ہے عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۝ بہت بڑا عذاب اس لیے کہ ان کا جرم عظیم ہے تو انہیں عذاب بھی بڑا ہوگا۔

ف: مقاتل نے فرمایا کہ یہ صرف عبد اللہ بن ابی کے لیے ہوگا۔ اسی طرح حضرت شیخ نجم الدین قدس سرہٗ نے اپنی

"تاویلات میں اشارہ فرمایا ہے ان الذین جاء و بالافک الخ میں سے مستثنی ہیں اسی لیے ہم اس حکم میں حضرت مسطح وغیرہ رضی اللہ عنہم داخل ہیں اہل بدر نہیں جیسا کہ ان کی مغفرت کی طرف اشارہ پہلے گزر چکا ہے۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ حکم ہر بہتان تراش کو عام ہے بشرطیکہ وہ خلوصِ قلب سے توبہ کرے۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات اعمال تباہ کن ہیں ان سے بچو، وہ سات اعمال یہ ہیں :

۱۔ شرک باللہ
۲۔ سحر
۳۔ اس نفس کو قتل کرنا جس کا قتل کرنا حرام ہے۔
۴۔ سُود کھانا
۵۔ یتامٰی کا مال کھانا
۶۔ جنگ میں پیٹھ دے کر بھاگنا
۷۔ مومنات غافلات پر زنا وغیرہ کی تہمت لگانا۔

مسئلہ : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر بہتان تراشا اس کی توبہ ناقابل قبول ہے، ان کے سوا عام مومن عورت پر بہتان باندھنے پر توبہ قبول ہونے کی اُمید ہے۔ اس کی دلیل آپ نے والذین یرمون المحصنٰت الیٰ ان قال الا الذین تابوا و اصلحوا آیت میں پڑھی۔

یَوْمَ یہ مذکورہ جار مجرور کے متعلق استقرار کی ظرف ہے **تَشْهَدُ** الشہادۃ بمعنے[1] وہ قول جو علم سے صادر ہو اور وُہ علم جو بصر و بصیرۃ کے مشاہدہ سے حاصل ہو۔ **عَلَيْهِمْ** اسے فاعل پر اسی لیے مقدم کیا گیا ہے **اَلْسِنَتُهُمْ** یعنی اسی وقت ان کی زبانیں ان پر بلا اختیار گواہی دیں گی۔ یہ اس وقت سے پہلے کی بات ہے جب ان کی زبانوں پر مُہر لگائی جائے گی اسی لیے اس کے اور آیت الیوم نختم علی افواھھم کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے **وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے کردار کی گواہی دیں گے **يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ** توفیۃ بمعنے شے کو پُورا خرچ کرنا۔

---

[1] اسی لیے ہم شاھدًا و شھیدًا بمعنے حاضر و ناظر کہتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

ف : الوافی وہ شے جو اپنی تکمیل کو پہنچے ۔ اور دین بمعنے جزا ُ اور الحق منصوب ہے ۔ یہ دین کی صفت ہے ۔ اب معنی یہ ہُوا کہ جبکہ ان کے اعمال قبیحہ کی گواہی دیں گے جس پہ انھیں اللہ تعالیٰ مکمل طور پر جزاو سزا دے گا جب کہ وہ اسی سزا کے مستحق ہوں گے ۔

وَيَعْلَمُوْنَ جب ہولناک امور دیکھیں گے تو یقین کریں گے کہ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ٥ بے شک اللہ تعالیٰ حق ہے اور اس کی حقانیت ظاہر ہے یعنی انہیں معلوم ہو گا کہ دُنیا میں جس سزا کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا وہ حق ہے ۔ بعض نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ وہ فرمان جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا حق ہے ۔

ف : آیت سے چند امور ثابت ہوئے :

(۱) جو لعنت کا مستحق ہو اس پر لعنت کرنا جائز ہے ۔

قاعدہ : امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا :

لعنت کے موجب تین امور ہیں :

۱ ۔ کفر

۲ ۔ بدعت (سیئہ در بارہ عقاید)

۳ ۔ فسق

ان ہر ایک کے تین مراتب ہیں :

۱ ۔ لعنت بالوصف الاعم جیسے لعنۃ اللہ علی الکافرین ۔ ایسے ہی کہنا مبتدعہ اور فسقہ پر لعنت وغیرہ ۔

۲ ۔ لعنت بالوصف الاخص ۔ مثلاً کہا جائے یہود و نصارٰی اور قدریہ و خوارج و روافض اور زانیوں و ظالموں اور سُود خواروں پر لعنت ہو اور ایسے لوگوں پر مجموعی طور پر لعنت ہے ۔

مسئلہ : اہلِ بدعت کے بعض افراد پر لعنت کرنا خطرہ ہے اس لیے کہ بدعت کو سمجھنا مشکل امر ہے جس امر کے لیے لعنت کی احادیث میں تصریح نہیں اس سے عوام کو لعنت سے روکا جائے کیونکہ بوجہ عدم صراحت کے عوام کے خیالات میں تصادم ہو گا ۔ پھر اس تصادم سے آپس میں دنگا و فساد ہو گا (چنانچہ دورِ حاضرہ میں وہابیہ دیوبندیہ نجدیہ نے عوام سے بدعت کے معاملہ میں دنگا فساد برپا کیا ہوا ہے)

۳ ۔ شخص معین پر لعنت کرنا، لیکن اسے دیکھنا ہو گا کہ واقعی اس میں شرعی کفر ثابت ہے تو پھر اس پر لعنت کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس شخص معین پر لعنت کرنے سے کسی مسلمان کے دل کو اذیت نہ پہنچے ، جیسے نمرود ، فرعون ، ابوجہل ملعون کہنا جائز ہے اس لیے کہ ان پر لعنت کرنے سے کسی کا دل نہیں دُکھتا اور شرعاً ثابت ہے کہ یہ لوگ کفر پہ مرے ہیں ۔

مسئلہ : اگر کسی کے خاتمہ کا علم نہ ہو کہ وہ کفر پر مرا ہے یا نہیں، تو اس پر لعنت کرنا نا جائز ہے۔ جیسے کہا جائے کہ زید پر لعنت ہو اور وہ یہود یا نصرانی ہو، تو ایسے لوگوں پر لعنت کرنا خطرے سے خالی نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ بعد ازاں مسلمان ہو گیا ہو یا توبہ کر کے مرا ہو یا وہ اللہ کے نزدیک اسلام قبول کر چکا ہو۔ اس لیے اسے قطعی طور پر ملعون نہ کہنا چاہیے۔

(۲) قیامت میں اعضاء گواہی دیں گے وہ اس لیے کہ انہیں اللہ تعالیٰ بولنے کی طاقت بخشے گا۔

ف : جیسے مجرمین کے اعضاء ان کے جرائم و معاصی پر گواہی دیں گے ایسے ہی مطیعین کی اطاعت پر بھی ان کے اعضاء نیکی کی گواہی دیں گے۔ مثلاً زبان نیک آدمی کے اقرار کی توحید و قرأۃ قرآن کی اور ہاتھ قرآن مجید پکڑنے کی اور پاؤں مسجد کی طرف چلنے کی اور آنکھ رونے کی اور کان کلامِ الٰہی سننے کی گواہی دیں گے۔

فائدہ صوفیانہ : قیامت کی گواہی تو ہوتی رہے گی لیکن دنیا میں عشاقِ حق کے اعضاء ان کے عشقِ الٰہی کی گواہی دیں گے۔ مثلاً :

۱۔ چہرے کا رنگ زرد ہونا
۲۔ جسم کا رنگ متغیر ہونا
۳۔ جسم کا ضعیف و نحیف ہونا
۴۔ آنکھوں سے آنسو کا بہنا
۵۔ دل کی دھڑکن وغیرہ۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

با ضعف و ناتوانی ہمچوں نسیم خوش باش
بیماری اندریں رہ بہتر ز تن درستی

ترجمہ : بادِ نسیم کی طرح اپنے ضعف و ناتوانی پر خوش ہو اس لیے کہ عشق میں تندرستی سے بیماری بہتر ہے۔

(۳) سزا اعمال کی مقدار پر ہو گی۔ مثلاً فساق کو دوزخ کے علاوہ ہجر و فراق میں مبتلا کیا جائے گا اور صالحین کو درجات بلند اور عارفین وصال اور قربتِ الٰہی اور رؤیتِ رحمٰن نصیب ہوں گے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ وہ عورتیں جو زناکار ہیں لِلْخَبِيْثِيْنَ خبیث مردوں کے لیے جو کہ وہ بھی زانی ہوں گے۔ جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول منافق زانی تھا تو اسے عورت بھی زانی ملی یعنی خبیث عورتیں خبیث مردوں کو نصیب ہوں گی، اس لیے کہ ایسی عورتیں دوسروں کے لائق نہیں ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر فرمایا ہے جو ہر ایک مرد و

عورت کو اس طرح کا رشتہ مقرر فرمائے جس طرح کے وہ ہیں۔ اس معنے پر یہ لام اختصاص کی ہوگی۔
وَ الْخَبِيْثُوْنَ اور ناپاک مرد لِلْخَبِيْثٰتِ ناپاک عورتوں کے لیے، اس لیے کہ جنسیت کا تقاضا یونہی ہے،
وَالطَّيِّبٰتُ اور پاکدامن عورتیں لِلطَّيِّبِيْنَ پاکدامن مردوں کے لیے وَ الطَّيِّبُوْنَ اور پاک مرد لِلطَّيِّبٰتِ
پاک عورتوں کے لیے۔ ایسے مردوں کو ایسی عورتیں نصیب ہوں گی جس کا نتیجہ نکلا کہ چونکہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اطیب الطیبین و اولین و آخرین سے اولیٰ و اعلیٰ تھے۔ اسی لیے صدیقہ رضی اللہ عنہا کا اطیب الطیبات ہونا ضروری ہے۔ اس کلیہ سے واضح ہوا کہ منافقین جو بکواسات و خرافات کہتے تھے سراسر باطل اور غلط تھے۔
کما قال تعالیٰ: اُولٰٓئِكَ وہ حضرات جو بلند شان کی صفت سے موصوف ہیں ان سے اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (یعنی ازواجِ مطہرات و آلِ اطہار) مراد ہیں۔

سوال: الاسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ یہ آیات بی بی عائشہ صدیقہ و حضرت صفوان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حق میں نازل ہوئیں لیکن اسم اشارہ جمع کے لفظ کے ساتھ کیوں؟

جواب: چونکہ یہ عیب و نقص اور زنا کی تہمت اگرچہ بظاہر ان دونوں حضرات پر تھی لیکن حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع تھی اس لیے کہ آپ کے حرم محترم پر غلط تہمت لگائی گئی اور ایسے ہی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مطعون کیا گیا کیونکہ آپ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدِ گرامی تھے۔ ایسے ہی جملہ اہلِ اسلام پر طعن و تشنیع کی گئی ہے کیونکہ بی بی صاحبہ جملہ اہلِ اسلام کی ماں تھیں۔ اسی بنا پر صیغہ جمع کے ساتھ بیان فرمایا۔

مُبَرَّءُوْنَ بیزار یعنی منزہ و مقدس ہیں مِمَّا يَقُوْلُوْنَ اس سے جو اہلِ افک کہتے ہیں جو لوگ قیامت تک ہر زمانہ میں ان حضرات سے غلط باتیں منسوب کریں گے تو یقین جانئے کہ یہ حضرات ان کے جھوٹے اقوال کی نسبت سے پاک اور منزہ و معرا ہیں لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ان کے لیے بہت بڑی مغفرت ہے۔ اس لیے کوئی بشر کسی غلطی سے خالی نہیں۔ (الا من شاء اللہ)

وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ اور بہشت میں ان کے لیے بہت بڑا رزق ہے۔ بعض نے کہا کریم بمعنے حسن ہے۔

ف: کاشفی نے لکھا کہ رزق بسیار و پایدار یعنی بہشت کی نعمتیں۔

قاعدہ: المفردات میں ہے کہ ہر وہ شے جو اپنی شان میں شرافت والی ہو اسے کرم کی صفت سے موصوف کیا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا: رزقِ کریم وہ ہے جو بقدر کفایت حاصل ہو جس میں کسی قسم کی منت و احسان نہ ہو۔ اس کی دنیا میں کوئی حد نہیں اور آخرت میں اس کے متعلق سوال نہ ہو۔

ف : فقیر (صاحبِ روح البیان) کہتا ہے کہ آیات کا سیاق بالخصوص جملہ مما یقولون بتاتا ہے کہ الخبیثات سے وہ خبیث مرد اور خبیث عورتیں اس لائق ہیں کہ ان کے منہ سے خبیث اقوال خارج ہوتے ہیں۔ ایسے ہی خبیث مرد اور خبیث عورتیں اس لائق ہیں کہ ان کے لیے خبیث باتیں کی جائیں یعنی بُرے لوگوں کو بُری شہرت نصیب ہوتی ہے۔ ایسے ہی وہ مرد اور عورتیں طیب (پاکیزہ) ہیں جن کی عالمِ دنیا میں نیک نامی مشہور ہوتی ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں جو خبیث لوگوں کے خبیث اقوال سے پاک اور منزہ ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ان آیات میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تنزیہ مراد ہے۔

ف : بعض علماء نے فرمایا کہ خبیث قول خبیث مرد اور عورتیں بیان کرتی ہیں اور خبیث مرد اور عورتیں خبیث اقوال بولنے کے درپے رہتے ہیں۔ جیسے ابی بن سلول اور اس کے دوسرے ساتھی منافقین جنہوں نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان تراشا اور یہ قاعدہ ہے کہ برتن سے وہی خارج ہوتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔ اور کلماتِ طیبہ ان لوگوں کے منہ سے نکلتے ہیں جو پاکیزہ ہیں اس لیے کہ وہ صرف کلمۂ طیبہ ہی بولتے ہیں اور وہ ان خبیث کلمات سے مبرا اور پاک ہیں، جو خبیث لوگ بولتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ آیات میں ایسے لوگوں کی تنزیہ بیان کی گئی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں : سبحانک ھٰذا بہتان عظیم۔

ایک شیعہ نے بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی کی

حضرت حسن بن زیاد بن یزید رحمۃ اللہ علیہ طبرستان کے ایک بزرگ صوفیانہ لباس میں ملبوس رہتے تھے ان کا کام تھا کہ لوگوں کو امر بالمعروف فرمایا کرتے تھے اور ہر سال بغداد شریف میں بیس ہزار دینار بھیجتے تھے اور حکم فرماتے کہ یہ صرف صحابہ کرام کی اولاد پر تقسیم کیا جائے ان کے سامنے ایک شخص حاضر کیا گیا جو اپنے آپ کو شیعہ علی کہلواتا تھا لیکن وہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالیاں دیتا تھا۔ حضرت حسن مذکور نے اپنے نوکر کو فرمایا کہ اس کی گردن اڑا دے۔ علوی لوگوں نے درخواست کی حضور! اسے معاف کر دیجئے یہ ہمارا ہم جماعت ہے آپ نے فرمایا : (معاذ اللہ) اس بدبخت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہے کیونکہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی مذمت درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مذمت ہے۔ قرآن مجید کا فیصلہ ہے کہ الطیبات للطیبین الخ چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم طیب و طاہر تھے اس لیے آپ کی زوجہ کا بھی طیبہ و طاہرہ ہونا لازمی ہے۔ اس لیے اے میرے غلام! جلدی کیجئے اور اس بدبخت کی گردن تن سے جدا کر دو۔

مثنوی شریف میں ہے :

ذرہ کاندر ہمہ ارض و سما ست
جنس خود را ہمچو کاہ و کہربا ست

ترجمہ: وہ ذرہ جو تمام زمین و آسمان میں ہے وہ اپنی ہم جنس کی طرح خس و خاشاک ہے۔

ناریاں مر ناریاں را جاذبند
نوریاں مر نوریاں را طالبند

ترجمہ: آگ سے پیدا ہونیوالی مخلوق ہمیشہ آگ والی مخلوق کو پسند کرتی ہے نیک لوگ ہمیشہ نیکو کو پسند کرتے ہیں۔

۱۔ اہلِ باطل باطلاں را می کشند
اہلِ حق از اہلِ حق ہم سرخوش تنند

۲۔ طیبات آمد ز بہر طیبین
الخبیثات للخبیثین است بین

ترجمہ: اہلِ باطل باطل کو کھینچتے ہیں، اہلِ حق اہلِ حق سے خوش ہیں۔
۲۔ طیبات طیبین کے لیے آیا ہے۔، الخبیثات خبیثین کے لیے ہے۔

ف: الراغب نے فرمایا جس سے طبیعت کراہت کرے وہ محسوس ہو یا معقول، یہ اعتقاد باطل اور جھوٹے اقوال گندے افعال کو شامل ہے الخبیثات للخبیثین یعنی اعمال ردیّہ اور گندے اختیارات ان لوگوں کے نام نامزد ہیں جو خبیث ہیں۔ اور طیب وُہ ہے جس سے حواس کو لذت نصیب ہو۔ الطیبات للطیبین میں اشارہ ہے کہ پاکیزہ اعمال پاکیزہ انسانوں کو نصیب ہوتے ہیں۔

حدیث شریف: مومن اپنے اعمال سے طیب تر ہیں۔ اور کافر اپنے اعمال سے خبیث تر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں دنیا اور اس کی شہوات کی خباثت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ سب خبیث لوگوں کے لیے ہیں کیونکہ اس کے نفوس متمرد ہیں اور خبیث سے وُہ اہلِ دُنیا مراد ہیں جو دنیا سے مطمئن ہیں۔ للخبیثات سے نفس کو لذت دینے والی اور اس کی خواہش اور پسند کی چیزیں مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ انسے خبیثوں کے لیے وہی خبیث چیزیں ہیں نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الخبیثات سے اخلاقِ مذمومہ اور اوصافِ ردیّہ مراد ہیں اور خبیثین سے وہ لوگ مراد ہیں جو ان اوصاف سے موصوف ہیں اور الطیبات سے اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ کریمہ اور الطیبین سے صالحین اور اربابِ قلوب مراد ہیں یعنی طیبات طیبین اور طیبین طیبات کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولذلک خلقھم۔ اسی لیے انھیں پیدا فرمایا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نیک عمل کرو اس لیے کہ انسان جس کے لیے

پیدا کیا گیا ہے اسے اس کے مطابق عمل کی توفیق میسر آتی ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت و دوزخ پیدا کر کے ان کے لیے ان میں رہنے والے بھی پیدا فرمائے۔

دوسری تقریر حقائق البقلی میں ہے کہ خبیثات سے نفس کے ہواجس اور شیطان کے وہ وساوس مراد ہیں جو باطل اور ریا کار اور غلط کار لوگوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں۔ اور طیبات سے وہ الہام مراد ہیں جو ملائکہ کرام کے واسطہ سے اصحابِ قلوب و ارواح کو نصیب ہوتے ہیں۔ یعنی وہ اربابِ عقول جنہیں عارفین کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تیسری تقریر پریشانیاں اور اضطراب شک کرنے والوں اور معارف کے حقائق و دقائق اور کواشف کی شرح عارفین عارفین و عشاق کو نصیب ہوتے ہیں۔ حضرت مسروق رضی اللہ عنہ جب بھی بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا سے کوئی روایت کرتے تو کہتے :

حدثتنی الصدیقة بنت الصدیق حبیبة رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) المبرأة من السماء - یعنی صدیقہ بنت الصدیق رضی اللہ عنہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبہ جن کی برأت آسمان سے اتری، نے مجھ سے روایت کی۔

وفاتِ عائشہ رضی اللہ عنہا مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے وقت آپ کے ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور بی بی صاحبہ کو دیکھا کہ وہ بارگاہِ حق کی حاضری میں جانے سے گھبرا رہی ہیں۔ آپ نے ان سے فرمایا : آپ گھبراتی کیوں ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے مغفرت و رزقِ کریم کا وعدہ فرمایا ہے۔ یہ سن کر بی بی صاحبہ پر خوشی سے غنودگی طاری ہو گئی۔

بی بی صاحبہ کے مناقب بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ انعامات بخشے جو اور کسی بی بی کو نصیب نہیں ہوئے :

۱ - جبریل علیہ السلام میری تصویر لے کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۲ - حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ساتھ نکاح فرمایا درانحالیکہ میں باکرہ تھی۔ میرے سوا کسی اور باکرہ بی بی سے آپ نے نکاح نہیں کیا۔

۳ - جب حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو آپ کا سر مبارک میری گردن میں تھا۔

۴ - آپ کا مزار مبارک میرے حجرے میں ہے۔

(باقی ص ۱۸۸ پر)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ
خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ ۖ
وَإِن قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ○ لَّيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ
أَن تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ○
قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ
خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ○ وَقُل لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ
وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ
زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ
إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ
غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ
بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُونَ ○ وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا
فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ○ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا
حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ
عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ
إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِن بَعْدِ
إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ وَلَقَدْ أَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا
مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ع

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا غیروں کے گھروں میں نہ جاؤ جب تک اجازت نہ لو اور ان کے مکینوں کو سلام نہ کہو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ پس اگر ان میں کسی کو نہ پاؤ تو بھی مالکوں کی اجازت کے بغیر نہ جاؤ اگر تمہیں کہا جائے واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ یہی تمہارے لیے زیادہ اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ اعمال کو خوب جانتا ہے تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان گھروں میں جاؤ جو خاص کسی کی سکونت کا نہیں ان میں تمہارے لیے برتنے کی اجازت ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم علانیہ کرتے ہو اور جو تم چھپ کر کرتے ہو۔ اہل ایمان کو فرمائیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ اچھا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ان کے کاموں سے باخبر ہے اور اہل اسلام

عورتوں کو فرمائیے کہ وُہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت ظاہر نہ کریں۔ مگر وہ جو ان سے ظاہر ہے اور ڈالے رہیں اپنے دوپٹے اپنے گریبانوں پر۔ اور اپنا سنگار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ دادا پر یا اپنے شوہروں کے باپ دادا پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنے جیسی (دینی) عورتوں پر یا وہ کنیزیں جو ان کی ملک ہیں یا مردوں میں سے وہ نوکر جو شہوت والے نہ ہوں یا وہ بچے جو عورتوں کی شرم کی باتوں سے بے خبر ہیں اور زمین پر زور سے پاؤں نہ ماریں کہ جس سے ان کے مخفی سنگار کا علم ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کی طرف توبہ کرو اے ایمان والو تاکہ تم فلاح پاؤ اور نکاح کردو ان کا جو تم میں سے بے نکاح ہیں اور اپنے ان غلاموں اور لونڈیوں کا جو نکاح کی صلاحیت والے ہیں اگر وہ تنگ دست ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے انہیں غنی کردے گا اور اللہ تعالیٰ وسعت والا علم والا ہے اور چاہیے کہ نفس کو ضبط کریں وہ جو نکاح کا مقدور نہیں پاتے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بے نیاز کردے اور وہ غلام اور باندی جو تمہاری ملک ہیں انہیں جو چاہیں کہ مال کما کر ادائیگی کی شرط پر لکھائی چاہتے ہیں تو لکھ دو اگر ان میں بھلائی جانتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے دئیے ہوئے مال سے ان کو اور اپنی لونڈیوں کو زنا کرانے پر جبر نہ کرو اگر وہ پاک دامنی چاہتی ہیں تاکہ تم دنیوی زندگی کا کچھ سامان چاہو اور جو ان پر جبر کرے گا تو بے شک اللہ تعالیٰ بعد اس کے کہ وہ جبر کی حالت میں ہیں ان کے لیے غفور رحیم ہے۔

(بقیہ ص ۱۸۶)

۵۔ جب آپ کے دوسرے گھر والوں کے ہاں وحی اُترتی تو وہ آپ سے جُدا ہوتے لیکن جب آپ پر نزولِ وحی کے وقت میرے ہاں ہوتے، آپ میرے ساتھ میرے لحاف میں ہوتے تب بھی وحی نازل ہوجاتی۔

۶۔ آپ کے وصال کے بعد میرے والد گرامی خلیفہ منتخب ہوئے۔

۷۔ میرے والد گرامی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے صدیق تھے۔

۸۔ میری براءت آسمان سے نازل ہوئی۔

۹۔ میں طیبہ و طاہرہ ہوکر پیدا ہوئی۔

۱۰۔ مجھے مغفرت اور رزقِ کریم کا وعدہ دیا گیا۔

تفسیر عالمانہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا۔

شانِ نزول: حضرت عدی بن ثابت ایک انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ ایک

عورت نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی :
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! میں گھر میں ایک وقت ایسی حالت میں ہوتی ہوں اس وقت میں نہیں چاہتی کہ کوئی مجھے دیکھے لیکن آنے والے اچانک آ ہی جاتے ہیں تو فرمائیے' میں کیا کروں ؟ آپ نے اسے فرمایا اب چلی جا، (اللہ تعالیٰ کا جو حکم ہوگا اس کی میں تجھے خبر دے دوں گا) تب وہ چلی گئی تو یہ آیت نازل ہوئی کہ اے ایمان والو! لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ اپنے گھروں کے سوا دوسروں کے گھروں میں نہ چلے جایا کریں۔
مسئلہ : غیر بیوتکم کی قید باعتبار عادت کے ہے ورنہ اجارہ و اعارہ کے مکان بھی تو غیر کے گھر ہیں لیکن وہاں داخل ہونے کے لیے اجازت کا کیا معنیٰ۔
ف : اجارہ وہ مکان جو کرایہ پر لیا جائے اور اعارہ جو کسی کو بلا اُجرت ٹھہرنے کے لیے دیا جائے۔
حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا یہاں تک کہ ان سے اجازت مانگو۔ الاستئناس بمعنٰے استعلام آنس الشئ سے ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شے کوئی شے کھل کر آنکھ کے سامنے آجائے تو پھر اسے معلوم کرلے۔ اجازت مانگنے والے کے لیے اس لیے مستعمل ہے کہ وہ حال کو معلوم کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے یقین ہوجائے کہ اسے اجازت مل گئی ہے۔ یہ استیحاش کی نقیض ہے اس لیے کہ اجازت سے پہلے اجازت لینے والے کو یہ خوف ہوتا ہے کہ نہ معلوم اسے اجازت ملے یا نہ ملے۔ جب اسے اجازت مل جاتی ہے تو پھر وہ مانوس ہوجاتا ہے۔ اسی لیے اجازت لے کر آنے والے کو کہا جاتا ہے :
مرحبا اھلاً وسھلاً۔ یعنی خوش آمدید۔
آئیے تمہارے لیے مکان کھلا ہے اور تم اپنوں کے ہاں آگئے یہاں غیر کوئی نہیں اور تم ایسے گھر میں اترے ہو جو تمہارے لیے خوشگوار ہے اس میں تمہیں کسی قسم کا حزن و ملال نہیں ہوگا۔ یہاں پر تمہاری تمام وحشت دور ہوجائے گی اور یہاں تم آکر بہت خوش ہوگے لیکن آیت مطلق اجازت کے لیے ہے۔ یہ باب کنایہ سے ہے کہ استئناس یعنی لازم بول کر اجازت یعنی ملزوم مراد لیا گیا ہے۔
مسئلہ : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے استئناس کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ گھر کے باہر تسبیح یا تکبیر پڑھے یا کھنکارے تاکہ گھر والے اسے اندر آنے کی اجازت دیں۔
مسئلہ : نصاب الاحتساب میں ہے کہ اگر کوئی عورت زوج کے غیر میں بلا اجازت داخل ہو تو کیا اس سے محاسبہ ہوگا یا نہیں ؟ تو اس کے جواب میں فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر وہ عورت کے شوہر کے ذی محرم ہوں تو عورت ان کے گھر بلا اجازت جا سکتی ہے۔ یہ فقہاء کے مسائل عجیبہ وغریبہ میں سے ہے۔ اسے محیط میں سرقہ کے باب میں لکھا گیا ہے۔ اس کی صورت یوں لکھی کہ اگر کسی عورت نے زوج کے ذی محرم کے گھر سے چوری کی ہو تو۔

عورت کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔ یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مذہب ہے۔

مسئلہ: اگر عورت شوہر کے غیر محرم کے گھر میں داخل ہو تو اس کا محاسبہ ہوگا جیسے مردوں سے غیر کے گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے سے محاسبہ ہوتا ہے۔ اس کی دلیل یہی آیت لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا، ای تستاذنوا۔

ف: غیر کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت مانگنا اسلام کے بہترین آداب اور پسندیدہ افعال سے ہے۔ اس میں سعادۃ دارین کا راز مضمر ہے۔

وَتُسَلِّمُوا عَلٰٓى اَهْلِهَا اجازت طلب کرتے وقت ان کو السلام علیکم کہہ کر تین بار یوں بولو کہ کیا میں آجاؤں۔ اگر وہ اجازت دیں تو گھر میں داخل ہو کر دوبارہ کہے السلام علیکم۔ اگر وہ اجازت نہ دیں تو لوٹ آئے۔ ذٰلِكُمْ یہ طلب اجازت کے ساتھ السلام علیکم کہنا خَيْرٌ لَّكُمْ تمہارے لیے بہتر ہے اس سے کہ تم کسی کے گھر میں اچانک چلے جاؤ اگرچہ گھر میں سگی ماں بھی کیوں نہ ہو کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اس وقت سر سے ننگی بیٹھی ہو۔

ف: اس میں دور جاہلیت کی رسم مٹانے کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دوسروں کے گھروں میں بلا اجازت چلے جاتے تھے بلکہ داخل ہوتے وقت صرف اتنا کہتے: حییتم صباحا۔ (خدا کرے تم خیر سے صبح کو اٹھو) یہ صبح کے وقت کہتے، اور شام کو داخل ہوتے وقت کہتے: حییتم مسا۔ (خدا کرے تمہاری شام خیر سے ہو)

مسئلہ: کاشفی نے لکھا کہ اگرچہ اپنے گھروں میں بھی جاؤ تب بھی آوازِ بلند سے کسی کا نام لو یا کھنکار دو یا کھانسو تاکہ گھر والے سنبھل جائیں ممکن ہے کوئی ان میں کپڑے اتارے بیٹھا ہو یا کسی ناشائستہ حالت میں ہو۔

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ یہ فعل مضمر کے متعلق ہے یعنی اس کا حکم تمہیں اس لیے ہوا تاکہ تم پند و نصیحت حاصل کرو اور اسی کے مطابق عمل کرو۔

سلام کے فوائد

۱۔ مسلمانوں کا نیک طریقہ ہے۔
۲۔ اہلِ جنت باہمی ملاقات کے وقت سب سے پہلے السلام علیکم کہیں گے۔
۳۔ الفت و محبت بڑھتی ہے۔
۴۔ بغض و کینہ دور ہوتا ہے۔

آدم علیہ السلام پیدائش کے بعد

مروی ہے کہ جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کے اندر روح پھونکی گئی تو آپ کو چھینک آئی آپ نے کہا الحمد للہ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یرحمك ربك۔ اے آدم! ملائکہ کے پاس چلے جاؤ وہاں ان کی جماعت بیٹھی ہوگی انہیں کہو السلام علیکم۔ آپ نے ایسے ہی کیا جب لوٹے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا تحیہ ہے۔

حضورِ تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں :

۱۔ جب اسے ملے تو السلام علیکم کہے ۔

۲۔ جب وہ اسے دعوت دے تو اس کی دعوت قبول کرے ۔

۳۔ اس کی غائبانہ خیرخواہی کرے ۔

۴۔ جب وہ چھینکے تو اس کی چھینک کا جواب دے ۔

۵۔ جب وہ بیمار ہو تو اس کی طبع پرسی کرے ۔

۶۔ جب وہ مر جائے تو اس کی نمازِ جنازہ میں شامل ہو ۔

مسئلہ : جس گھر کو آگ لگی ہو یا چور لوٹ رہے ہوں یا ناحق کسی کو قتل کیا جا رہا ہو تو اس گھر میں بلا اجازت جانا واجب ہے جبکہ ان امور کے ازالہ کا ارادہ ہو اس وقت استیذان و استیلام کی ضرورت نہیں ۔

یہ امور آیت کے امور سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ شرع پاک کا قانون ہے کہ الضرورات تبیح المحظورات ۔

ف : کشاف میں لکھا ہے کہ لوگوں نے بعض شرعی مسائل کو ایسے ترک کیا ہوا ہے کہ گویا وہ احکام منسوخ ہو چکے ہیں منجملہ ان کے ایک یہی طلب اجازت ہے ۔

فائدہ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اجسادکے فانی اور مجازی گھروں میں سکونت بلکہ دخول بھی چھوڑ دو ۔ نہ ہی ان سے مطمئن ہونا چاہیے بلکہ ان سے خلاصی پانے کے لیے ان کو دور سے سلام کرنا ضروری ہے اس لیے کہ جو بھی دارِ فانی یعنی دنیا اور اس کی شہوات کو ترک بلکہ ان سے بالکل روگردانی کرنے سے وطنِ حقیقی (کہ جس کی محبت عین ایمان ہے) کی طرف پہنچنا نصیب ہوتا ہے ع

اگر خواہی وطن بیرون قدم نہ

(اگر تم وطن اصلی کے طالب ہو تو اس دارِ دنیا سے باہر قدم رکھو)

فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ پس اگر گھروں میں نہ پاؤ اَحَدًا کسی ایسے شخص کو جو اجازت دینے کا اہل ہو مثلاً گھر پر عورتیں یا چھوٹے بچے ہیں جو کسی کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت کے اہل نہیں یا سرے سے گھر پر کوئی نہ ہو فَلَا تَدْخُلُوْهَا تو گھروں میں مت داخل ہو بلکہ صبر کرو حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ج یہاں تک کہ تمہیں گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی جائے یعنی وہ شخص گھر میں آ جائے تو اجازت دینے کا اہل ہو کیونکہ گھر میں داخل نہ ہونے میں دو چیزیں مانع ہیں :

۱۔ جن کا پردہ لازمی ہے ۔

۲۔ گھر کا ایسا سامان کہ جسے دوسروں سے پوشیدہ رکھنا مطلوب ہے۔

بنا بریں بلا اجازت کسی کے گھر میں جانے میں غیر کے ملک میں تصرف کرنے کے مترادف ہے۔ نیز غیر کے گھر میں بلا اجازت داخل ہونے میں چوری کے الزام کا خطرہ ہے۔

اعجوبہ فقیر (حقی) کہتا ہے ایک دفعہ ہم کسی کے گھر میں بلا اجازت داخل ہو گئے قدرتی طور پر اس کے گھر سے کچھ سامان چوری ہو گیا تو ہم پر الزام لگایا گیا، ہمیں بہت پریشانی ہوئی کہ ہم سب ایسے تھے کہ جن سے سرقہ کا وہم و گمان تک نہ تھا لیکن آیت کریمہ پر عمل نہ کرنے کی ہمیں سزا ملی کہ عرصہ تک کوئی راز نہ کھلا بالآخر وہ چوری کسی دوسرے کے ہاں سے مل گئی جو ہمارے رفقا میں سے نہ تھا تب ہماری جان چھوٹی۔

وَاِنْ قِیْلَ لَکُمُ ارْجِعُوْا اور اگر تمہیں کہا جائے کہ لوٹ جاؤ فَارْجِعُوْا تو لوٹ جاؤ، ان گھروں کے دروازوں پر ایک لمحہ بھی نہ ٹھہرو۔ یعنی اگر تمہیں گھر والوں سے حکم ہو کہ چلے جاؤ تو وہاں مت ٹھہرو۔ گھر سے روکنے والا اجازت کا اہل ہو یا نہ ہو۔ نہ تو استیذان کے لیے تکرار کرو نہ اصرار اور نہ انتظار' اس خیال پر کہ ممکن ہے اجازت مل جائے اس لیے کہ اگر ایسا کرو گے تو اہل خانہ کے قلوب سے تمہارا وقار اٹھ جائے گا اور ویسے بھی مروت کے خلاف ہے۔ ھُوَ تمہارا لوٹنا اَزْکٰی لَکُمْ تمہارے لیے پاکیزہ امر ہے اس لیے کہ اس سے نہ ہی تمہاری خفت ہوگی اور نہ ہی اہل خانہ کا تمہارے متعلق عناد پیدا ہونے کا خطرہ ہوگا ویسے بھی بلا وجہ غیروں کے گھروں کے آگے کھڑا ہونا بری عادت اور نہایت خسیس آدمیوں کا کام ہے۔ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ○ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کردار کو خوب جانتا ہے۔ یعنی جن امور پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے یا ان سے رکنے کا' اگر تم اس کے امر و نہی کے مطابق عمل کرتے ہو تو ثواب پاؤ گے ورنہ عذاب۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں صاحبِ خانہ کے فنا کی طرف اشارہ ہے اور صاحبِ خانہ سے وجودِ انسانیہ مراد ہے اور اس میں عدمِ دخول کا معنیٰ ہے کہ طبیعت کو تصرف نہ کرنے دیا جائے کیونکہ اس کا تصرف وجودِ انسانیہ کے دعویٰ کا موجب ہے حتی یؤذن لکم میں اشارہ ہے کہ ہاں اگر اس میں استقامت وغیرہ کے لیے بامرِ الٰہی تصرف کیا جائے تو جائز ہے وان قیل لکم ارجعوا اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہو فارجعوا تو لوٹ کر ان میں اس طرح تصرف کرو جیسے مطمئن لوگ تصرف کرتے ہیں ھو ازکیٰ لکم وہی تمہارے لیے بایں معنیٰ پاکیزہ تر ہے کہ انسانیت کے فتنوں میں سے کسی ایک فتنہ میں نہیں پڑو گے اور نہ ہی فنا ہونے کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے وجود کے دعویٰ میں مبتلا ہو گے واللہ بما تعملون اور وہ عمل جو تم کرتے ہو، مثلاً رجوع الی اللہ اور ترک تعلقات بوجہ جسمانیہ' اسے اللہ تعالیٰ عَلِیْمٌ جانتا ہے اس لیے کہ وہی عمل تمہارے لیے بہتر ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ۔

تفسیر عالمانہ حل لغات : المفردات میں ہے کہ جنحت السفینۃ ای مالت الی احد جانبیہا کشتی ایک جانب جھکی چونکہ گناہ بندے کو حق سے باطل کی طرف لے جاتے ہیں اس لیے اسے اثم سے تعبیر کرنے لگے۔ پھر مطلقاً ہر گناہ پر اس کا اطلاق عام ہوگیا۔ یعنی تمہیں کوئی گناہ نہیں اَنْ تَدْخُلُوْا یہ کہ بلا اجازت داخل ہو جاؤ بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ ان گھروں میں جو مخصوص لوگوں کی سکونت کے لیے نہیں بلکہ عام سکونت کے لیے ہیں کہ جسے بھی ضرورت پڑے وہ اس میں ٹھہرے، جیسے رباطات، سرائیں، خالی دکانیں، حمام (غسل خانے) (اسٹیشن کے پلیٹ فارم وغیرہ) اس لیے کہ ان کو ہر انسان اپنی ضرورت کے لیے استعمال کر سکتا ہے۔ جیسا کہ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ یہ بیوت کی صفت ہے۔ یعنی ان میں تمہارا بھی حق ہے کہ تم ان سے نفع اٹھاؤ۔ مثلاً گرمی یا سردی میں سر چھپانا، سامان محفوظ رکھنا، خرید و فروخت کرنے کے لیے بیٹھنا، غسل وغیرہ کرنا، یعنی وہ امور جو ان سے فائدہ اٹھایا جا سکے تو ایسے گھروں میں بلا اجازت چلا جانا جائز ہے کیونکہ رباطات اور سرائیں اور حمامات (غسل خانے)، پلیٹ فارم وغیرہا بنائے بھی اسی لیے جاتے ہیں کہ ان سے ہر ایک فائدہ اٹھا سکے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۝ اور جو کچھ تم چھپاتے ہو ان جملہ امور کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ یہ اسے وعید ہے کہ ایسی جگہوں پر شر و فساد یا لوگوں کے عیوب وغیرہ دیکھنے کے ارادہ پر جاتا ہے۔

مسئلہ : نصاب الاحتساب میں ہے کہ اگر کوئی درخت کی شاخیں نیچے اور وہ اتنی اونچی ہوں کہ نیچے کے گھروں کے صحن نظر آتے ہوں اور مشتری ان شاخوں پر چڑھ کر نیچے والے گھروں کے اندر جھانکے تو اہلِ خانہ کے لئے جائز ہے کہ وہ مشتری پر مقدمہ چلا کر اسے درخت پر چڑھنے سے روک دے۔

مسئلہ : الصدر الشہید رحمہ اللہ تعالیٰ نے واقعات المختار میں لکھا کہ مشتری کو چاہیے کہ وہ درخت پر چڑھنے سے پہلے ایک دو بار پڑوسے والوں کو پردہ کا اعلان کر دے تو پھر کسی کو اس پر مقدمہ چلانے اور درخت پر چڑھنے سے روکنے کا حق نہیں پہنچتا۔ یوں جانبین کا حق بحال رہتا ہے کیونکہ مشتری کو اپنی ضروریات پوری کرنا ہیں پھر جب وہ پردے کا اعلان کر دے گا تو وہ لوگ بھی ضروری اشیاء کو چھپا سکیں گے، با پردہ عورتیں پردہ کر سکیں گی۔ ہاں اگر مشتری اعلان کیے بغیر درخت پر چڑھ جائے تو اس پر مقدمہ بھی چلایا جا سکتا ہے اور درخت پر چڑھنے سے روکا بھی جا سکتا ہے۔

مسئلہ : اگر کوئی شخص اپنے مکان میں دریچہ کھولتا ہے تو ہمسایہ کی باپردہ عورتوں پر نگاہ پڑتی ہے تو ایسے شخص کو دریچہ کھولنے سے روک دیا جائے گا۔

مسئلہ : البستان میں ہے کہ غیر کے گھر کے اندر جھانکنا ناجائز ہے اگر کوئی قصداً جھانکتا ہے تو بُرا کرتا ہے اس حالت میں صاحبِ خانہ کو چاہیے کہ اس جھانکنے والے کی آنکھ نکال لے۔ تو فقہاء کا اختلاف ہے بعض نے کہا

کہ آنکھ نکالنے والے پر کوئی تاوان نہیں، بعض نے کہا تاوان ہے اور ہم اسی قول کو لیتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ایک شرابی کی کہانی

ایک رات حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے رات کو ان کے گھر کی دیوار کے سوراخ سے دیکھا کہ بوڑھے ہمسایہ کے سامنے شراب کی بوتلیں پڑی ہیں، ایک گانے والی اس کے سامنے گا رہی ہے۔ دونوں حضرات گھر کی دیوار پھاند کر اس کے گھر چلے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بوڑھے سے فرمایا: افسوس ہے، اگر تجھ جیسے ایسی برائی کا ارتکاب کریں تو پھر عوام کا کیا قصور! وہ بوڑھا جرأت کر کے کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اے امیر المومنین! میں آپ کو خدا کی قسم دے کر آپ سے انصاف چاہتا ہوں، اجازت ہو تو عرض کروں۔ آپ نے فرمایا: کہئے۔ اس نے عرض کی: اگرچہ میں اس وقت مجرم ہوں، لیکن اس وقت میرا صرف ایک جرم ہے اور جناب تین جرائم کے مرتکب ہوئے۔ آپ نے فرمایا: وہ کیسے؟ اس نے عرض کی:

(۱) آپ نے میرے قصور کا تجسس کیا اور وہ گناہ ہے کما قال تعالیٰ:

ولا تجسسوا۔

(۲) آپ نے دیوار پھاندی، وہ بھی گناہ ہے۔ کما قال تعالیٰ:

لیس البر بان تأتوا البیوت من ظہورھا۔

الی ان قال:

واتوا البیوت من ابوابھا۔

(۳) آپ میرے گھر میں میری اجازت کے بغیر داخل ہو گئے۔ اور وہ بھی گناہ ہے۔ کما قال تعالیٰ:

لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتیٰ تستأنسوا وتسلّموا علیٰ اھلھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم سچ کہتے ہو، میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔ اس نے عرض کی: اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کے گھر سے روتے ہوئے باہر نکلے اور کہہ رہے تھے کہ عمر ہلاک ہو گیا اگر اسے اللہ تعالیٰ نے نہ بخشا۔

سوال: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ محتسب بھی اجازت کے بغیر کسی کے گھر پہ نہ جائے جبکہ شرع پاک کا قاعدہ ہے کہ جس گھر میں بدعات سیئہ اور افعال شنیعہ ہوں اس گھر میں محتسب کو بلا اجازت داخل ہونا جائز ہے۔

جواب: اس گھر میں بلا اجازت داخل ہونا جائز ہے جس گھر میں افعالِ شنیعہ کھلم کھلا ہو رہے ہوں۔ یہاں تو چھپ کر برائی کا ارتکاب کیا جا رہا تھا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں اشارہ ہے کہ سالک واصل اس جسد میں تصرف کر سکتا ہے جس میں صاحب جسد سکونت نہیں رکھتا صاحب گھر سے انسانیت اور اس کی عدم سکونت سے اس کا اپنا وجود مٹا کر حق میں فانی ہونا مراد ہے۔ فیھا متاع لکم سے وہ آلات وادوات مراد ہیں جن کے ذریعہ عالم الٰہی میں سیر کے وقت استعمال کئے جاتے ہیں ان کے ارواح کو اسفل سافلین یعنی اجساد کی طرف بھی اسی لئے بھیجا گیا ہے تاکہ انسان انہی ادوات و آلات کو حاصل کر سکے۔ واللّٰہ یعلم ما تبدون اور وہ جو تم آلات انسانیہ کے ساتھ کھلم کھلا تصرف کرتے ہو ایسے ہی وُہ جو تم دلوں میں چھپاتے ہو۔ مثلاً تمہارے بعض رضائے الٰہی کے طالب ہیں اور بعض خواہشاتِ نفسانی میں گرفتار ان سب کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

جیب خاص است کہ گنج گہر اخلاص است
نیست ایں دُرِ ثمیں در بغل ہر دغلے

ترجمہ: اخلاص موتیوں کا ایک خزانہ ہے جو خاص جیب میں پایا جاتا ہے ہر کھوٹے کی بغل میں یہ قیمتی موتی نہیں ملے گا۔

تفسیر عالمانہ قُلْ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! فرمائیے لِّلْمُؤْمِنِيْنَ امر کا یعنی قل کا مفعول محذوف کیا گیا ہے اس لیے کہ امر کا جواب اس محذوف پر دلالت کرتا ہے۔ اب معنی یہ ہُوا کہ ایمان والوں کو فرمائیے آنکھ ڈھانپنے کا، فرمائیے يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وہ چیزیں جنہیں دیکھنا ان کے لیے حرام ہے ان سے اپنی آنکھیں ڈھانپ لیں یعنی نامحرموں کو نہ دیکھیں کہ ان کا دیکھنا ان کے فتنے میں مبتلا ہونے کا سبب ہے۔ الغض آنکھ کو ایسے ڈھانپنا کہ دیکھنے سے بند ہو جائے۔

ف: چونکہ مبصرات میں جس کا دیکھنا حرام ہے وہ بعض ہیں اسی لیے بصر پر لفظ بعض (من) لایا گیا۔ اس معنے پر بصر کا بعض بوجہ متعلقات کے بعض کے وجہ سے ہے۔ یعنی بصر کو بعض سے ڈھانپنے کا حکم ہے۔

وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ط اور اپنے فروج ان سے محفوظ رکھیں جو ان کے لیے حلال نہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ ہمیشہ کے لیے ان کو کھلنے سے محفوظ رکھیں۔

حلِ لغات: الفرج دو چیزوں کے درمیانی سوراخ کو کہتے ہیں، جیسے فرجۃ الحائط (دیوار کا سوراخ) اور دو پاؤں کے درمیان کے خلا کو فرج کہا جاتا ہے۔ پھر عضو خاص پر اس کا اطلاق ایسا غالب ہوا کہ جونہی یہ لفظ سامنے آتا ہے فوراً عضو خاص کا مفہوم ذہن میں آجاتا ہے۔

سوال: ابصار میں لفظ من لانے اور لفظ فرج میں نہ لانے میں کیا حکمت ہے حالانکہ دونوں کو اپنے

بعض متعلقات سے حفاظت کا حکم ہے باوجودیکہ دونوں کا ایک حال ہے تو ایک میں لفظ مِنْ ہے، دوسرے میں نہیں۔

جواب: چونکہ اس کے متعلقات سے استثنا اکثیر اشیا کا ہوتا ہے۔ مثلاً مرد اپنی عورت اور اپنی کنیز کے جملہ اعضا کو دیکھ سکتا ہے ایسے ہی اپنی محارم کے بال، سینہ، پستان، اعضا، پنڈلی اور پاؤں وغیرہ دیکھنا جائز ہے۔ ایسے اسے روا ہے کہ جب کسی سے لونڈی خریدنے کا ارادہ کرے تو اس کی مذکورہ اشیا دیکھے، اور حرہ اجنبیہ کا چہرہ، اس کی ہتھیلیاں اور دونوں قدم، ایک روایت میں ایک قدم دیکھنا جائز ہے بخلاف فرج کے مستثنیٰ کے کہ نہایت قلیل اور ان کے دیکھنے کا کبھی اتفاق ہوتا ہے۔ مثلاً اپنی عورت اور لونڈی کی فرج۔ اسی لیے فرج کو مطلقاً بلاقید بیان فرمایا بوجہ اس کی قلت کے اور بصر میں لفظ بعض لایا گیا اس کی کثرت کی وجہ سے۔

ذٰلِكَ یہ اشارہ حفظ اور غض مذکور کی طرف ہے۔ اَزْكٰى لَكُمْ تمہارے لیے نہایت پاکیزہ اور ستھرا ہے کہ ہر طرح کے شک و شبہ کی گرد و غبار سے دور ہے اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ جو کچھ وہ کرتے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے اس سے کوئی شے مخفی نہیں۔ فلہٰذا انھیں چاہیے کہ اپنی ہر حرکت و سکون یعنی ہر آن اللہ تعالیٰ سے پُرحذر رہیں۔

نکتہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بیگانی عورت وغیرہ کے دیکھنے سے بچو، اس لیے کہ دل میں اس سے شہوت پیدا ہوتی ہے۔

آنکھ شیطان کا تیر ہے

کاشفی نے لکھا کہ ذخیرۃ الملوک میں ہے کہ انسان کے جسم میں شیطان کا سب سے بڑا تیر انسان کی آنکھ ہے اس لیے دوسرے حواس اپنے اپنے مقام پر ساکن ہیں انھیں جب تک شے مس نہیں کرتی اس وقت تک حرکت میں نہیں آتے بخلاف آنکھ کے کہ یہ دور و نزدیک ہر طرح سے انسان کو کام دیتی ہے اور اسی کے ذریعے سے ہی انسان بہت سی غلطیوں کا شکار ہو جاتا ہے ؎

این ہمہ آفت کہ بہ تن می رسد
از نظر توبہ شکن می رسد

دیدہ فرو پوش چو در در صدف
تا نشوی تیر بلا را ہدف

ترجمہ: یہ جملہ آفات جو انسان کو پہنچتی ہیں اسی آنکھ توبہ شکن سے ہی پہنچتی ہیں۔ آنکھ کو ایسے چھپا کے رکھ جیسے صدف میں موتی چھپا ہوتا ہے تاکہ بلیات کا نشانہ نہ بنو۔

مسئلہ: نصاب میں ہے کہ پہلی بار کسی اجنبی عورت وغیرہ کو دیکھنا معاف ہے اس کے بعد دوبارہ دیکھے گا

وہ عمداً دیکھنے میں داخل ہوگا۔

حدیث شریف ۱: حضور سیدعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے کہ اے ابنِ آدم! پہلی بار دیکھنا تیرے لیے معاف ہے لیکن دوبارہ دیکھنے سے بچنا، ورنہ وہ تیرے لیے ہلاکت کا موجب بنے گا۔

حدیث شریف ۲: حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے میرے اُمتیو! تم چھ چیزوں کی ضمانت دو، میں تمہارے لیے بہشت کا ضامن ہوں۔ وہ چیزیں یہ ہیں:

۱۔ جب بات کرو تو سچ بولو۔

۲۔ جب وعدہ کرو تو اسے پورا کرو۔

۳۔ جب امانت رکھے جاؤ تو اسے ادا کرو۔

۴۔ اپنے فروج کی حفاظت کرو۔

۵۔ اپنی آنکھوں کو غیر محارم سے بچاؤ۔

۶۔ اپنے ہاتھوں کو حرام کاری سے محفوظ رکھو۔

حکایت ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا اس کے آگے سے ایک عورت گزری، اس نے نماز کے دوران ہی اس عورت کو بار بار دیکھا، اُسی وقت سے اس کی بینائی چھین لی گئی۔

تفسیر صُوفیانہ شیخ نجم الدین اپنی تادیلات میں لکھتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ ظواہر کی آنکھ کو محرمات سے اور نفوس کی آنکھ کو دنیا کی شہوات و مالوفاتِ طبع و مستحسنات ہوٰی سے اور قلوب کی آنکھ کو رؤیت اعمال اور آخرت کی نعمتوں سے اور اسرار کی آنکھ کو درجات و قربات سے اور ارواح کی آنکھ کو ماسوی اللہ کی طرف التفات سے اور ہمم کی آنکھ کو علل سے بند کیا جائے یہاں تک کہ وہ اپنے آپ کو شہودِ حق کا مستحق بھی نہ سمجھیں غیرتِ الٰہی اور اس کی تعظیم و تکریم کا تقاضا یونہی ہے۔

دُوسری تقریر: نیز اس میں اشارہ ہے کہ ظواہر کے فروج کو محرمات سے اور بواطن کے فروج کو تصرف فی الکونین سے محفوظ رکھا جائے، یہاں تک کہ دل میں نہ دنیوی فائدہ کا تصور ہو نہ اُخروی کا۔

ذٰلك ازكٰى لهم یہ ان کے لیے پاکیزہ ترین طریقہ ہے اس لیے کہ وہ اس طرح سے حدوث کے تلوث سے بچ جائیں گے اور حقوق کی رعایت میں حظوظِ نفسانی کی ملاوٹ سے حفاظت نصیب ہوگی ان اللہ خبیر بما یصنعون اللہ تعالیٰ انھیں خوب جانتا ہے جو حقوق و حظوظ کے لیے عمل کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو اپنے ہر عمل میں حقوق کی رعایت کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ اور مومن عورتوں کو فرما دیجئے کہ وہ اپنی آنکھیں چھپائیں ان سے کہ جن کا دیکھنا ان کے لیے ناجائز ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک چہرہ اور اطراف کا ماسوا مراد ہے۔ اور امام شافعی کے صحیح ترین مذہب میں ہے کہ جیسے مرد کو عورت کے جملہ اعضاء کو دیکھنا حرام ہے ایسے ہی عورت کو وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ اور اپنے آپ کو زنا سے یا مطلقاً پوشیدہ رکھتے ہوئے اپنی فروج کی حفاظت کریں۔

مسئلہ: ستر عورت واجب ہے۔ یہ تمام ائمہ کا مذہب ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ ہاں اختلاف اس میں ہے کہ عورت ہے کیا۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک مرد کا ستر ہے اور امام صاحب کے نزدیک گھٹنہ بھی اسی میں شامل ہے۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ جو شخص گھٹنہ نہیں ڈھانپتا اسے نرمی سے ڈھانپنے کے لیے کہا جائے گا اس لیے اس کے ستر کے بارے میں فقہاء کا اختلاف مشہور ہے اور جو شخص ران نہیں چھپاتا اسے سختی سے ڈھانپنے کے لیے کہا جائے گا لیکن اسے مارا نہ جائے، اس لیے کہ اس کے ستر کے بارے میں بعض محدثین کا اختلاف ہے، اور جو شخص عضو مخصوص کو نہیں چھپاتا اسے ڈھانپنے کا کہا جائے۔ اگر نہیں مانتا تو اسے مارا جا سکتا ہے اس لیے کہ اس کے ستر میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (کذا فی الهدایة فی الکراهیة)

مسئلہ: لونڈی مرد کی طرح ہے صرف اس کا پیٹ اور پیٹھ عورت ہیں اس لیے کہ یہی شہوت کا مقام ہیں۔

مسئلہ: مکاتبہ، ام ولد، مدبرہ لونڈی کے حکم میں ہیں۔

مسئلہ: حرہ عورت کا جملہ جسم ہی عورت ہے سوائے چہرہ اور دونوں ہتھیلیوں کے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس کے دونوں قدم بھی چہرہ کے حکم میں ہیں۔ یہی ان کے نزدیک صحیح ہے یہ بھی خارج از نماز کے وقت، ورنہ نماز میں قدموں کا چھپانا ضروری ہے۔

ف: امام مالک کے نزدیک مرد کے صرف دونوں فرج اور دونوں رانیں عورت ہیں، ایسے ہی لونڈی بھی۔ اور ایسے ہی مدبرہ اور ایک مدت تک کی آزاد شدہ لونڈی، اور آزاد عورت کا تمام جسم عورت ہے سوائے چہرے اور دونوں ہاتھوں کے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ام ولد کے لیے مستحب ہے کہ وہ اپنے جسم کو اس قدر چھپائے جس قدر آزاد عورت کو جسم چھپانے کا حکم ہے۔ ایسے ہی مکاتبہ کا حکم ہے۔ اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مرد کا ستر ناف اور گھٹنے کا درمیانی حصہ ہے ان کے نزدیک گھٹنے شامل نہیں ان کے نزدیک لونڈی، مکاتبہ، ام ولد، مدبرہ اور وہ عورت جس کا بعض حصہ آزاد ہے۔ ان سب کا حکم ستر عورت میں مرد جیسا ہے۔

مسئلہ: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آزاد عورت کا تمام جسم عورت ہے سوائے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں کے۔ اور امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا تمام جسم عورت ہے سوائے چہرہ کے، ان کے نزدیک یہی صحیح ہے۔

مسئلہ: ناف بالاتفاق ستر میں شامل نہیں (کذا فی فتح الرحمٰن)

نکتہ: آنکھ چھپانے کے حکم کی تقدیم اس لیے ہے کہ نظر سے ہی زنا کا آغاز ہوتا ہے بلکہ نظر ہی تمام فسادات کی جڑ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حفظِ فرج سے پہلے آنکھ کو بند رکھنے کا اسی لیے حکم فرمایا ہے کہ نظر بڑی خطرناک شے ہے اس لیے کہ انسان بُرائی کا ارتکاب اسی نظر کی وجہ سے کرتا ہے۔

حدیث شریف: نظر ابلیس کے تیروں میں سے ایک ہے۔

ف: اسی لیے کہا گیا ہے جس نے کسی پر نگاہ ڈالی تو وہ پھنس گیا۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

گر زنائے چشم حظے می بری
نے کباب از پہلوی خود می خوری

ایں نظر از دُور چوں تیر ست وسم
عشقت افزوں می شود صبر تو کم

ترجمہ: اگر تو اپنی آنکھ سے حظ اٹھاتا ہے تو پھر سمجھ لے کہ تُو اپنے جگر کو کباب بنا رہا ہے اس لیے کہ نظر دُور سے ہی تیر کی طرح شکار کرتی ہے پھر جب انسان شکار ہو جاتا ہے تو عشق میں اضافہ ہوتا رہتا ہے اور صبر میں کمی۔

وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اور نہ ہی اپنی زینت ظاہر کریں چہ جائیکہ زینت کے مقامات کو کھولے رکھیں۔

حلِ لغات: اہلِ عرب کہتے ہیں:

بدا الشیئ بدوا و بدوًّا۔ بمعنے ظہر ظہودا بیناً و ابدی بمعنے اظہر۔

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا مگر وہ جگہیں جو ظاہر ہیں۔ یہ زینت سے استثنا ہے یعنی جو کام کے وقت جگہیں ظاہر ہوتی ہیں جیسے انگشتری کی مُہر اور کپڑوں کے اطراف اور آنکھ کا سُرمہ اور ہاتھوں کا رنگ، اس لیے کہ ان کے چھپانے میں بہت بڑا حرج واقع ہوگا۔

ف: ابن الشیخ نے فرمایا: زینت وہ شے جس سے عورت مزین ہو، جیسے زیورات یا سُرمہ اور کپڑے اور رنگ۔ اس میں بعض وہ ہیں جو ظاہر ہوتے ہیں جیسے انگشتری اور اس کی مہر اور سرمہ اور رنگ شہوت کے فتنے کا خطرہ نہ ہو تو ایسی زینت اجنبی کے سامنے ظاہر کرنا جائز ہے اور بعض زینت ایسی ہے جو پوشیدہ ہوتی ہے

جیسے کنگن اور دملج وہ چاندی کا حلقہ جو عورتیں بازو پر باندھتی ہیں اور الوشاح اور القرط۔ ایسی زینت کو صرف ان لوگوں کے سامنے ظاہر کرسکتی ہیں جن کی اجازت کو آنے والے مضمون میں بیان کیا گیا ہے۔ کما قال الا لبعولتهن الخ

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ سالکین و عارفین پر لازم ہے کہ اگر ان کے باطن کو اللہ تعالیٰ زینت بخشے تو اسے پوشیدہ رکھیں کیونکہ لبسا اوقات اسرار ظاہر کرنے سے سنورے ہوئے معاملات معیوب ہوجاتے ہیں اسی لیے کہ اپنے حالات کی صفائی اور اعمال کے تزکیہ کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ ہاں وہ ارادات حق سے کوئی شے یا بلا تکلف اور بغیر اس کے اپنے دخل کے کوئی کرامت ظاہر ہوجائے تو وہ مستثنیٰ ہے اس لیے ولی کامل کے اپنے ارادہ و تکلف کے بغیر کوئی فعل صادر ہو تو اس پر اس سے مواخذہ نہ ہوگا۔

ف : حقائق البقلی میں ہے یہ صوفیاء کی واضح دلیل ہے کہ ان کے نزدیک عارفین کو جائز نہیں کہ وہ اپنی معرفت کے حقائق یا جو ان پر عالم ملکوت اور انوار ذات و صفات کے مکشوفات کھلتے ہیں ہر ایک کو بتاتے پھریں یا اپنے مواجید کسی پر ظاہر کریں۔ ہاں غلبات سے ظاہر ہوجائیں۔ مثلاً اس غلبہ سے ان سے ٹھنڈے سانس اور گرم آہیں اور پیلا اور سرخ رنگ ہو یا وہ بلا اختیار ان کی زبانوں پہ سطحیات و اشارات متشاکلہ ظاہر ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

ف : یہی احوال عارفین کے بہترین سنگار ہیں۔

ف : عارفین کی سب سے بہتر زینت طاعتِ الٰہی ہے جب وہ اسے ریاء کے ارادہ پر کسی کے سامنے ظاہر کرے تو اس کی زینت چلی جاتی ہے۔

اعجوبۂ تصوف بعض عرفاء نے فرمایا کہ اہلِ معرفت کے لیے اس آیت میں ایک نکتہ یہ ہے کہ جو اہلِ معرفت اپنے احوال کو ظاہر کرتا ہے بلا قصد کا اظہار اس سے مستثنیٰ ہے تو وہ رؤیت حق سے اس قدر اس کا مرتبہ ساقط ہوجاتا ہے اس لیے کہ جو حصہ اس نے رؤیت خلق میں ضائع کیا اسی قدر رؤیت حق سے محروم ہوگیا۔ شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

ہماں بہ گر آبستن گوہری
کہ ہمچوں صدف سر بخود در بری

ترجمہ : اگر تم موتیوں سے پُر ہو وہی بہتر ہے اس لیے کہ صدف کی طرح بغلوں میں یعنی نیچے رکھو گے۔

مثنوی شریف میں ہے : ؎

داند و پوشد بامر ذی الجلال کہ نباشد کشف را از حق حلال

ترجمہ: اسرار کو جان کر پوشیدہ رکھنا امرِ حق ہے اس لیے کہ اسے کھولنا مناسب نہیں۔

۵

سرِ غیب آں را سزد آموختن
کہ ز گفتن لب تواند دوختن

ترجمہ: غیبی اسرار اس شخص کو سکھانے چاہئیں جو بیان کرنے سے اپنے لبوں کو بند رکھے۔

تفسیر عالمانہ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ضرب 'القا' کے معنی کو متضمن ہے اسی لئے اسے علیٰ کے ساتھ متعدی کیا گیا ہے خمر، خمار کی جمع ہے وُہ کپڑا جس سے عورتیں اپنا سر ڈھانپتی ہیں۔ جس سے سر کے ڈھانپنے کا کام نہ لیا جائے اسے خمار نہیں کہا جائے گا۔

المفردات میں ہے خمار کا حقیقی معنیٰ بھی چھپانا ہے۔ جس سے کسی شے کو چھپایا جائے اسے خمار سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب عرفِ عام میں ہر اس شخص کو کہا جانے لگا جس سے عورتیں اپنا سر ڈھانپیں۔ الجیوب جیب کی جمع ہے۔ وہ شے جو قمیص سے اس لیے کاٹی جائے کہ اس میں سر کو داخل کیا جا سکے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ عورتوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے گریبان کو کپڑے سے ڈھانپیں تاکہ اس سے اپنے بال اور بالیں اور گردن غیروں سے چھپا سکیں۔

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا سینہ اور اس کے گرد و نواح کا حصہ عورت ہے اسے غیروں سے چھپانا واجب ہے۔ اور غیروں کو چاہیے کہ ان کے سینے وغیرہ کو نہ دیکھیں۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ یہاں پر زینت سے وہ سنگار کی اشیاء مراد ہیں جو پوشیدہ ہوتی ہیں، جیسے کنگن، الدملج، الوشاح، القرط وغیرہ۔ جب یہ چیزیں ظاہر کرنا حرام ہے تو ان کے اعضاء کو ظاہر کرنا کیسے روا ہوگا۔

ف: یہ تکرار اس لیے ہے تاکہ معلوم ہو کہ عورتوں کو دیکھنا کس کے لیے جائز ہے اور کس کے لیے ناجائز۔

مسئلہ: ابواللیث رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورتوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی زینت کے اعضا کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ وہ اعضا یہ ہیں:

۱۔ سینہ
۲۔ پنڈلی
۳۔ بازو
۴۔ سر

۵۔ سینہ ' اس لیے کہ وہ ہار پہننے کا مقام ہے اور پنڈلی پازیب کا اور بازو کنگن کا اور سر تاج کا۔

ف : زینت کا ذکر کر کے زینت کے اعضا مراد لیے گئے ہیں۔

اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ ۔

حلِ لغات : البعل بمعنے شوہر۔ اس کی جمع بعولۃ آتی ہے جیسے فحل کی جمع فحولۃ ۔

یعنی مگر وہ اپنے شوہروں کے لیے ، کیونکہ وہی زینت کے لیے مقصود ہیں۔

مسئلہ : شوہر کے لیے اپنی عورت کے تمام اعضاء کو دیکھنا جائز ہے یہاں تک کہ عضو مخصوص کو بھی ۔ جبکہ اس کے اعضاء کو دیکھنے سے شہوت کو تقویت پہنچے ۔

مسئلہ : عضو مخصوص کو دیکھنا مکروہ ہے یہاں تک کہ اپنے فرج کو بھی نہیں دیکھنا چاہیے ۔ کیونکہ مشہور ہے کہ فرج کو دیکھنے سے طمس اور اندھا پن پیدا ہوتا ہے ۔

فرمانِ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے تازیست میرے عضو مخصوص کو نہیں دیکھا اور نہ ہی میں نے آپ کے عضوِ مخصوص کو دیکھا ۔

ف : النصاب میں لکھا ہے کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ بے شک عورتیں اپنی باطنی زینت اپنے شوہروں کے لیے ظاہر کریں اس لیے کہ شوہروں کی خواہش یونہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی عورتوں کے اعضاء باطنہ کو دیکھیں۔ اسی لیے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلتاء و مرہاء کو لعنت فرمائی ۔ سلتاء وہ عورت جو مہندی رنگ وغیرہ نہ لگائے اور مرہاء وہ جو سرمہ نہ لگائے ۔

وَ اٰبَآئِهِنَّ اَب حقیقی اور جد اس لیے کہ جد بھی اب کے حکم میں ہوتا ہے اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ یا شوہر کے باپ یعنی خسر، اس لیے کہ یہ بھی باپ کے حکم میں داخل ہیں اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اپنے بیٹے اور بیٹوں کی اولاد اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ شوہروں کی اولاد ' یہ بھی عورتوں کے اپنے بیٹوں کے حکم میں ہیں اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اور اپنے بھائیوں کی اولاد ، اس لیے کہ وہ بھائیوں کے حکم میں ہیں اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اور اپنی بہنوں کی اولاد یعنی بھانجے وغیرہ اس لیے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن سے ان کا نکاح جائز نہیں ۔ اور ان کو گھر میں آنے کی اجازت اس لیے ہے کہ گھر میں ہر وقت آنا جانا ہوتا ہے اور ان سے زنا کے ارتکاب کا احتمال بھی بہت کم ہے کیونکہ قریبی رشتہ داری کی وجہ سے ایسے فعل کے ارتکاب سے ان کی طبع نفرت کرتی ہے[1] اور یہ ان کے وہ

---

[1] لیکن یہ ایسے لوگوں کے لیے ہے جن کے طبائع پر حیوانیت وسبعیت (درندگی) وشیطنت سوار نہ ہو' ورنہ خدا معاف کرے بعض ایسے بدنہاد اور بدطینت بھی سنے گئے جو اپنی بہو بیٹیوں بلکہ ماں سے بھی باز نہ آئے۔ (معاذ اللہ)

اعضاً بھی دیکھ سکتے ہیں جو عموماً خدمت کے وقت ظاہر ہوتے ہیں۔

مسئلہ: حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انھیں ان کے اعضاً، چہرہ، سر، سینہ، پنڈلیاں، بازو دیکھنا جائز ہے۔ ہاں انھیں ان کے پیٹ، پیٹھ اور رانیں نہیں دیکھنا چاہئیں۔

مسئلہ: امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اعضاً کہ عموماً کھلے رہتے ہیں جیسے چہرہ، گردن، ہاتھ، قدم، سر، پنڈلی کو دیکھنا روا ہے۔

ف: عورتوں کے اعضاً دیکھنے کے چار قاعدے ہیں:

۱۔ تمام اعضاء کو دیکھنا' جیسے شوہر اپنی عورت کے تمام اعضاء کو دیکھ سکتا ہے۔ ایسے ہی اپنی لونڈی کو۔

۲۔ چہرہ اور ہتھیلیاں دیکھنا، یہ غیر محرم مرد کو دیکھنا جائز ہے بشرطیکہ جانبین سے خطرۂ شہوت نہ ہو، اور یہ بھی بوقتِ ضرورت دیکھنا جائز ہے۔

۳۔ سینہ، سر، پنڈلی کو دیکھنا، یہ محرم کے لیے ہے۔ مثلاً ماں، بہن، پھوپھی، خالہ، باپ کی زوجہ، بیٹے کی منکوحہ یعنی بہو، عورت کی ماں یعنی ساس، یہ رشتہ رضاع کے ہوں یا نسب کے۔

۴۔ جب خطرہ ہو کہ عورت کے کسی عضو کو دیکھوں گا تو شہوت کا حملہ ہوگا تو پھر ہر صورت میں ہر عضو کا دیکھنا حرام ہے۔

ف: آیت میں اعمام (چچاؤں)، اخوال (ماموؤں) کا ذکر اس لیے نہیں کہ ان سے پردہ کرنا بہتر ہے، اس لیے کہ یہ اپنے بیٹوں سے حالات سنائیں گے تو خطرہ ہے کہ ان کے بیٹوں سے فتنہ نہ اُٹھے۔ اور قاعدہ ہے کہ بہت سے فتنے سننے سے اُٹھتے ہیں کیونکہ کبھی سننا بھی دیکھنے کا کام کر جاتا ہے۔

اَوْ نِسَآئِھِنَّ اور اپنے جیسی عورتوں سے بھی، لیکن اس میں ایمان کی شرط ہے۔ اس لیے کافر عورتوں سے خطرہ ہے کہ وہ کہیں اپنے کافروں کو مسلمان عورتوں کے اوصاف نہ بتا دیں۔ اس سے بھی فتنے کا خطرہ ہے کیونکہ کسی کے اوصاف سُننا دیکھنے کے برابر ہے۔

مسئلہ: ان اعضاً کے اوصاف غیر محرم کو سنانا حرام ہے جن کا دیکھنا ناجائز ہے۔

ف: مذکورہ بالا تقریر سے معلوم ہوا کہ یہاں پر مضاف محذوف ہے۔ در اصل عبارت 'نساء اھل دینھن'' تھی۔ یہی اکثر اسلاف صالحین کا قول ہے۔

ف: امام فخر الدین نے فرمایا کہ اسلاف کا یہ قول استحباب پر محمول کیا جائے گا ورنہ آیت کا ظاہر بتاتا ہے کہ نسائھن سے مطلقاً تمام عورتیں مراد ہیں۔

صاحبِ رُوح البیان کی تحقیق فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اکثر معتبر تفاسیر میں یہی ہے کہ اسلاف صالحین رحمہم اللہ کا مذہب ہے کہ مسلمان عورتیں غیر مسلم عورتوں سے

پردہ کریں اور ان کے ساتھ میل جول نہ رکھیں۔ مثلاً یہودیہ، نصرانیہ، مجوسیہ، وثنیہ عورتیں ہماری مسلمان عورتوں کے لیے اجنبی مردوں کی طرح ہیں اسی لیے ہم اپنی مسلمان عورتوں کو حکم دیں گے کہ وہ اپنے بدن ان عورتوں کے سامنے نہ کھولیں۔ ہاں اگر یہ ہماری مسلمان عورتوں کی لونڈیاں ہوں تو جائز ہے۔

ف : رکاوٹ کی علت یہ ہے کہ ہمارے اور ان کے دین کی جنس علیحدہ علیحدہ ہے کیونکہ ایمان و کفر آپس میں ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ پھر وہ عورتیں ہماری عورتوں کے اعضا کے اوصاف اپنے کافروں کو بتائیں گی تو فتنے برپا ہوں گے۔ جب اسلام میں فاسق فاجر عورت کا متقی پرہیزگار عورت کے ساتھ میل جول رکھنا اور اس کا دیکھنا ممنوع ہے تو کافرہ عورتوں سے تو بطریق اولیٰ ناجائز ہونا چاہئے۔

مسئلہ : اسی وجہ مذکورہ سے اہلسنت کا معتزلہ کے ساتھ رشتہ ناطہ حرام ہے (ایسے ہی وہابیہ، روافض، مرزائی، مودودی، پرویزی، نیچری وغیرہم سے) کذا فی المجمع الفتاویٰ۔ اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ ان کے اور اہلسنت کے درمیان عقاید کا اختلاف ہے۔ اور ظاہر ہے عقاید کا اختلاف بھی ایسے ہی ہے جیسے دین و اسلام کا اختلاف رشتہ و ناطہ کی حرمت کا موجب ہے۔

سبق : ہمارے دور کی عورتوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت بخشے ان کے عادات و اخلاق کافر عورتوں سے پیچھے نہیں بلکہ ہمارے دور میں تو ان کے حالات اور ناگفتہ بہ ہو گئے ہیں۔

ف : (صاحب روح البیان نے فرمایا کہ) ہماری عورتیں غیر مذہب عورتوں کے ساتھ ایک حمام میں اکٹھے غسل کرتی ہیں حالانکہ یہ بہت برا عمل ہے۔ متقی اور پرہیزگار عورتیں ایسی قباحت سے محفوظ رہیں۔

ف : حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مسلمان عورتوں کے ساتھ کتابی عورتیں ایک حمام میں اکٹھی غسل نہ کریں۔

اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُنَّ یا وہ مرد جن کی وہ مالک ہیں اس لیے کہ عورت غلام اجنبی مرد کے حکم میں ہے۔ وہ غلام خصی ہو یا مرد۔ یہی امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اور اسی کو عام علماء نے لیا ہے۔

مسئلہ : غلام کے ساتھ عورت نہ حج کر سکتی ہے نہ سفر۔

مسئلہ : عورت اپنے غلام کو دیکھ سکتی ہے بشرطیکہ شہوت کا خطرہ نہ ہو۔

سوال : ابن الشیخ نے فرمایا کہ نسائهن کے بعد لونڈیوں کے ذکر کا کیا فائدہ؟

جواب . واللہ تعالیٰ اعلم۔ اونسائهن جب فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو جائز نہیں کہ وہ اپنی زیب زینت دوسری عورتوں پر ظاہر کریں خواہ وہ عورتیں حرہ ہوں یا لونڈیاں بلکہ وہ اپنے آپ کو بھی نہیں دکھا سکتیں۔ جب فرمایا اوما ملکت یعنی مطلقاً لونڈیاں خواہ مومنہ ہوں یا مشرکہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ لونڈی کو اپنی مالکہ

کی زینت دیکھنا جائز ہے خواہ وہ مالکہ مسلمہ ہو یا کافرہ، اس لیے کہ زینت باطنہ اگر نہ کھولے تو خدمت کس طرح کر سکے گی۔ اسی لیے حرہ کافرہ کا مسئلہ اور ہے اور کافرہ لونڈی کا مسئلہ اور۔

اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ ، الاربة بمعنی الحاجة یعنی ان مردوں سے جو اہل خانہ کے اتباع میں سے ہوں یعنی وہ بوڑھے کمزور، جن سے شہوت اور خیالات انسانی ختم ہو چکے ہوں انھیں عربی میں ممسوخین کہا جاتا ہے بالخاء المعجمہ، یعنی وہ لوگ جن کے اندر سے قوتِ انسانی ختم ہو کر الٹی ایسی قوت پیدا ہو جائے جو شہوت کے منافی ہے یہاں تک کہ انھیں عورت کے ساتھ ہمبستری کا خیال تک نہ ہو۔ بعض نے کہا کہ ممسوخ وہ مرد ہے جسے مخنث کہا جاتا ہے۔ یعنی قوتِ مردمی نہایت کمزور پڑ جائے اور زبان میں بھی رکاوٹ ہو اور یہ کمزوری اصلی و تخلیقی ہوتی ہے اسی لیے وہ عورتوں کے خواہشمند نہیں ہوتے۔

مسئلہ : مجبوب اور خصی کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ان سے پردہ ضروری ہے بعض کے نزدیک اس کے برعکس۔

ف : مجبوب وہ ہے جس کا ذکر اور خصیے دونوں کٹے ہوئے ہوں۔

الجب سے ہے بمعنی القطع۔ اور خصی وہ ہے جس کے صرف دونوں خصیے کٹے ہوئے ہوں۔

مسئلہ : مختار مذہب یہ ہے کہ مخنث، مجبوب، خصی تینوں سے پردہ لازمی ہے اس لیے کہ ان میں شہوت ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آلۂ تناسل نہ ہونے سے ارتکاب نہیں کر سکتے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ قل للمؤمنین یغضوا من ابصادھم محکم ہے اور او التابعین الخ مجمل ہے پھر قاعدہ ہے کہ جہاں محکم و مجمل میں تعارض ہو تو محکم پر عمل اولیٰ ہے۔ اس قاعدہ پر خصی، مجبوب، مخنث سے پردہ ضروری ہے اگرچہ ان سے فتنہ کا احتمال نہ بھی ہو۔

مسئلہ : خصی لوگوں کو خدمت پہ رکھنا اور ان کی خرید و فروخت ناجائز ہے۔ نہ ہی ایسا فعل اسلاف سے منقول ہے (کذا فی الکشاف)۔

حکایت : النصاب میں ہے کہ میں نے بعض کتابوں میں پڑھا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایک خصی مجبوب کو لے کر عورتوں کے ہاں تشریف لے گئے۔ ایک عورت نے اس خصی مجبوب سے نفرت کی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس سے نفرت کیوں، جبکہ یہ عورتوں کی طرح ہے۔ اس بی بی نے جواب دیا کہ اگرچہ اس کا آلۂ تناسل کٹ گیا ہے تو کیا اس کے کٹنے سے عورتوں کا دیکھنا اس کے لیے حلال ہو گیا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس بی بی کی فقاہت اور دانائی سے بہت خوش ہوئے۔

ف : انسانوں کے خصی کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ الٹا نقصان ہے، نہ ہی یہ فعل شرعاً جائز ہے، اور

عورتوں کو اس وجہ سے ویسے پردہ ضروری ہے جیسے دوسرے عام مردوں سے بخلاف حیوانات کے خصی کرنے کے کہ ان سے یہ فائدہ ہوگا کہ خصی کا گوشت بہتر ہوتا ہے اور اس کی چربی بھی بڑھ جاتی ہے جیسا کہ بکروں کے خصی کرنے سے تجربہ ہوا ہے۔ ایسے ہی دوسرے حیوانات کا حال ہے۔ کذا فی البستان۔

أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ یا وہ بچے جو ابھی عورتوں کی شرم کی چیزوں سے بے خبر ہیں اس لیے کہ انہیں ایسی باتوں کی تمیز نہیں۔ الظہور بمعنے اطلاع یا بمعنے غلبہ اور قدرت۔ اب معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ تاحال بالغ نہیں ہوئے یعنی شہوت کی حد کو نہیں پہنچے، اسی لیے ان سے پردہ کی ضرورت نہیں۔

ف: الطفل اسم جنس جمع کے قائم مقام واقع ہوا ہے اس لیے اس کی وصف جمع کے معنے پر دلالت کرتی ہے جیسا کہ فانهم عدو لی میں لفظ عدو اسم جنس بمعنے جمع ہے۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ طفل وہ بچہ جب تک کہ غافل رہے طفیلی ایک مشہور شخص جو بن بلائے دعوتوں پر چلا جاتا تھا۔ تفسیر الفناری میں ہے کہ طفل وہ بچہ جو پیدائش سے لے کر چھ سال کی عمر کو پہنچے اور العورۃ انسان کے ستر کو کہتے ہیں۔ یہاں پر اسی سے کنایہ ہے۔ یہ العار سے ہے۔ اسے اس لفظ سے اس لیے تعبیر کرتے ہیں کہ اس کے کھلنے سے انسان کو عار محسوس ہوتی ہے۔ عار بمعنے مذمت۔ اسی وجہ سے عورتوں کو عورت کہا جاتا ہے کہ مہذب قوم اس کے بے پردہ ہونے سے عار محسوس کرتی ہے۔ اسی سے ہے العوراء بمعنے الکلمۃ القبیحہ (کذا فی المفردات)۔

ف: فتح القریب میں ہے کہ العورۃ ہر وہ شے کہ جس کے ظاہر ہونے سے انسان کو حیاء و شرم محسوس ہو۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس طرح ستر کے کھلنے سے حیا محسوس ہوتی ہے ایسے ہی اس کی بے پردگی سے با حیاء انسان کو حیاء اور شرم لاحق ہوتی ہے۔

ف: اہلِ لغت فرماتے ہیں کہ عورت کو اسی لیے عورت کہا جاتا ہے کہ اس کا ظاہر ہونا قبیح ہے اسی لیے اس سے آنکھ چرانا ضروری ہے۔ یہ العور سے ہے بمعنے النقص والعیب والقبح۔ عور العین اسی سے ہے۔

مسئلہ: فقیر (حقی) کہتا ہے کہ لفظ الطفل سے معلوم ہوا کہ سات سالہ لڑکے کو عورتوں کے ہاں آنے جانے سے روکا جائے۔ اس لیے کہ سات سالہ لڑکا اگرچہ حدِ شہوت کو نہیں پہنچتا لیکن سنِ تمیز کو ضرور پہنچتا ہے۔ بلکہ بعض بچے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ حدِ بلوغ سے پہلے ہی شہوتی ہوتے ہیں اسی لیے انہیں عورتوں کے ہاں آنے جانے سے روکنا چاہیے۔

مسئلہ: ملتقط الناصری میں ہے کہ جب بچہ بالغ ہو جائے اگر حسین و جمیل نہ ہو تو وہ مردوں کے حکم میں ہے

ورنہ وہ عورتوں کے حکم میں ہے ایسے لڑکے کو شہوت سے سر سے پاؤں تک دیکھنا حرام ہے۔ ہاں بلا شہوت انہیں السلام علیکم کہنا جائز ہے اسی لیے ایسے لڑکوں کو نقاب اوڑھنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

امرد پرست عالم کی سزا منقول ہے کہ ایک عالمِ دین فوت ہُوا تو کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ اس کے چہرے کا ایک حصّہ سیاہ ہوگیا ہے اس سے سبب پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے فلاں مقام پر ایک بے ریش کو شہوت سے دیکھا تو اس کی مجھے یہ سزا ملی کہ میرے چہرے کے ایک حصّہ کو جہنم کی آگ سے جلایا گیا ہے۔

اعجوبہ: قاضی نے فرمایا کہ میں نے امام صاحب سے سُنا انہوں نے فرمایا کہ ہر عورت کے ساتھ دو شیطان ہوتے ہیں اور ہر بے ریش لڑکے کے ساتھ اٹھارہ۔

مسئلہ: بے ریش لڑکوں، خوردسال بچّوں اور پاگلوں کے ساتھ نشست و برخاست سے ہیبت اٹھ جاتی ہے۔ (کذا فی البستان)

مسئلہ: انوار المشارق میں ہے بے ریش کے چہرے کو دیکھنا حرام ہے وہ شہوت سے ہو یا نہ ہو، فتنے کا اندیشہ ہو یا نہ ہو ہر حال میں اس کا چہرہ دیکھنا حرام ہے۔

مسئلہ: غسل خانے میں اپنے ہاتھوں اور نگاہ وغیرہ کو دوسرے کے ستر سے بچانا ضروری ہے یعنی نہ اپنا ستر کسی کو دیکھنے دے نہ دوسرے کا دیکھے۔ بلکہ ستر کھولنے والے کو ستر ڈھانپنے کو سختی سے تنبیہ کی جائے۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ اور اپنے پاؤں کو زمین پر نہ ماریں تاکہ ان کا پوشیدہ امر معلوم ہو یعنی انھیں اپنے آپ کو چھپانا چاہیے تاکہ انھیں لوگ نہ دیکھیں۔ اسی لیے انھیں حکم ہے کہ وہ آواز دار زیور مت پہنیں۔ اگر پاؤں میں آواز دار پازیب ہو تو زمین پر پاؤں آہستہ رکھیں تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو کہ یہ پازیب پہن کر جا رہی ہے اس لیے کہ اس طرح سے عورتوں کی طرف مردوں کی شہوت اُبھرتی ہے یا یہ وہم ہوگا کہ عورتیں برائی کی طرف بلاتی ہیں۔

دورِ حاضرہ کی عورتیں اور شریعت کی نزاکت قرآن مجید میں جب زور دار زیور پہن کر زمین پر چلنے کو مکروہ کہا ہے تو ان کی آواز غیروں کو سنانے میں بطریق اولیٰ مکروہ ہوگی کیونکہ عورت کی آواز بہ نسبت زیور کی آواز کے زیادہ فتنہ انگیز ہے۔

مسئلہ: ——— اسی آیت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ عورت کو اذان کہنا مکروہ ہے اس لیے کہ اذان میں آواز کو بلند کرنا ہوتا ہے۔

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ عورت کو ذکر بالجہر مکروہ ہے کیونکہ جب ان کے لیے جمعہ کی حاضری اور اذان مکروہ ہے

تو ذکر بالجہر کیسے ہوگا۔ بعض شہروں میں جو عورتیں ذکر جہر سے کرتی ہیں انہیں اس سے روکا جائے (لیکن یہ اس وقت ہے، جب آواز غیروں کے کانوں تک پہنچتی ہو۔

مسئلہ: عورت کے ذکر بالجہر کی آواز غیروں کو سنائی دے تو انہیں بجائے ثواب کے بہت زیادہ عذاب ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر ان کے لیے جمعہ کی حاضری اور ذکر بالجہر جائز رکھا جائے تو ان کے لیے اذان کہنا اور نماز پڑھانا اور تلبیہ (لبیک) زور سے پکارنا جائز ہو جائے گا۔

مسئلہ: نصاب الاحتساب میں ہے کہ اگر کوئی عورت پازیب پہنے تو اسے سزا دی جائے اس لیے کہ جب چھوٹے بچے کے پاؤں میں پازیب ڈالنا مکروہ ہے تو عورت کے لیے بطریق اولیٰ مکروہ ہے بلکہ اس کے لیے شدید ترین مکروہ ہے اسی لیے عورت کو پردے میں رہنا ضروری ہے۔

وَتُوبُوا إِلَى اللهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ اے مومنو! سب کے سب اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کرو اس لیے کہ امر و نہی کے بارے میں بہت تھوڑے ہیں جو کوتاہی نہ کرتے ہوں بالخصوص شہوانی امور سے بچنا تو نہایت مشکل ہے۔

ف: جمیعا، توبوا کے فاعل سے ہے۔ اب عبارت یوں ہوگی:

توبوا الی اللہ مجتمعین۔

اور ایہا المؤمنین ایجاب کی تاکید ہے اور تنبیہ ہے کہ ایمان کا تقاضا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ کی اتباع کی جائے۔

مسئلہ: ایہا المؤمنون کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے کہ گناہِ کبیرہ انسان کو ایمان سے خارج نہیں کرتا، اس لیے کہ ایہا المؤمنون توبہ کے حکم کے بعد فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ توبہ کا حکم گناہ کے ارتکاب کے بعد ہوتا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ تاکہ تم سعادت دارین کی تحصیل میں کامیاب ہو جاؤ۔

ف: اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام اہلِ ایمان بندوں کو توبہ و استغفار کا حکم اس لیے فرمایا ہے کہ انسان فطرۃً کمزور ہے بہت تھوڑے ہیں جو کسی کی کوتاہی سے محفوظ ہوں ورنہ عموماً کسی نہ کسی غلطی کا ارتکاب ہو ہی جاتا ہے چاہے وہ برائی سے بچنے کی کتنی ہی کوشش کرے۔

ف: امام قشیری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ توبہ کا سب سے زیادہ محتاج وہ ہے جو اپنے لیے توبہ کی ضرورت محسوس نہ کرے۔

نکتہ: جملہ اہلِ ایمان کو توبہ کا حکم اس لیے ہے تاکہ مجرم رُسوا نہ ہو۔ کیونکہ اگر فرماتا کہ اے مجرمو! توبہ کرو۔ تو ان کی رُسوائی ہوتی۔ اس سے اُمید بندھ جاتی ہے کہ جیسے ہمیں دنیا میں رسوا کرنا نہیں چاہتا، ایسے ہی

آخرت میں بھی رسوانہ کرے گا ۔ (کذا فی کشف الاسرار)

چو رسوا نکردی بچندیں خطا
دریں عالم پیش شاہ و گدا
دراں عالم ہم بر خاص و عام
بیامرز و رسوا مکن والسلام

ترجمہ : اے الٰہ العٰلمین ! جب اس دنیا میں شاہ وگدا کے سامنے تُو نے ہمیں رُسوا نہیں کیا تو اس عالم آخرت میں بھی ہمیں ہر خاص وعام کے سامنے رُسوا نہ کرنا ۔ اسی بنا پر ہم عرض کرتے ہیں کہ ہمیں بخش دے اور رُسوا نہ کر ۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ جیسے گناہ گاروں کو گناہ سے توبہ لازمی ہے ایسے ہی متوسط اور منتہی پر بھی توبہ لازم ہے اس لیے کہ ابرار کی حسنات مقربین کے ہاں سیئات متصوّر ہوتی ہیں ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے :

توبوا الی اللّٰہ جمیعا فانی اتوب الیہ فی کل یوم مائۃ مرۃ ۔

(اے اللہ کے بندو ! توبہ کرو ، میں بھی دن میں سَو بار توبہ کیا کرتا ہوں)

مبتدی محرمات سے اور متوسط محلات کے زوائد سے اور منتہی ماسوی اللہ سے اعراض کرکے اور متوجہ الی اللہ ہو کر توبہ کرے ۔ لعلکم تفلحون مبتدی کی فلاح نار سے نجات اور بہشت کا داخلہ اور متوسط کی ارض جنۃ کو عبور کرکے اعلیٰ علیین مقربین کے مقامات و درجات تک پہنچنے میں اور منتہی کے وجود مجازی کو محبوس کرکے وجود حقیقی کی طرف ، ایسے ہی ظلمت خلقیہ سے نکل کر نور ربوبیۃ کی طرف پہنچنے میں ہے ۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ چوں تجلی کرد اوصاف قدیم
پس بسوزد وصف حادث را کلیم

. . . . .

۲ قرب نے بالا و پستی رفتن است
قرب حق از حبس ہستی رستن است

ترجمہ : (۱) جب اوصافِ قدیم کے تجلیات نے غلبہ کیا تو کلیم کے وصف حادث کو جلا دیا ۔
(۲) بالا و پستی کی طرف جانے کا نام قرب نہیں قرب حق ہستی مجازی کو محبوس کرنے کو کہتے ہیں ۔

ف : بعض مشائخ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جمیع اہلِ ایمان سے توبہ کا مطالبہ فرمایا ہے اور توبہ یہ ہے کہ

بندہ اپنے معبود کو مانے اور شرک کو ترک کرے اس طرح سے اس کی توبہ قبول ہو جائے گی پھر اسے رجوع الی اللہ ضروری ہے یاد رہے کہ توبہ کے وقت ہزاروں خیالات حائل ہوں تب بھی توبہ کی قبولیت میں رکاوٹ کا سبب نہ بنیں گے۔ بلکہ توبہ کے وقت گناہ کا صدور ہو گیا تب بھی بعد کی توبہ قبول ہوگی۔ عام مومن کی علامت یہ ہے کہ جب اس سے گناہ کا صدور ہو تو اس کا سینہ تنگ، دل مغموم، روح نادم اور سر راجع الی اللہ ہونے کو چاہتا ہے اس میں اشارہ ہے کہ مخصوص لوگ کبھی بعض امور سے قربتِ الٰہی سے محجوب اور مقاماتِ مخصوصہ و مشاہدات و معرفتِ حق اور توحیدِ الٰہی سے مہجور ہو جاتے ہیں اسی لیے انھیں حکم ہوتا ہے کہ اے ایمان والو! اسی حجب کے مقام میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو اس لیے کہ جو ان مقامات کی طلب یا خیال میں رہتا ہے تو معرفت الٰہی میں بہت شرمناک ہے اس لیے کہ جس کا گمان ہو کہ واصل باللہ ہے تو اسے معرفت وجود الٰہی اور کنہ جلال عزت سے کچھ حاصل نہ ہوگا اور جو بھی ہر آن اور ہر لحظہ توبہ پر التزام کرتا ہے تو بحر فنا میں فانی ہو کر محبوب خدا ہو جاتا ہے۔ اسی مقامِ فنا کے استغراق کی وجہ سے حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انہ لیغان علی قلبی وانی لاستغفر اللہ کل یوم مائۃ مرۃ۔

(بے شک میرے دل میں گرد و غبار بیٹھ جاتا ہے تو دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر توبہ کے بعد توبہ ضروری ہے یہاں تک کہ توبہ سے بھی توبہ کرنی چاہیے۔ اس کی برکت یہ ہوگی رؤیۃ قدوم و بقا سے بحر فنا فانی ہو جائے گا۔

اے اللہ! ہمیں فانی و باقی بنا۔ آمین

تفسیر عالمانہ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ ایایم، ایامیٰ کا مقلوب ہے ایامیٰ ایم کی جمع ہے جیسے یتامیٰ، یتایم کا مقلوب، اور یتایم، یتیم کی جمع ہے اسے قلب مکانی کہا جاتا ہے۔ ایامی کے میم کی کسرہ کو فتح سے اور یاء کو الف سے تبدیل کیا گیا ہے۔ ایسے ہی یتامیٰ کی تعلیل ہے۔ ایم وہ مرد جس کی زوجہ نہ ہو اور وہ عورت جس کا شوہر نہ ہو۔ بکرہ ہوں یا ثیب۔ ایسے ہی المفردات میں ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے متولیو! تم اپنی قوم کے مردوں اور عورتوں کا نکاح کرو کیونکہ نکاح نسلِ انسانی کی بقاء اور زنا کا محافظ ہے وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ الکواشی میں الصّٰلحین سے بہتر یا ایمان دار لوگ مراد ہیں۔ الوسیط میں الصلاح بمعنے ایمان لکھا ہے۔ المفردات میں لکھا ہے کہ صلاح، فساد کی نقیض ہے ان دونوں کا استعمال صرف افعال میں ہوتا ہے۔

نکتہ: غلاموں کے نکاح کے لیے صلاح کی قید اس لیے ہے کہ وہ غلام جو نیک نہ ہو وہ اس لائق نہیں کہ اس کا آقا اس کے لیے کسی کا اہتمام کرے یا اس پر شفقت کرے بلکہ اس قسم کی ضروریات پوری کرے نہ شرعاً نہ عادتاً۔ بلکہ

ایسے نالائق غلام کو اپنے پاس رکھنا بھی گوارا نہ کرے اور نہ ہی اسے اپنے پاس رکھے۔

سوال: آزاد مرد و عورت کا نام آیت میں نہیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ بے شک برائیوں کا ارتکاب کرتے رہیں۔

جواب: چونکہ ان میں عموماً فساد نہیں ہوتا بلکہ ان کے اکثر میں خیر و صلاح ہوتی ہے اس لیے ان کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

سوال: آیت میں غلام اور کنیز پر عبد و اَمَۃ کا اطلاق کیا گیا ہے حالانکہ حدیث شریف میں ایسا اطلاق ممنوع ہے۔ چنانچہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ فلاں میرا غلام اور فلاں میری کنیز ہے اس لیے کہ تمام مرد اللہ تعالیٰ کے عبد اور تمام عورتیں اس کی کنیزیں ہیں۔ ہاں یُوں کہہ سکتا ہے کہ فلاں میرا غلام اور فلاں میری لونڈی ہے۔

جواب: حدیث شریف میں ممانعت اس لیے ہے تاکہ انسان میں تکبر اور غرور پیدا نہ ہو جائے کہ متکبرانہ طور تحقیر کرتے ہُوئے کسی کو اپنا عبد اور کنیز کہے۔ اس تقریر سے آیت و حدیث کا تعارض اُٹھ گیا۔

ف: یہی ہم اہلسنت کہتے ہیں کہ عبدالرسول، عبدالنبی وغیرہما اسماء میں ہمارا عبدیت سے حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہوتا بلکہ ہم ایسے اسماء میں عبد سے غلام مراد لیتے ہیں اور اس میں کوئی قباحت نہیں جیسا کہ آیت میں عباد و اِمَاء سے غلام اور کنیزیں مراد لی گئی ہیں۔ اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ یہ کہ وہ غلام اور کنیزیں ہُوں، درویش اور تنگ دست يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ انھیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مستغنی فرمائے گا یعنی تم اس ارادہ سے انھیں نکاح سے نہ روکو کہ ناکح یا منکوحہ غریب و مسکین ہیں نان و نفقہ کہاں سے لائیں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل وسیع اور لطف عام ہے کہ وہ اپنے بندوں کی غربت اور مسکینی دور کر کے انھیں دولت مند و تونگر بنا دے۔ ویسے دنیا و دولت آنی جانی شے ہے۔ ممکن ہے آج وہ غریب و تنگدست ہیں تو کل وہ غنی اور مالدار ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ ایسے طریق سے رزق پہنچاتا ہے جس کا ہمیں وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

ف: جو شخص اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا فقیر بنا دے وہ کل کائنات سے مستغنی ہو جائے گا۔

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ اور اللہ تعالیٰ غنی اور ایسی وسعت کا مالک ہے کہ اس کی نعمتیں کہیں بھی ختم نہیں ہوتیں کیونکہ اس کی قدرت کی انتہا نہیں ہے۔ عَلِيْمٌ علیم ہے، اسی لیے وہ اپنے منشا پر جس کے لیے جیسے چاہتا ہے رزق گھٹاتا بڑھاتا ہے۔ وُہ جو کام کرتا ہے مبنی بر حکمت ہوتا ہے۔

مسئلہ: تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ نکاح سنّت ہے۔

حدیث شریف ا: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احب فطرتی فلیستن بسنتی و من سنتی النکاح۔

(جو شخص میری فطرت سے محبّت کرتا ہے اسے میری سنّت پر عمل کرنا چاہیے اور نکاح بھی میری سنّت ہے)

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر و احصن للفرج و من لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔

(اے نوجوانو! تم میں جسے نکاح کی فرصت ہے اسے چاہیے کہ نکاح کرے اس لیے کہ نکاح آنکھوں کو بُرائی سے اور فرج کو زنا سے روکتا ہے۔ جسے نکاح کی فرصت نہیں اسے روزہ رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ روزہ زنا سے بچنے کے لیے ڈھال کا کام دیتا ہے۔)

مسئلہ: اگر کسی کو وطی کا اتنا سخت میلان ہو کہ اسے زنا کا یقین ہو جائے تو اسے نکاح کرنا واجب ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

مسئلہ: امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا جسے نکاح کرنے کی ضرورت ہو اسے اگر نان و نفقہ کی فرصت نہ بھی ہو تو اسے نکاح کرنا مستحب ہے۔

مسئلہ: جو شخص وطی کی طرف چنداں مائل نہیں اسے نوافل میں مصروف رہنے کے بجائے نکاح کرنا افضل ہے۔ یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔ امام مالک و امام شافعی اس کے برعکس فرماتے ہیں۔

مسئلہ: امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دیگر نفلی عبادت سے نکاح کرنا افضل ہے۔

مسئلہ: کیا کوئی عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرسکتی ہے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہی مذہب ہے، ان کی دلیل آیت:

فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن۔

(انھیں نکاح کرنے سے مت روکو)

ہے۔ آیت میں مردوں کو روکا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو نکاح کرنے سے منع نہ کریں۔ آیت سے ثابت ہوا کہ عورت اپنے نکاح کی خود مالک ہے۔ لیکن ائمہ ثلاثہ عورت کا ولی کے بغیر نکاح کرنا ناجائز ٹھہراتے ہیں۔ اور

وہ بھی اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ وہ اس طرح کہ آیت میں اولیاء متولیوں کو خطاب ہے جیسے غلاموں اور لونڈیوں کو از خود نکاح کرنے کی اجازت نہیں ایسے ہی آزاد عورتوں کو۔

مسئلہ: ائمہ کا اختلاف ہے کہ کیا آقا غلام کو نکاح کرنے پر مجبور کر سکتا ہے یا نہیں، جبکہ غلام نکاح کا خواہاں ہو۔ امام احمد نے فرمایا کہ جب غلام نکاح کا خواہاں ہو تو آقا پر لازم ہے کہ اس کا نکاح کر دے۔ ہاں لونڈی کا نکاح کر دینے کے بعد اس سے خدمت کرا سکتا ہے۔ اگر آقا غلام کو نکاح سے روکے تو پھر غلام کو مطالبہ کرنا جائز ہے کہ وہ اسے بیچنے پر مجبور کرے اور آقا پر بھی لازم ہے کہ ایسے غلام کو بیچ ڈالے۔ اس میں دوسرے ائمہ ثلاثہ نے اختلاف کیا ہے۔

مسئلہ: الکواشی میں ہے کہ آیت میں امر ندب کا ہے۔

ف: ترجمۃ الفتوحات میں ہے کہ اگر تم نکاح کا ارادہ رکھتے ہو تو قریشیوں میں نکاح کی جدوجہد کیجئے۔ اہل بیت کے خاندان سے نکاح ہو تو بہتر و موزوں تر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اونٹ سوار عورتوں سے وُہ بہتر عورتیں ہیں جو قریش خاندان سے ہیں۔"

نکاح فقر و تنگ دستی دُور کرتا ہے

زجاج نے فرمایا کہ نکاح کی اللہ تعالیٰ نے اس لیے ترغیب دلائی ہے کہ نکاح فقر و فاقہ اور تنگ دستی کو دُور کرتا ہے۔ غناء دو قسم ہے:

(۱) غناء بالمال، لیکن یہ ضعیف سبب ہے۔

(۲) غنا بالقناعۃ، اور یہ اقویٰ سبب ہے۔

نکتہ: نکاح غناء کا سبب اس لیے ہے کہ عقد دینی عقد دنیوی تحصیل کا سبب ہے۔ یا تو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے اسباب تیار ہو جاتے ہیں جن کا فقیر تنگدست کو علم بھی نہیں ہوتا یا اس لیے کہ نکاح کے بعد انسان کاروبار کی فکر کرتا ہے اور کاروبار فقر و فاقہ کو دُور کر دیتا ہے ؎

رزق اگر چند بیگمان برسد
شرط عقلست جستن از درہا

ترجمہ: اگرچہ رزق اللہ تعالیٰ سے پہنچتا ہے لیکن اسے اسباب کے ذریعہ تلاش کرنا ضروری ہے۔

مسئلہ: ائمہ کا اختلاف ہے کہ کیا زوج جب تنگدست ہو جائے یہاں تک کہ اپنی عورت کو نان و نفقہ اور پوشاک اور مکان بھی نہ دے سکے تو کیا عورت کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنا نکاح فسخ کرائے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں عورت کسی شے کی مالک نہیں۔ البتہ اسے حکم دیا جائے کہ وہ ان امور کے لیے قرضہ اٹھائے

اور وقت کا حاکم اسے قرض اٹھانے کا حکم دے پھر بعد کو مرد سے قرض ادا کرائے۔ اگر مر جائے تو اس کے مال سے قرض پورا کرے۔

حکایت : حضرت امام جعفر بن محمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی نے فقر و فاقہ کی شکایت کی تو آپ نے اسے نکاح کا حکم فرمایا۔ اس نے نکاح کے بعد بھی پہلے کی طرح فقر و فاقہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا، طلاق دے دے۔ آپ سے اس کا سبب پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: میں نے نکاح کا حکم اس لیے دیا کہ ممکن ہے کہ وہ اس آیت " ان یکونوا فقراء الخ کا مصداق ہے لیکن جب اس کا فقر بدستور رہا تو پھر میں نے سمجھا کہ وہ اس آیت کے بجائے دوسری آیت کا مصداق ہے وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ۔

مسئلہ : بعض فقہاء نے فرمایا کہ بسا اوقات نکاح نہ کرنا واجب ہوتا ہے جب کہ وہ نکاح الٹا معصیت اور فساد کا موجب بنے۔

حدیث شریف ۱ : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یأتی علی الناس زمان لا ینال فیہ المعیشۃ الا بالمعصیۃ فاذا کان ذالک الزمان حلت العزوبۃ۔

(میری اُمت پر ایک ایسا وقت آنے والا ہے کہ اس وقت معیشت کا حصول معصیت اور گناہ کے ارتکاب کے بغیر نہایت مشکل ہو گا جب یہ زمانہ آ جائے تو اس وقت نکاح کے بغیر زندگی بسر کرنا بہتر ہو گا)

حدیث شریف ۲ : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا اتی علی اُمتی مائۃ و ثمانون سنۃ فقد حلت لھم العزوبۃ والترھب علی رؤس الجبال۔ (کذا فی تفسیر الکواشی)

(جب میری اُمت پر ایک سو اَسّی سال گزر جائیں تو اس کے بعد نکاح کے بغیر زندگی بسر کرنا بہتر ہو گا)

ظہورِ مہدی کا سن حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا:

اذا نفد عدد حروف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فانہ یکون اوان خروج المہدی من بطن امہ۔

(جب بسم اللہ شریف کے مطابق صدیاں ختم ہوں (یعنی ۹۰۰ اھ) تو پھر مہدی موعود پیدا ہو گا)

اسے حضرۃ الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے یوں نظم فرمایا: ؎

۱ اذا نفد الزمان علی حروف
ببسم اللہ فالمہدی قاما

۲ ودورات الخروج عقیب صوم
الا بلغہ من عندی سلاما

ترجمہ: (۱) جب بسم اللہ کے حروف کے مطابق زمانہ گزر جائے تو امام مہدی ظاہر ہوں گے۔
(۲) اور ظہور کا دور بھی بعد رمضان کے ہوگا۔ جب تشریف لائیں تو انہیں سلام عرض کرنا۔

ف: اگر حسد نہ ہوتا تو عدد کا راز ظاہر ہوتا۔

اسمٰعیل حقی کا بیان فقیر (اسمٰعیل حقی رحمہ اللہ) کہتا ہے کہ اگر ہر راء کو مکرر طور مانا جائے، جیسا کہ مشدد حروف کا تقاضا ہے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا ظہور ایک ہزار ایک سو چھیاسی ۱۱۸۶ سال پر ہوگا (لیکن یہ ان کا اپنا خیال ہے اس لیے کہ مذکورہ مدّت میں مہدی کا ظہور نہیں ہوا صحیح وہی ہے جو ہم نے کہا کہ سنہ ۱۹۰۰ھ کے بعد ان کے ظہور کا امکان ہے)

ف: الکواشی کی نقل کردہ روایت کہ "ایک سواسّی سال کے بعد نکاح نہ کرنا بہتر ہوگا" سے بھی یہی مراد ہے کہ ایک ہزار کے بعد جب ایک سواسّی سال گزریں تو نکاح نہ کرنا بہتر ہوگا۔

حدیث شریف: حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خیرکم بعد المائتین خفیف الحاذ۔

(دو سو سال کے بعد بہتر انسان وُہ ہے جس کی عیالداری بہت کم ہو)

حدیث شریف میں خفیف الحاذ کا لفظ ہے۔ اس کی مراد حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھی گئی تو آپ نے فرمایا:

الذی لا اھل لہ ولا ولد۔

(خفیف الحاذ وہ ہے) جس کا نہ کنبہ ہو نہ اولاد نہ کوئی اور)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ وانکحوا الایامٰی الخ میں ان مریدین طالبین کی طرف اشارہ ہے جو شیخ کامل کی خدمت سے محروم ہیں یعنی ایسے محروموں کو حکم دو کہ وہ شیخ کامل کی خدمت وصحبت میں رہیں تاکہ شیخ ان میں یوں تصرف کرے کہ ان کے قلوب کے ارحام میں صلب ولایت سے نطفہ ڈالے اس لیے کہ کامل اولیاء کی تلاش کے بعد جب ان کی صحبت وخدمت حاصل ہوئی تو گویا عالمِ غیب میں معناً انھیں ولادت ثانی نصیب ہوگی جیسے عالم شہادت میں صورۃً اس کی ولادت ہوئی ہے

ایسے ہی عالمِ غیب میں معناً ولادت حاصل ہوتی ہے۔ جب شیخ کامل سے ولادت ثانیہ حاصل ہو جائے گی تو عالمِ ملکوت میں داخل ہونا نصیب ہو جائے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "عالمِ ملکوت السمٰوٰت والارض میں وہ داخل ہو سکتا ہے جسے دوبارہ ولادت حاصل ہوتی ہے"۔ عیسیٰ علیہ السلام کی عبارت میں النشاۃ الاخری سے یہی ولادتِ ثانیہ مراد ہے، اور جب بندہ اس مقام کو پالیتا ہے تو وہ کفر اور موت کی طرف رجوع سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے کفر کی طرف رجوع سے امن کی دلیل آیۃ "کیف تکفرون باللّٰہ وکنتم امواتاً" ہے فاحیاکم یہاں پر احیاء سے ولادت اولیٰ مراد ہے ثم یمیتکم یہاں پر اماتت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے ارادے سے موت دی ثم یحییکم میں احیاء نشأۃ ثانیہ یعنی ولادتِ ثانیہ مراد ہے ثم الیہ ترجعون پھر تم اللہ تعالیٰ کے جذبہ سے ہی اس کی طرف رجوع کرو گے۔ کما قال:

ارجعی الی ربك راضیۃ مرضیۃ۔

اور موت سے امن کی دلیل آیۃ اومن کان میتا فاحییناہ کیا تم مُردے نہیں تھے پھر ہم نے تمہیں نورِ ربوبیت سے زندہ کیا وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس اور ہم نے اس لیے نور پیدا فرمایا۔ یہاں پر نور سے نورِ الٰہی مراد ہے جس سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ جب بندے کو یہ نور حاصل ہو جاتا ہے تو وہ دائمی زندگی پالیتا ہے جس سے موت کے خطرہ سے محفوظ و مامون ہو جاتا ہے اگرچہ اس دنیا سے رخصت ہو کر دوسرے عالم میں جاتا ہے تب بھی وہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہوتا ہے ان یکونوا فقراء سے مراد یہ ہے کہ وہ فیض الٰہی کے قبول کرنے کی استعداد سے محروم ہیں یغنھم اللّٰہ من فضلہ انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے غنی کر دیتا ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انھیں فیض الٰہی کے قبول کرنے کی استعداد نصیب ہو جاتی ہے، ورنہ بندے کا اللہ تعالیٰ تک پہنچنا ناممکن ہے اس لیے کہ حادثات کے قدیم تک پہنچنے کی جملہ راہیں مسدود ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کھول دے تو پھر راہیں کشادہ ہیں، وہی فتاح ہے اور اسی کے ہاتھ میں ہر شے کے کھولنے کی کنجی ہے واللّٰہ واسعٌ اللہ تعالیٰ ہی ارحام قلوب کو کشادہ کرتا ہے جس سے فیضِ الٰہی کے قبول کرنے کی استعداد حاصل کر لیتے ہیں علیمٌ اسے علم ہے کہ کون اس کے فیض تک پہنچنے کی استعداد رکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَلْيَسْتَعْفِفِ اس میں ان لوگوں کو جو اسباب و مبادی نکاح سے عاجز ہیں ایسے امر کی طرف رہبری کی جا رہی ہے جو ان کے لیے اولیٰ و افضل ہے اور ان کے لیے زیادہ لائق ہے جبکہ اس سے پہلے فقراء کو نکاح کرنے کے جواز کا طریقہ بتایا ہے۔

حل لغات: العفۃ نفس کو ایسی حالت کا حاصل ہونا جو اسے غلبۂ شہوت سے روک سکے المتعفف وہ شخص جسے یہی کیفیت حاصل ہو۔ اور الاستعفاف بمعنے طلب العفۃ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ عفۃ اور شہوت کے

قلع قمع کرنے میں جدوجہد کریں الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِکَاحًا وہ لوگ جو نکاح کے اسباب مثلاً مہر اور نان و نفقہ وغیرہ کی فرصت نہیں پاتے اس لیے کہ جسے یہ اسباب حاصل نہ ہوں تو اس کے لیے نکاح وغیرہ کرنا الٹا جنجال ہے۔ پھر ایسے لوگوں کے لیے روزہ ضروری ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ومن لم یستطع فعلیہ بالصوم فانہ لہ وجاء۔

(جو شخص نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اسے چاہیے کہ وہ روزہ رکھے اس لیے کہ روزہ ڈھال ہے)
یعنی روزہ سے شہوتِ نفسانی کمزور پڑ جاتی ہے اور اس سے جماع کی خواہش کا غلبہ ضعیف ہو جاتا ہے اس طرح سے فرج کی عفت وعصمت بطریق احسن حاصل ہوتی ہے۔

مسئلہ: جب شہوت کا غلبہ ہو تو اس وقت لیستعفف کے امر کو وجوب پر محمول کیا جائے۔

حَتّٰی یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے غنی کر دے تاکہ اسے وہ اسباب حاصل ہوں جن سے وہ نکاح کر سکے۔

حکایت ترجمۃ الفتوحات میں ہے کہ ایک نیک انسان بظاہر دنیوی اسباب نہیں رکھتا تھا لیکن پھر بھی نکاح کر لیا۔ چند دنوں کے بعد عیال دار ہو گیا۔ جب عیالداری نے تنگ کیا تو لڑکے کو لے کر باہر میدان میں کھڑے ہو کر اعلان کیا یہ اس شخص کی سزا ہے جو فرمانِ الٰہی کے خلاف کرے۔ لوگوں نے کہا کیا آپ نے زنا کیا ہے؟ فرمایا نہیں۔ لوگوں نے کہا تو پھر یہ اعلان کیسا؟ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولیستعفف الذین لا یجدون نکاحًا الخ

لیکن میں نے عجلت کی باوجودیکہ نکاح کرنے کی فرصت نہیں رکھتا تھا تاہم نکاح کر لیا بالآخر یہ دن دیکھنے پڑے۔ لوگوں نے اس کے حال پر رحم کھا کر اس کی اتنی مالی امداد کی جس سے وہ افلاس وتنگدستی کی پریشانی سے بچ گیا۔

سبق: بہرحال کبھی نکاح کی سنت ادا کرنے سے غنا اور تونگری حاصل ہو جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ ولیستعفف الذین الخ یعنی جن لوگوں کو شیخ کامل دستیاب نہیں ہوتا ان پر لازم ہے کہ وہ تصرفاتِ دنیا اور خواہشاتِ نفسانی اور امورِ شیطانی سے ارحام قلوب کی حفاظت کریں حتّٰی یغنیھم اللّٰہ من فضلہ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے حال پر رحم فرما کر اسے شیخ کامل کی طرف رہبر کرے، جیسے موسیٰ علیہ السلام کو خضر کی راہ دکھائی۔ یا اس کے لیے شیخ کامل کو فیض پہنچانے کے لیے بھیج دے۔ جیسا کہ پہلے دستور تھا کہ ہر قوم کی طرف نبی مبعوث ہوتا۔ امتِ محمدیہ میں ولی مقرر ہوتا ہے۔ یا پھر اپنے جذبۂ عنایت سے اسے اپنی طرف کھینچ لے۔ ان تینوں سے

کوئی ایک حال ایسے متعفف کو ضرور نصیب ہوگا۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ ۔

تفسیر عالمانہ **حل لغات** : الابتغاء بمعنے طلب میں جد وجہد کرنا ۔ الکتب مفاعلہ کے باب کا مصدر ہے بمعنے مکاتبۃ ۔ یعنی وُہ لوگ جو مکاتبت طلب کرتے ہیں ۔

مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ان غلاموں سے یا کنیزوں سے کہ جن کے تم مالک ہو ۔ مثلاً مولیٰ اپنے غلام سے کہے کہ تو اتنے عرصے کے اندر اتنی رقم ادا کردے ۔ غلام اسے قبول کرلے تو غلام آزاد ہو جائے گا بشرطیکہ اسی عرصے میں رقمِ معلوم ادا کردے ۔

حل لغات : کاتب عبدہ کتابا ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب مولیٰ غلام کے ساتھ قسطوں پر رقم کی ادائیگی کی شرط پر اس کی آزادی کا عقد کرے ۔ جب غلام عرصۂ معلومہ تک رقم معلوم ادا کرے گا تو وہ آزاد ہو جائے گا لیکن جب تک رقم ادا نہ کرے گا اس وقت تک وہ بدستور غلام رہے گا ۔

نکتہ : مفاعلہ کے صیغے میں یہ نکتہ ہے کہ آقا اپنے اُوپر واجب کرتا ہے کہ غلام رقم ادا کرنے کے بعد آزاد ہو جائے گا اور غلام اپنے اُوپر واجب کرتا ہے کہ وہ اپنا مال بدل بغیر خلل و نقصان کے مدتِ معلومہ میں ادا کرے گا۔ نیز اس عقد کا بدل میعادی ہے جسے غلام قسط وار ادا کرے گا اور اس مالِ مؤجل کے لیے کتاب میں لکھا جائے گا کہ غلام اتنے عرصے میں رقم معلوم ادا کردے گا ۔ اگرچہ نہ لکھیں تب بھی قانون شرع کے مطابق ہے اور اکثر اسی طرح ہوتا ہے اسی لیے اسے مکاتبت سے تعبیر کیا جاتا ہے ۔ المفردات میں ہے کہ چونکہ عبد اپنے آقا سے اپنے آپ کو رقم معلومہ کے ساتھ خرید رہا ہے اسی لیے کتاب بمعنے ایجاب سے اس کا مشتق ہونا صحیح ہے ۔ بعض نے کہا کہ یہ الکتب بمعنے النظم باللفظ سے ہے اور چونکہ انسان یہ عقد زبان سے بول کر کرتا ہے اس لیے اسے اس لفظ سے مشتق کیا گیا ہے ۔

شانِ نزول : صبیح مولیٰ حویطب بن عبدالعزّٰی کے غلام نے اپنے آقا سے مکاتبت کے ساتھ آزادی کا مطالبہ کیا تو اس نے انکار کیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (کذا فی التکملہ) ۔

فَكَاتِبُوْهُمْ یہ اسم موصول کی خبر ہے اور وُہ چونکہ شرط کے معنے کو متضمن ہے اسی لیے یہ فا جزائیہ ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تمہارے غلام اگر اپنی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں تو تم ان سے بدلہ لے کر انہیں آزاد کردو ۔

مسئلہ : یہ امر ندب کا ہے اس لیے کہ مکاتبت ایک ایسا عقد ہے جو آقا اور غلام دونوں کے لیے نرمی کو متضمن ہے اس لیے ضروری نہیں کہ آقا غلام کی استدعا پہ اسے آزاد کردے ۔ اور نہ ہی غلام پر ضروری ہے کہ وہ خواہ مخواہ مکاتبت کی استدعا کرے ۔ اسی لیے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بدل کتابت

یکمشت دینا بھی جائز ہے اور اقساط پر بھی اور میعاداً بھی اور دست بدست بھی۔

اِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا اگر تم اس میں خیر اور بھلائی سمجھو یعنی تمہیں یقین ہو کہ واقعی غلام بدل کتابت ادا کر دے گا تو ان کے ساتھ آزادی کا وعدہ کر لو جبکہ وہ حلال کمائی سے ادائیگی کرے تو وہ مال تمہارے لیے حلال طیب بھی ہوگا کہ تم نے اسے اپنے غلام کی حلال کمائی سے حاصل کیا ہے اور ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ تم ان میں یوں خیر اور بھلائی محسوس کرو کہ وہ آزادی کے بعد کسی کو ایذا نہیں دیں گے اور نہ ہی وہ مطلق العنان ہو جائیں گے۔

ف : حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر تم ان میں علم بالحق اور عمل صالح پاؤ تو آزاد کر دو۔ اور یہ شرط امر کے لیے ہے یعنی یہ استحباب عقد کے لیے ہے اور وہ فکاتبوھم سے معلوم ہوتا ہے اس کے انتفاء سے استحباب کا انتفاء ہوگا نہ کہ اس سے جواز کا بھی انتفاء ہوگا۔

وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ یہ آقاؤں کو حکم ہے اور یہ امر بھی ندب کا ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے آقاؤ! اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے مال سے غلاموں کو بھی کچھ دو۔ یعنی مکاتبت کا بدل بالکل انہیں معاف کر دو یا کچھ لو اور کچھ معاف کر دو۔

حدیث شریف : حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کفی بالمرء من الشح ان یقول آخذ حقی لا اترك منه شیئا۔

(انسان کے بخل کی دلیل ہے کہ وہ کہے کہ میں اپنا حق لوں گا۔ اس سے ذرہ برابر بھی نہیں چھوڑتا)

حکایت اصمعی لکھتے ہیں کہ ایک اعرابی لوگوں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ حق لیتے ہو یا اس سے بھی اور بہتر شے؟ انہوں نے کہا حق سے کیا شے افضل ہے؟ اس نے کہا کہ دوسروں پر احسان و کرم کرنا اپنا حق لینے سے افضل ہے (کذا فی المقاصد الحسنہ للسخاوی)

حویطب کا عمل بالقرآن کاشفی نے لکھا کہ حویطب نے اپنے غلام صبیح کو صد دینار کے عوض آزاد کیا تھا، لیکن جب آیت ہذا سنی تو اسے بیس دینار معاف کر دیے۔

ف : حویطب غزوۂ حنین میں مارے گئے۔

نکتہ : مال کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے اور اسے ایتان سے موصوف کرنے میں تعمیل فرمان حق پر برانگیختہ کرنا ہے تاکہ بندے مامور بہ کو رغبت سے ادا کریں اس لیے کہ انہیں خیال آئے گا کہ جب مال کا مالک حقیقی وہی خود ہے اور اس نے ہمیں عطا فرمایا ہے اور اب وہ اسے خرچ کرنے کا فرماتا ہے تو پھر

ہم کون لگتے ہیں کہ اسے اس کی راہ میں خرچ نہ کریں۔

ف : و اٰتوھم کا خطاب عام مسلمانوں کو ہے کہ وہ مکاتبوں کے آزاد کرانے ہیں ان کی نقد امداد کریں۔ ایسی آزادی کو عربی میں فک رقبہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی گویا وہ ایک عذاب میں مبتلا تھا جو آزادی کے بعد اس عذاب سے نجات پا گیا ؎

بشنو از من نکتۂ اے زندہ دل
وز پس مرگم بہ نیکی یاد کن
کہ بلطف آزادۂ بندہ ساز
کہ باحسان بندۂ آزاد کن

ترجمہ : اے زندہ دل! مجھ سے ایک نکتہ یاد رکھ، مرنے کے بعد مجھے یاد کرنا۔ وہ یہ کہ آزاد کو اپنے لطف واحسان سے اپنا بندہ بنا اور احسان وکرم سے غلام کو آزاد کر۔

حدیث شریف میں ہے :

ثلاثۃ حق علی اللہ عونھم المکاتب الذی یرید الاداء والناکح یرید العفاف والمجاھد فی سبیل اللہ۔

(بندے کے لیے اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم تین حقوق ہیں :

۱۔ جن سے وہ اپنے بندوں کی مدد کرے جو غلام آزادی چاہتا ہے۔

۲۔ وہ شخص جو نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

۳۔ مجاہد فی سبیل اللہ۔

اس مکاتب کے متعلق ائمہ کا اختلاف ہے جو مکاتبت کی قسط کی ادائیگی سے پہلے فوت ہو گیا۔

مسئلہ : امام اعظم اور امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا اگر اتنا مال چھوڑ گیا کہ اس کی قسط ادا کی جا سکے گی تو وہ آزاد ہے اور اگر کچھ مال بچ گیا تو وہ اس کی آزاد اولاد میں تقسیم ہو گا اور امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وہ غلام ہو کر مرا لیکن کتابت کی ادائیگی بھی اس سے مرتفع ہو گئی۔ یہ ایسے ہے جیسے مبیع قبضہ سے پہلے ضائع ہو گئی تو بیع ختم۔

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ اور اپنی لونڈیوں کو مجبور مت کرو۔ لفظ فتی کا غلام اور فتاۃ لونڈی پر عام اطلاق ہوتا ہے ویسے فتی اس مرد کو کہتے ہیں جس پر جوانی کا غلبہ ہو۔ اسی مناسبت سے یہاں پر وہ لونڈی مراد ہے جو نوجوان ہو۔ چنانچہ عَلَى الْبِغَآءِ سے معلوم ہوتا ہے البغاء بمعنے زنا۔ اس لیے اس کا

صدور عموماً نوجوان عورتوں سے ہوتا ہے بخلاف بوڑھیوں اور چھوٹی بچیوں کے کہ ان سے زنا کا صدور نہیں ہوتا۔

حلِ لغات: بغت المرأۃ بغایۃ اس وقت بولتے ہیں جب کسی عورت سے فجور کا صدور ہو اور وہ اس لیے کہ وہ اپنے شرم و حیا سے متجاوز ہو کر ایسے فعل کا ارتکاب کرتی ہے۔ اور الاکراہ کا اطلاق اس وقت ہوتا ہے جب کسی کی ذات یا اس کے کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا خطرہ ہو۔ معمولی خطرے پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی نوجوان عورتوں کے علاوہ دوسری عورتوں کے لیے مکرھہ کہا جائے گا۔

اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا۔ تحصن بمعنے تعفف۔ یعنی اگر وہ زنا سے عفت و عصمت کا ارادہ کریں یعنی اپنے آپ کو حصن (قلعہ) کی طرح محفوظ رکھتی ہے۔

نکتہ ارادہ کی قید اتفاقی ہے۔ یعنی اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ اگر وہ زنا سے بچنے کی خواہشمند ہو تو مجبور نہ کرو۔ بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ایسی حالت میں انہیں زنا پر مجبور نہ کرو۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی کہ عورتوں کو زنا پر مجبور کرتے تھے حالانکہ ان کی لونڈیاں زنا سے بچنے کی کوشش کرتی تھیں۔

شانِ نزول: منقول ہے کہ عبداللہ بن اُبیّ بن سلول کی چھ لونڈیاں نہایت حسین و جمیل تھیں جنھیں وہ زنا پر مجبور کرتا تھا۔ اگر وہ انکار کرتیں تو انھیں سخت سزا دی جاتی۔ ان میں سے دو لونڈیوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، ان کا نام معاذہ و مسکینہ تھا۔ ان کی شکایت پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ف: اس میں جاہلیت کے لوگوں کی قباحت و شناعت کا ذکر ہے کہ وہ اس طرح کے گندے افعال کا ارتکاب کرتے تھے جیسا کہ سب کو معلوم ہے اس لیے کہ جسے تھوڑی سی مروّت حاصل ہے وہ کبھی اپنی لونڈیوں سے اس طرح کی برائی نہیں دیکھ سکتا چہ جائیکہ انھیں ایسے گندے فعل کا امر مجبور کرے بالخصوص جب وہ برائی سے بچنے کے درپے ہوں۔

نکتہ: لفظ اذ کے بجائے اِن لانے میں نکتہ ہے ورنہ مورد نص میں ارادہ کا تحقق ہے۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ تنبیہ ہو جائے جس فعل میں شک و تردد ہو اس سے رکنا ضروری ہے تو جس میں تحقق ہے اس سے بطریق اولیٰ رکنا ضروری ہے۔

لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یہ اکراہ کی قید ہے اور عرض ہر وہ شے جس کا کوئی ثبوت نہ ہو اسی کو متکلمین نے ہر اس شے کے لیے استعارۃً استعمال کیا ہے جسے ثبات نہ ہو بلکہ کسی دوسری شے پر قایم ہو جیسے رنگ، ذائقہ وغیرہما۔ اسی لیے مشایخ نے فرمایا: دنیا بھی وہی عرض ہے کہ اسے ثبات نہیں اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے لوگو! متاع سریع الزوال کی طلب میں لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو یا زنا کے بچے پیدا نہ کراؤ۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ تبیان میں ہے کہ ایک زانی شخص زنا کردہ عورت کے بچے کے لیے سو اونٹ دیتا تھا۔

وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ اور جو شخص عورتوں کو مذکورہ طریقے سے زنا پر مجبور کرتے تھے فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اکراہ کے بعد۔ یہاں اکراہ مصدر مجہول ہے غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ انھیں بخشنے والا اور رحیم۔ ان کے اسم اور اس کی خبر کے درمیان اکراہ لانے میں اشارہ ہے کہ ان کے لئے مغفرت ورحمت کا موجب یہی اکراہ ہے۔

ف : اس میں دلالت ہے کہ اگرچہ انھیں زنا پہ مجبور کیا جائے تب بھی وُہ اپنی فطرتِ بشری کے مطابق رغبت بھی کرتی ہیں اسی لیے انھیں مغفرت ورحمت سنائی گئی ہے۔

مسئلہ : الکواشی میں ہے کہ یہاں گناہ نہ کرنے کے باوجود انہیں مغفرت کہا گیا ہے کیونکہ جب انھیں قتل و ضرب کا خطرہ دلا کر ان کو زنا پہ مجبور کیا گیا ہے تو پھر مغفرت کیسی !

مسئلہ : مرد کو اگرچہ زنا پہ مجبور بھی کیا جائے تب بھی اس پر لازم ہے کہ زنا نہ کرے۔ اس لیے کہ زنا کے فعل کا صدور مرد سے ہوتا ہے اور وہ اس پہ پختہ ارادہ کر کے اس کا ارتکاب کرتا ہے۔ اگر وہ اس پر مار ابھی جائے تب بھی ناحق قتل کیا جائے گا اور قتل ہونا منظور کرے لیکن زنا سے بہرحال بچے۔

تفسیر صوفیانہ

(۱) آیت میں اشارہ ہے کہ بعض صلحاؑ وُہ ہوتے ہیں جو طلبِ الٰہی میں منتہی لوگوں کے مراتب تک نہیں پہنچتے لیکن وہ نفسِ امّارہ کی سرکشی پر غالب ہوتے ہیں ایسے لوگ اپنے نفس کو عذابِ الٰہی سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور ان کا ارادہ ہوتا ہے کہ وہ عمل اور توبہ و استغفار سے نفس کو آتشِ نار سے بچالیں۔ فکاتبوھم تو اے نیک بختو ! تم ایسے نفوس سے توبہ کراؤ اگر ان میں صدق و صفائی کے آثار پاؤ اور یقین کرو کہ واقعی وُہ اس توبہ پہ قایم رہیں گے اور جو وُہ معاہدہ اللہ تعالیٰ سے کریں گے اس پر پورے اُتریں گے۔ کیونکہ صوفیاءِ کرام کا قاعدہ ہے کہ وہ ہر ایک کو تلقین نہیں کرتے بلکہ ان لوگوں کو توبہ کراتے ہیں جنہیں اپنی فراست سے دیکھتے ہیں کہ واقعی وہ وفا کریں گے پھر جب ان میں وفا پاتے ہیں تو پھر انھیں ولایت کی سند عطا کرتے ہیں اور انھیں اجازت بخشتے ہیں کہ وُہ اپنی قابلیت وصلاحیت سے خلقِ خدا کو دینی امور کا وعظ و نصیحت کریں۔ یاد رہے کہ ہر شے کی زکوٰۃ ہے اور ولایت کی زکوٰۃ علم ومعرفت ومعرفت و نصیحت لینے والوں کو نصیحت و طالبین کا ارشاد اور بر و تقویٰ کا تعاون اور متقین سے نرمی و رفق ہے۔ پھر جیسے زکوٰۃ نہ دینے سے مال ضائع اور برباد ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی اس شخص سے ولایت چھن جاتی ہے جو رہبری حاصل کرنے والوں کو دروازے پہ نہیں آنے دیتا۔ پھر جیسے سلطنت ظاہری کے لیے ضروری ہے کہ وہ مصالح عوام کے لیے ہر وقت کمربستہ رہے ایسے سلطنت باطنی کے لیے لازم ہے کہ وہ مسترشدین کے ارشاد کے لیے ہر آن تیار ہو۔

ع

وللارض من کاس الکرام نصیب

ترجمہ : اور سخیوں کے کاسوں سے زمین کو بھی حصہ نصیب ہوتا ہے۔

(۲) آیت میں اشارہ ہے کہ جب نفوس متمردہ بتوفیق ایزدی ولطف وکرم الٰہی سے توبہ واستغفار کرکے برائیوں سے بچنے کا ارادہ کریں تو شہوات نفسانیہ کے لیے انہیں فساد پر نہ اکسایا جائے۔

صوفیہ کے نزدیک زانی کی تعریف اہل معرفت فرماتے ہیں کہ جس کا نسب معنوی کسی ولی کامل سے نہیں ملتا اور وہ اپنے کمال وتکمیل کا دعوٰی کرتا ہے تو حقیقت میں زانی وہی ہے اور جو ایسے زانی سے معرفت وحقیقت کی تربیت حاصل کرتے ہیں تو وہ صوفیہ کے نزدیک بفتوائے تصوف ولدالزنا ہیں۔ ہم نے اپنے دور میں بہت سے بدقسمت دیکھے کہ وہ طالبان حق کو حقیقی اہل معرفت سے گمراہ کرکے صرف مدعیان معرفت کے ہاں لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ محض اہل اللہ سے بغض و عداوت اور عناد وسرکشی سے ایسا کرتے ہیں بلکہ اس برے عمل پر انھیں خواہش نفس اور باطنی مرض ابھارتا ہے اور وہ طالبان حق کو اہل باطل کے ہاں بھی اسی لیے لے جاتے ہیں کہ وہ اہل باطل سے کھاتے پیتے ہیں۔ اسی معنے پر ایسے طالبان حق جو اہل باطل کے ہاں چلے گئے وہ ولدالزنا کی طرح ہیں اس لیے کہ اس کی استعداد گندے انڈے کی طرح ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں کافرین کے دھوکا و فریب اور ماکرین کے مکر سے بچائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ بخدا ہم نے تمہارے ہاں اسی سورۃ کی آیات روشن ان تمام ضروریات کے لیے نازل فرمائیں جن کی تمہیں حاجت ہے مثلاً حدود کے بیان و دیگر احکام اور آداب وغیرہا۔ اگرچہ درحقیقت ہر شے کا بیان کرنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے لیکن یہاں پر آیات کی طرف مجازاً منسوب کیا گیا ہے وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ اور ہم نے نازل کیں مثالیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے ہیں۔ مثلاً ان کے عجیب وغریب قصے اور ان کی وہ مثالیں جو کتب سابقہ میں بیان کی گئیں۔ ایسے وہ کلمات طیبات جو انبیاء علیہم السلام نے بیان فرمائے۔ مثلاً قصہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا، بی بی مریم و حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ یاد دلاتا ہے کہ جیسے ان کے قصے عجیب وغریب تھے ایسے ہی یہ جیسے زلیخا نے یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی حالانکہ وہ اس تہمت سے بری تھے ایسے ہی بی بی عائشہ پر منافقین نے تہمت لگائی اور اس تہمت سے آپ کا دامن پاک تھا۔ ایسے ہی بی بی مریم پر یہود نے تہمت لگائی حالانکہ وہ اس تہمت سے پاک تھیں وَمَوْعِظَةً اور پند ونصیحت ہے کہ اس سے تم

عبرت پکڑو اور محرمات و مکروہات و دیگران امور سے دور رہنے کی کوشش کرو جو محاسن آداب و مدار لطف کے منافی ہیں لِّلْمُتَّقِيْنَ ○ پرہیزگاروں کے لیے۔ متقین کی تخصیص صرف اس لیے ہے کہ وہی لوگ ان آیات سے نفع پاتے ہیں اگرچہ ان کا نزول سب کے لیے برابر ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ تاکہ ان سے وہ نصیحت حاصل کرے جو اتقاء کا ارادہ رکھتا ہے وہ بایں طور نصیحت پائے گا کہ جیسے گزشتہ لوگ ان افعالِ قبیحہ سے عذاب کی لپیٹ میں آ گئے۔ اگر میں بھی ان کا ارتکاب کروں گا تو میں بھی عذاب میں مبتلا ہوں گا۔ سعادتمند وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نرود مرغ سوئے دانہ فراز

چو دگر مرغ بیند اندر بند

پند گیر از مصائب دگران

تا نگیرند دیگراں ز تو پند

ترجمہ: کوئی پرندہ دانے کی طرف نہیں جاتا جب دیکھتا ہے کہ کوئی دوسرا پرندہ قید میں پھنسا ہے دوسروں کے مصائب سے ہی نصیحت حاصل کرو ایسا نہ ہو کہ دوسرے تجھ سے نصیحت پائیں۔

حکایت منقول ہے کہ شیر، لومڑی، بھیڑیا شکار کو نکلے۔ انھوں نے ایک وحشی گدھا، ہرن اور خرگوش شکار کیا۔ شیر نے بھیڑیے سے فرمایا کہ اسے تقسیم کرو۔ بھیڑیے نے کہا کہ حمار وحشی آپ کے لیے اور ہرن میرے لیے اور خرگوش لومڑی کے لیے۔ شیر کو غصّہ آیا اس نے بھیڑیے کو ایک تھپڑ رسید کیا جس سے وہ زخمی ہو گیا۔ اس کے بعد شیر نے لومڑی سے تقسیم کے لیے کہا تو لومڑی نے کہا کہ آپ حمار صبح کو کھائیں، ہرن شام کو اور خرگوش درمیان میں۔ شیر نے لومڑی سے پوچھا تُو نے یہ ترکیب کہاں سے حاصل کی؟ لومڑی نے کہا بھیڑیے کو جو تھپڑ رسید ہُوا اس سے میں نے سمجھا۔

ف: نصیحت سے ہی قلوب نرم پڑتے ہیں اور خشک آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور یہ تاثیر تلاوتِ قرآن مجید میں بہت زیادہ ہے بشرطیکہ اسے حضورِ قلبی سے پڑھا جائے۔

حدیث شریف میں ہے:

ان ھذہ القلوب لتصدأ کما یصدأ الحدید۔

(قلوب زنگ آلود ہو جاتے ہیں جیسے لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے)

آپ سے پوچھا گیا کہ ان کا زنگ کیسا اترتا ہے؟

(باقی ص ۲۲۶ پر)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ
اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّ
لَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ
لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۙ ○ فِىْ
بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۙ
رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ
الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۙ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ
اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ
لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ○ اَوْ
كَظُلُمٰتٍ فِىْ بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ
اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ○ ع

ترجمہ: اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے اس کے نور کی مثال ایک طاق جیسی ہے جس میں چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے وہ فانوس گویا ستارہ ہے موتی کی طرح چمکتا ہوا روشن ہوتا ہے مبارک درخت زیتون سے جو مشرقی ہے نہ غربی، قریب ہے کہ اس کا تیل چمک اُٹھے اگرچہ اسے آگ نہ چھوئے نورٌ علیٰ نور ہے اللہ تعالیٰ اپنے نور کا راستہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو خوب جانتا ہے جن گھروں میں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ وہ بلند قدر ہوں اور ان میں اس کا نام مذکور ہو ان میں صبح اور شام اس کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ لوگ جنہیں کوئی تجارت سودا اور خرید و فروخت اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتا اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ جائیں گی تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ ان کے سب سے بہتر اعمال کی جزا عطا فرمائے اور اپنے فضل سے انہیں زیادہ انعام دے اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے بے حساب رزق عطا فرمائے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے کسی چٹیل میدان کی دھوپ میں چمکتا رہتا کہ اسے پیاسا پانی سمجھتا ہے، یہاں تک کہ جب وہ اس کے قریب آتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا اور اللہ تعالیٰ کو اپنے قریب پایا

تو اس نے اس کا حساب برابر چکا دیا اور اللہ تعالیٰ جلد حساب کر لیتا ہے یا جیسے گہرے دریا میں اندھیریاں کہ جسے اوپر جسے لہر ڈھانپ لے اس لہر کے اوپر دوسری لہر اس کے اوپر بادل ہو اوپر تلے اندھیریاں ہیں جب اپنا ہاتھ نکالے تو سجھائی دیتا معلوم نہ ہو جسے اللہ تعالیٰ نور نہ دے تو اس کے لیے کہیں نور نہیں۔

(ص ۲۲۴ سے آگے)

آپ نے فرمایا:

تلاوۃ القرآن و ذکر اللہ تعالیٰ۔

(تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی سے)

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ قرآن کو غور سے سُن کر اس سے نصیحت حاصل کرے اور اس کے اوامر و نواہی کو تہِ دل سے قبول کر کے ان پر عمل کرے تاکہ اس پر ان کے ظواہر و بواطن کے اثرات ہوں ؎

مہتری در قبول فرمانست

ترک فرمان دلیل حرمانست

ترجمہ: سرداری فرمانِ الٰہی کو قبول کرنے میں ہے فرمان کا ترک محرومی کی علامت ہے۔

(تفسیر آیاتِ ص ۲۲۵)

تفسیر عالمانہ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ امام غزالی قدس سرہٗ نے نور کی تعریف اسم نور کی شرح میں یُوں لکھی:

ھو الظاھر الذی بہ کل ظھور۔

(نور وُہ ہے جس سے ہر شے کا ظہور ہو)

وہ اس لیے کہ ظاہر وہ ہوتا ہے جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے (ہم اہلسنت حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لیے نور مانتے ہیں کہ آپ کی وجہ سے کل کائنات ظاہر ہُوئی یہاں تک کہ کُن کا ظہور بھی ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرہونِ منت ہے) وجود عدم کا بالمقابل ہے اور ظاہر ہے کہ ظہور وجود کا ہوتا ہے نہ کہ عدم کا اور عدم سے تو اور کوئی شے تاریک تر نہیں ہے اور جو شے عدم کی ظلمات سے کوسوں دُور ہو اس کے لائق ہے کہ اسے نور سے تعبیر کیا جائے اور نور ایسا وجود ہے جو کل کائنات کو

فیض پہنچاتا ہے۔ اور یہ ذاتِ الٰہی کا نور ہے۔ اسے نور السمٰوٰت والارض کہا گیا ہے جیسے سورج کے نور کا ذرّہ ذرّہ سورج کی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ ایسے ہی کل کائنات کا ذرّہ ذرّہ واجب الوجود کے وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اسی تقریر کی تائید تاویلاتِ نجمیہ سے بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ لکھا :

اللہ نور السمٰوٰت والارض۔

اللہ تعالیٰ وُہ ہے جو آسمانوں اور زمینوں کو عدم سے وجود میں ظاہر فرماتا ہے۔ ویسے بھی نور لغت میں ضیاء (روشنی) کو کہا جاتا ہے اور روشنی وہ ہے جو اشیاء کو آنکھوں کے لیے ظاہر کرے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نور میں تشبیہ و استعارہ ہے کہ جیسے نور اشیاء کو ظاہر کرتا ہے ایسے ہی ذاتِ حق اشیاء کو عدم کو وجود سے ظاہر کرتی ہے یعنی عدم سے وجود میں لاتی ہے کیونکہ ظہور عدم کو وجود میں لانے کو کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جملہ اعیان ثابتہ ظلمتِ عدم میں علمِ الٰہی میں مخفی تھیں پھر وہ قدرتِ الٰہی کی تاثیر سے ظاہر ہوئیں۔ کما فی حواشی ابن الشیخ

علّامہ اسمٰعیل حقی کی تحقیق

فقیر (حقی علیہ الرحمۃ) کہتا ہے کہ یہاں پر تشبیہ و استعارہ کی ضرورت ہی کیا ہے جبکہ نور اسمائے الٰہیہ سے ہے اور یہ اسم اللہ تعالیٰ کے لیے حقیقی معنیٰ میں مستعمل ہے نہ کہ مجازی معنیٰ میں۔ یعنی نور بمعنے منوّر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جملہ ماہیات معدومہ کو انوار وجود سے ظاہر فرمایا جبکہ اس نے تمام اشیاء کو کتمِ عدم سے اپنے فیض جود سے منور فرمایا۔

حدیث شریف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان اللہ خلق الخلق فی ظلمۃ ثم رش علیھم من نورہٖ۔

(اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت میں پیدا فرما کر پھر اس پر اپنے نور کا چھینٹا مارا)

ف : حدیث شریف میں خلق بمعنے تقدیر ہے اس لیے کہ تقدیر الٰہی تخلیق و ایجاد سے پہلے ہے۔ اور رش النور (نور کا چھینٹا مارنا) سے افاضۃ الوجود علی الممکنات مراد ہے اور ممکن کو ظلمت سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس لیے کہ ممکن وجود سے منور ہوتا ہے اور تنویر بمعنے ایجاد ہے۔

اقسامِ نور

نور چار قسم ہے :

(۱) وہ جس سے آنکھوں کو اشیاء ظاہر ہوں لیکن وہ خود دیکھنے والا نہیں، جیسے سورج وغیرہ کا نور کہ جس سے پوشیدہ اشیاء ظاہر ہوتی ہیں۔

(۲) آنکھ کا نور کہ جس سے اشیاء کو آنکھیں دیکھتی ہیں یہ پہلے نور سے اشرف ہے۔

(۳) عقل کا نور، یہ اشیاء معقولہ مخفیہ کو آنکھوں کے لیے ظاہر کرتا ہے۔

(۴) نور الحق، یہ اشیاءِ معدومہ مخفیہ کو ظاہر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم میں شے کے وجود و عدم کا کوئی

فرق نہیں، وجود و عدم کا فرق مخلوق کے لیے ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ ازلیہ سے اشیاء کو عدم سے وجود میں لاتا ہے ۔؎

در ظلمت عدم ہمہ بودیم بے خبر

نور وجود سر شہود از تو یافتیم

ترجمہ : ہم سب ظلمتِ عدم میں بے خبر پڑے تھے نور وجود سے ہمیں شہود نصیب ہُوا۔

ف : بعض مشایخ نے فرمایا کہ زمانۂ عدم میں کسی ساکن کو متحرک کی خبر نہ تھی اور نہ ہی اسے اونچا نیچا معلوم تھا اور نہ ہی اسے قبیح و صبیح معلوم تھا جب نور نمودار ہُوا تو ظلام عدم نے شکست کھائی اور وجودات و کیفیات ظاہر ہوئیں، پھر معلوم ہُوا کہ صاف و شفاف شے کون سی ہے اور میلی کچیلی کون سی ۔ اس ظہور کے بعد ہم واضح ہُوا کہ عرض کیا ہے اور جوہر کیا ۔ اور ہر ذی شعور کو معلوم ہے کہ یہ معلومات نور سے حاصل ہوتے ہیں لیکن نور کے ادراک سے تاحال متحیر ہے حالانکہ تمام عالم نور سے منوّر ہے لیکن خود مخفی ہے اور ظاہر تو ہے لیکن بالذات چھپا ہے ۔ یہی کیفیت ذاتِ حق کی سمجھیے کہ ہم نے اسے جانا تو سہی لیکن تاحال اس کی کنہ کے ادراک سے ہم سب بے خبر ہیں ۔ اسی معنے پر اسے نور کہنا زیادہ مناسب ہے ۔؎

ہمہ عالم بنورِ اوست پیدا

کجا او گردد از عالم ہویدا

ترجمہ : تمام عالم اسی کے نور سے ظاہر ہے لیکن وہ خود ظاہر کہاں !

زہے نادان کہ او خورشید تاباں

بنور شمع جوید در بیاباں

ترجمہ : اس سے بڑھ کر نادان اور کون ہو سکتا ہے کہ جس کے سامنے سورج چمک رہا ہے لیکن وہ جنگل میں شمع کا متلاشی ہے ۔

ف : تبیان میں ہے کہ نور بمعنے مدلول ہے یعنی آسمان و زمین کی ہر شے اس کی ذات پر دلالت کرتی ہے یعنی جسے دیکھو وہی اس کی قدرت کی دلیل اور اس کی حکمت کی نشانی ہے وہ آسمان کی اشیاء ہوں یا زمین کی۔

؎

ففی کل شئ لہ اٰیۃ

تدل علی انہ واحد

ترجمہ : ہر شے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے ۔

ع وجود جملہ اشیاءَ دلیل قدرتِ او

ترجمہ : ہر شے کا وجود اس کی قدرت کی دلیل ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نور بمعنے ہادی ہے اس لیے کہ جملہ عالم اللہ تعالیٰ کے نور سے ہدایت پاتا ہے بلکہ حیرۃ ضلالت سے اس کی ہدایت سے ہر ایک نجات پاتا ہے بلکہ یُوں کہو کہ ہر ایک نے اس کی ہدایت سے ہستی پائی اور اسی کے ارشاد سے دین و دنیا کی مصلحتیں سمجھیں چونکہ تمام لوگ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نورِ ہدایت پاتے ہیں اسی لیے اسے نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لیے عرب کی عادت ہے کہ جو شے کسی دوسری شے سے حاصل ہو تو اس دوسری شے والے نام سے پہلی شے کو موسوم کرتے ہیں، جیسے بارش بادل سے ہوتی ہے تو کبھی بارش کو بادل کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ چونکہ نورِ ایمان و ہدایت اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام نور رکھا۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ نور کو ہدایت اور ہدایت کو نور کہا جائے اس لیے کہ یہ ایک دوسرے سے حاصل ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

وبالنجم هم يهتدون۔

چونکہ لوگ ستاروں سے ہدایت پاتے ہیں اسی لیے ستارے کو ہادی کہا گیا ہے اور لوگوں کو ہدایت یافتہ کہا گیا ہے اس لیے کہ انہوں نے ستاروں سے راہ پائی۔ اس معنے پر قرآن و توراۃ کو بھی نور کہا گیا ہے اس لیے کہ انہی سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ کما فی الاسئلۃ المقحمۃ۔

ف : اس تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ ہدایت کو نور سے تشبیہ دی گئی ہے اس لیے کہ ہدایت وصول الی المطلوب کا سبب ہے اسی لیے بطور استعارہ ہدایت کو نور کہا گیا ہے اور نور کا اللہ تعالیٰ پر اطلاق رجل عدل کے قبیل سے ہے۔

نُور بمعنے علم حضرت شیخ الشہیر بافتادہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ کشف کے طور میرے دل میں کھٹکا ہے کہ آیت میں نور بمعنے علو ہے اور رجل عدل کی طرح علم بمعنے عالم ہے اور وجہ مناسبت یہ ہے کہ جس طرح علم سے معقولات بلکہ جملہ امور منکشف ہوتے ہیں ایسے ہی نور سے جملہ محسوسات منکشف ہوتے ہیں۔ کذا فی الواقعات المحمودیہ۔

نُور بمعنے منوّر بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں پہ نور بمعنے منوّر ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو سورج و چاند اور ستاروں سے اور زمین کو انبیاء و اولیاءؒ، علما اور اپنے دیگر نیک بندوں سے منور فرمایا ہے۔

تفسیر صوفیانہ عرائس البیان میں ہے کہ آیت میں السمٰوٰت والارض میں انسانوں کی صورت مراد لی گئی ہے۔ اس لیے انسان کا سر السمٰوٰت اور اس کا بدن زمین ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس زمین آسمان کو یوں منور فرمایا کہ سر کو سمع بصر، سونگھنے، چکھنے اور زبان میں بیان کا نور بخشا۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کی آنکھ کا نور سورج اور چاند کے نور کی طرح ہے اور کان میں زہرہ و مشتری کے نور کی طرح اور مریخ و زحل کے نور کی طرح اور زبان کا نور عطارد کے نور کی طرح ہے۔ اور یہ سات بروج انسان کے سر میں سرایت کرتے ہیں ایسے ہی بدن کی زمین کو جوارح و اعضاء و عضلات اور لحم و دم و شعرات سے سنگارا اور اس زمین بدن کے پہاڑ اس کی ہڈیاں ہیں۔

ف : امام زاہد نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو نور تو کہہ سکتے ہیں لیکن اسے روشنی کہنا ناجائز ہے اس لیے کہ روشنی تاریکی کی نقیض ہے اور اللہ تعالیٰ ان دونوں نقیضوں کا خالق ہے۔ ہاں وہ نور جو ظلمت کی نقیض ہے وہ حادث ہے اس لیے کہ جو شے کسی حادث کی نقیض ہو وہ بھی حادث ہے۔

اب آیت کا معنیٰ یوں کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ اس نور کا خالق ہے جو ظلمت کا بالمقابل ہے۔

نکتہ : اگرچہ اللہ تعالیٰ کا نور کسی اضافت کا محتاج نہیں لیکن اسے السمٰوٰت والارض کی طرف اضافت کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ اشیاء کو منور کرنے میں بہت بڑی قدرت رکھتا ہے جیسا کہ اس نے آسمانوں اور زمینوں کو منور فرمایا۔ اور قرآن کا قاعدہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی وسعت کا ذکر فرماتا ہے تو آسمان و زمین کا نام لے کر۔ چنانچہ دوسرے مقام پر جنت کی وسعت میں فرمایا :

وجنة عرضها السمٰوٰت والارض۔

ف : السمٰوٰت والارض سے جملہ عالم مراد لیا جائے۔ جیسا کہ مہاجرین و انصار کا نام لے کر جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد لیے جاتے ہیں۔ کذا فی حواشی سعدی المفتی۔

حدیث قدسی : اس کی نظیر حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا :

لولاك لما خلقت الافلاك۔

(اے محبوب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک (یعنی جملہ عالم) کو پیدا نہ فرماتا)

اور حدیث شریف میں صرف افلاک کا ذکر ان کی عظمت کی وجہ سے ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ مخلوق صرف انھیں کو محسوس کرتی ہے۔ (یہی تقریر موزوں تر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال)

تفسیر عالمانہ مَثَلُ نُوْرِہٖ یعنی اللہ تعالیٰ کا وُہ نور جو جملہ اشیاء کو فیض بخش رہا ہے اور جس سے جملہ عالم مستنیر ہے اور اس سے قرآن مجید مراد ہے۔ (کما فی الارشاد)

اور یہ تمثیل مشکوٰۃ کے ساتھ اس کے جلاٗ اور ہدایت کے ساتھ ہے جو قرآن مجید میں ہے۔ اور مثل سے صفۃ عجیبہ مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے نور عجیب کی صفت یہ ہے اور مثل نورہ کی اللہ تعالیٰ کی طرف اضافۃ میں اشارہ ہے کہ نور اپنے حقیقی معنیٰ میں نہیں ہے۔ کما فی انوار التنزیل۔

کَمِشْکٰوۃٍ مثل اس دریچہ کے جو دیوار میں ہو، جس کی باہر سے کوئی راہ نہ ہو۔ یہ لغت حبشیہ ہے۔

فِیْهَا مِصْبَاحٌ ط اس میں بہت بڑا چراغ ہے جو بہت زیادہ روشن ہے۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ اور وُہ چراغ شیشے میں ہو۔

حل لغات: الزجاجۃ، الزجاج سے ہے بمعنے صاف اور رونق والا۔ چراغ جب شیشے اور پھر کسی دریچے میں رکھا جائے تو بہت زیادہ روشنی دیتا ہے، اس لیے کہ مکان جتنا تنگ ہوتا ہے چراغ اس میں اتنی ہی زیادہ روشنی پھیلاتا ہے بخلاف فراخ مکان کے کہ اس میں اتنی زیادہ روشنی نہیں ہوتی اس لیے کہ چراغ کی روشنی مکان کی مکانیت میں تقسیم ہوتی ہے۔ اور زجاجہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ وہ دیگر جواہرات کی بہ نسبت زیادہ صاف و شفاف ہوتا۔

اَلزُّجَاجَۃُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ۔ دری بمعنے روشن موتی۔ یعنی وہ شیشہ اپنی صفائی میں ایسے ہے کہ گویا وہ چمکدار ستارہ ہے۔ اس سے زہرہ، مشتری، مریخ مراد ہے۔ اور درادی ان کا لقب ہے کہ عظمت اور رونق اور روشنی میں یہی ستارے دوسروں سے بڑھ کر ہیں۔ اور یہ جملہ محلاً مرفوع ہے اس لیے کہ الزجاجۃ کی صفت ہے یا الف لام زائد ہے۔ اسی لیے ایسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ گویا یُوں فرمایا گیا ہے:

فیها مصباح هو فی زجاجۃ هی كانها كوكب دری۔

نکتہ: المصباح و الزجاجۃ کو پہلے نکرہ پھر معرفہ لانے میں ان کی تفخیم شان مطلوب ہے کہ قاعدہ ہے کہ جسے اجمال کے بعد تفسیر سے ذکر کیا جائے وہ شئے معظم بالشان سمجھی جاتی ہے۔

یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ یعنی جس چراغ کو روشن کرنے کی زیتون کے درخت سے ابتدا کی جائے،

مُّبٰرَكَۃٍ برکت والا، یعنی کثیر المنافع ہے اس لیے کہ جس زیتون سے چراغ جلایا جاتا ہے وہ سالن کا کام بھی دیتا ہے، اس کا تیل بہترین ہوتا ہے، چمڑے کو مل دیا جائے تو اسے مضبوط کرتا ہے اور اس کی لکڑی کو جلا کر اس کی راکھ سے ابریشم کو دھویا جاتا ہے۔ اس کا تیل آسانی سے نکلتا ہے یہاں تک کہ

اسے کولہو میں ڈالنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اور پھر اس سے چراغ جلایا جاتا ہے تو روشنی تیز ہونے کے باوجود اس سے دُھواں نہیں نکلتا۔ اس کی مالش سے پھنسی پھوڑوں سے شفا مل جاتی ہے۔ زَيْتُونَةٍ یہ مبارکۃ سے بدل ہے۔ اور یہ وہ بابرکت درخت ہے جس کے لیے ستر انبیاء علیہم السلام نے دعا فرمائی منجملہ ان کے ابراہیم علیہ السلام بھی ہیں انہی حضرات کی دُعا سے اس میں بہت زیادہ فوائد مضمر ہیں اور اس کی تخصیص بھی اسی لیے ہے کہ اس کی روشنی بہ نسبت دوسرے درختوں کے تیل کے روشن و صاف تر ہوتی ہے۔

ف: انسان العیون میں ہے کہ زیتون کا درخت تین ہزار سال تک باقی رہ سکتا ہے۔

لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ یعنی نہ یہ شرقی ہے کہ صرف بوقتِ طلوع اس پر سورج کی دھوپ پڑتی ہے اور نہ غربی ہے کہ صرف غروب کے وقت اس پر دھوپ پڑتی ہو۔ بلکہ یہ ایسا ہے کہ کسی وقت بھی اس پر سورج کی دھوپ کا اثر نہیں پڑتا جیسے کوئی شے پہاڑ کی غار میں یا جنگل کی اوٹ میں ہو۔ ایسے درخت کے میوے خوب پکتے ہیں اور اس کا تیل صاف و شفاف ہوتا ہے۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سورج کے طلوع ہونے کے مقام پر نہیں کہ جسے دھوپ کی گرمی جلا دے اور نہ ہی ایسے مقام پر واقع ہے جہاں سورج کی گرمی کا اثر بھی نہ پڑتا ہو۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ مشرق کے ایسے مقامات پر ہے جیسے کنذز اور دیار چین و خطا، اور نہ مغرب کے ایسے مقامات پہ ہے جیسے طنجہ و طرابلس اور دیار قیروان، بلکہ وہ ان کے درمیان کے ممالک میں پیدا ہوتا ہے جیسے علاقۂ شام۔ اس لیے کہ اس ملک کا زیتون اچھا ہوتا ہے۔ مشرق و مغرب کے درمیان خطِ استواء پر واقع ہے جسے قبۃ الارض سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے کہ یہاں پر نہ مشرق ہے نہ مغرب اور نہ ہی وہاں سورج کی گرمی کا اثر پڑتا ہے نہ سردی کا۔ بعض علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ یہ جملہ زمین آباد و غیر آباد کے وسط میں واقع ہے اسی لیے اسے قبۃ الارض کہا جاتا ہے اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں ہمیشہ موسم معتدل رہتا ہے اور رات اور دن کے اوقات برابر ہوتے ہیں یعنی اس کا دن بھی بارہ گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات بھی بارہ گھنٹے کی۔ حضرت حسن بصری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس درخت کی اصل بہشتی ہے اور چونکہ یہ درخت اس عالمِ دنیا کا نہیں ہے اس لیے تو یہ شرقی ہے نہ غربی يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ قریب ہے کہ اس کا تیل روشنی دے وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ اگرچہ اسے آگ نہ پہنچے۔ یعنی وہ ایسا چمکتا ہے کہ اسے آگ لگانے کی ضرورت ہی نہیں۔ یعنی نور پھیلانے اور صفائی میں کسی شے کا محتاج نہیں اسے آگ لگائی جائے تب بھی روشن، نہ لگائی جائے تب بھی۔ وہ ہر حالت میں روشن اور صاف ہے روشنی کے لیے اس کی شرط پائی جائے یا نہ۔ اس معنے پر یہ جملہ حالیہ ہے تاکہ اس کے جملہ اوقات کے متعلق معلومات حاصل ہوں نُوْرٌ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ در اصل ذٰلک النور الخ تھا۔ یعنی

وہ نور جسے قرآن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کی مثال صفت عجیبۃ الشان سے بیان کی گئی ہے۔ یعنی وہ نور ایسا ہے جو ہونے والا ہے عَلٰی نُوْرٍ۔ نور پر یعنی دُہرا نور ہے اس لیے کہ چراغ کے نور میں زیتون کے تیل کی صفائی اور قندیل کی رونق اور ضبط مشکوٰۃ کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہے اس سے دو نور مراد نہیں بلکہ اس سے کثرت مطلوب ہے جیسے کہا جاتا ہے :

فلاں یضع درھمًا علی درھم۔

اس سے صرف دو درہم مراد نہیں ہوتے۔ بلکہ اس سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ بہت زیادہ دراہم رکھتا ہے۔ یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ اپنی ہدایت خاص جو موصل الی المطلوب ہو کی طرف اسی نور کی وجہ سے رہبری فرماتا ہے مَنْ یَّشَآءُ جس کے لیے چاہتا ہے۔ یعنی اپنے بندوں میں جس کے لیے چاہتا ہے یعنی اسے توفیق بخشتا ہے اس کے دلائل و براہین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔ اور اس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنا معجزہ اور غیبی خبریں دینا وغیرہ موجباتِ ایمان سے ہے اور یہی ہدایت خاصہ کے قبیل سے ہے اسی لیے من یشاء فرمایا اس لیے کہ اس ہدایت کا دارومدار مشیتِ ایزدی پر ہے اگرچہ بظاہر اس کے اسباب نہ ہوں تب بھی اس کے مخصوص بندے اپنے مطالب میں کامیاب ہو جاتے ہیں ؎

قرب تو باسباب و علل نتواں یافت
بے سابقۂ فضل ازل نتواں یافت

ترجمہ : تیرا قرب اسباب و علل کے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا، ہاں جب تک اسے فضل ازل کی تائید نہ ہو۔

وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ مثالوں سے بیان ان کے افہام کے قریب تر ہو اور ادراک کے راستے ان کے لیے آسان ہوں یعنی اللہ تعالیٰ معقولات کو محسوسات کے رنگ میں بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ اسے آسانی سے سمجھ کر اپنے مقصود کو حاصل کر سکیں، اور یہ ہدایت عامہ کے قبیل سے ہے اس لیے یہاں للناس فرمایا (اور وہاں من یشاء) وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ ضرب الامثال و دقائق المعقولات والمحسوسات وحقائق الجلیات والخفیات کو خوب جانتا ہے۔

تفاسیر آیت ہذا (۱) علماء کرام نے فرمایا کہ یہاں پر یہ مثال قرآن مجید کے لیے دی گئی ہے اس لیے کہ مصباح سے قرآن مجید اور زجاجہ سے قلبِ مومن اور مشکوٰۃ سے اس کا منہ اور زبان اور شجرہ مبارکہ سے شجرۃ الوحی مراد ہے اس لیے کہ یہ نہ مخلوقہ ہے اور نہ من گھڑت۔ اور اس کے دلائل و براہین ایسے ہیں کہ اگر ناخواندہ انسان سنے تب بھی اس کے دلائل و براہین واضح ہیں۔ پھر جب

وہ دلائل و براہین سمجھنے کے بعد اس کی تلاوت کرے گا تو وہ اس کے لیے نورٌ علیٰ نور ثابت ہوگا۔

سوال :اسے نورِ چراغ سے کیوں تشبیہ دی گئی ہے حالانکہ سورج سے تشبیہ دینی چاہیے تھی اس لیے کہ سورج کا نور چراغ کے نور سے بلیغ تر ہے۔

جواب :اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کا ارادہ ہُوا کہ اسے ایسی ضوٗ کامل سے بیان فرمائے کہ ظلمات کے وسط میں چمکے اور ظاہر ہے کہ عوام کے اوہام ظلمات کی طرح ہوتے ہیں تو پھر قرآن مجید ان کے وسط میں چمک کر ہدایت الٰہی حاصل کر لیتے ہیں اور یہ سورج سے تشبیہ دینے سے حاصل نہیں ہوتا اس لیے کہ جب سورج چمکتا ہے تو جملہ عالم کو نور سے بھر دیتا ہے اور جب وُہ چلا جاتا ہے تو جملہ عالم تاریکی میں ڈوب جاتا ہے۔ اس معنے پر اسے مثال میں بیان کرنا مناسب نہ ہُوا۔

(۲) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے نورِ ایمان مراد ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کے سینہ کو مشکوٰۃ سے اور دل کو قندیل سے جو مشکوٰۃ میں ہو سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی ایمان کا چراغ قندیل میں روشن ہے اور قندیل کو چمکدار ستارے سے اور کلمۂ اخلاص کو شجرۂ مبارکہ سے تشبیہ دی ہے۔ یعنی وہ شجرۂ مبارکہ یعنی کلمۂ اخلاص جو خوف کے آفتاب کی تاب اور رجاٗ کے زوال سے بہرہ ور ہے۔ اور وہ کلمہ اگرچہ مومن کی زبان پر جاری نہ بھی ہو تب بھی وُہ عالم کو منور کرتا ہے۔ جب ایسا کلمہ زبان پر جاری ہوتا ہے پھر تصدیق قلبی اس کی تائید کرتی ہے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے۔

ف : جواہر دیگر کو چھوڑ کر صرف زجاجہ سے تشبیہ اس لیے دی گئی ہے کہ شیشہ میں روشنی اتنی صاف ہوتی ہے کہ اس کے ظاہر و باطن میں دونوں طرح روشنی صاف نمودار ہوتی ہے۔ ایسے ہی مومن کے ایمان کے نور کا حال ہے کہ وہ قلب سے متجاوز ہو کر تمام بدن میں سرایت کر جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ جیسے شیشہ بہت جلد ٹوٹتا ہے کہ اسے معمولی سی ٹھوکر بھی توڑ دیتی ہے ایسے ہی مومن کا قلب بھی معمولی سی خرابی سے فاسد ہو جاتا ہے۔

(۳) بعض عارفین نے فرمایا کہ اس سے اسرارِ الٰہی کی معرفت مراد ہے یعنی چراغِ معرفت عارف کے زجاجۂ دل اور اس کے سینۂ مشکوٰۃ میں روشن ہے۔ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلقین مبارک کے زیتونی تیل کی وجہ سے وہ نہ شرقی ہے نہ غربی بلکہ وہ مکّی ہے اور مکّہ مکرمہ جملہ عالمِ دنیا کی ناف ہے۔ اور جب عارف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسرارِ معرفت حاصل کرتا ہے تو وہ نورٌ علیٰ نور ہو جاتا ہے۔

ف : معرفت الٰہی کو مصباح سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ جیسے مصباح بہت جلد بجھ جاتا ہے اور پھر مومن کے قلب کو زجاجہ سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ جلد ٹوٹتا ہے اور مصباح کو سورج سے تشبیہ نہیں دی گئی جب کہ اس کی روشنی بجھتی نہیں، اور قلبِ مومن کو سخت ترین اشیاء سے تشبیہ نہیں دی گئی جبکہ وہ ٹوٹتی نہیں تاکہ تنبیہ ہو کہ معرفت و قلب پر خطر ہیں کہ ان کے نقصان سے ہر وقت آگاہ رہنا ضروری ہے۔ کذا فی التیسیر۔

(۴) شانِ مصطفیٰ کی تفسیر روح الارواح میں ہے کہ مثل نورہٖ سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نورِ اقدس مراد ہے جو کہ آدم علیہ السلام کے مشکوٰۃ اور نوح علیہ السلام کے زجاجہ ابراہیم علیہ السلام کے زیتون سے روشن تھے آپ نہ یہودی تھے جو غربی جانب کو قبلہ مانتے ہیں اور نہ نصرانی جو مشرق کو قبلہ سمجھتے ہیں۔

(۵) مصباح سے مراد حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور مشکوٰۃ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام مراد ہیں اور آپ کی زجاجہ دل صافی طاہر اور آپ کی مصباح علم کامل اور آپ کا شجرۂ خلق شامل کہ وہ نہ جانب خلود افراط میں ہے نہ طرف تقصیر و تفریط میں، بلکہ وہ حدِ اعتدال میں ہے۔ خیر الامور اوسطھا آپ کے لیے واقع ہے اور آپ کی ذات ہی صراطِ مستقیم ہے۔ اور عین المعانی میں ہے کہ نورِ محبت حبیب نورِ خلت خلیل سے مل کر نورٌ علیٰ نور ہے۔

پدر نور پسر نور یست مشہور
ازینجا فہم کن نورٌ علیٰ نور

ترجمہ : باپ بیٹا دونوں مشہور نور ہیں یہاں سے ہی نورٌ علیٰ نور کا معنیٰ سمجھ لیجئے۔

ف : امام قشیری نے فرمایا کہ نورٌ علیٰ نور میں پہلے نور سے وہ نور مراد ہے جو بندگانِ خدا اپنی جد و جہد اور نظر و استدلال سے حاصل کرتے ہیں۔ اور دوسرے نور سے وہ نور مراد ہے جو بندگانِ خدا بفضلِ خدا اپنے افعال و اقوال سے پاتے ہیں والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے لیے اپنی ذات و صفات کی تعریف کی مثال بیان فرمائی ہے اس لیے کہ عوام و خواص کا فہم خطاب میں معرفت کے لیے اپنا اپنا مقام اور حسن استعداد ہے۔ عوام تو اس کی معرفت شواہد حق اور اس کے آیات میں دیکھتے ہیں اسی لیے اپنی معرفت ان کے نفوس میں دکھاتا ہے جبکہ ان میں اپنی ذات و صفات کے ساتھ متجلی ہوتا ہے دونوں گروہوں کے بارے میں فرمایا :

سنریھم آیاتنا فی الآفاق۔

یہ عوام کے لیے ہے۔ وفی انفسهم یہ خواص کے لیے ہے۔ یہاں تک کہ انھیں واضح ہو جاتا ہے کہ یقیناً یہی حق ہے۔ پھر ہر گروہ اپنے مقام کے مطابق معرفتِ الٰہی سے حظ اٹھاتا ہے۔ عوام کا معرفت سے حظ اٹھانے کا معنیٰ یہ ہے کہ انھیں خطاب کے معنے کا فہم و نظر عطا فرماتا ہے تاکہ وہ آسمان و زمین کی تخلیق میں غور و فکر کریں، ان کی ظاہری صورت یعنی ان کے اجسام بمنزلہ مشکوٰۃ کے ہیں اور ان میں زجاجہ عرشِ الٰہی ہے اور مصباح اس کے وہ قندیل ہیں جن میں روشنی کے آلات ہیں وہ بمنزلہ کرسی کے ہیں اور زجاجہ عرش، گویا وہ چمکدار ستارہ ہے جس کی روشنی شجرہ مبارکہ سے حاصل کی گئی ہے اور شجرۂ ملکوت ہے اور یہی آسمان و زمین کا باطن و معنیٰ ہے وہ نہ شرقی ہے یعنی وہ شرقِ ازل سے نہیں جیسے ذات و صفاتِ باری تعالیٰ۔ اور نہ وہ غربی ہے یعنی وہ غربِ فنا و عدم سے نہیں جیسے عالمِ اجسام اور صورۃ عالم، وہ اگرچہ مخلوق ہے لیکن اس پر فنا نہیں **یکاد زیتها** اس زیت سے عالمِ ارواح مراد ہے **یضیٔ** جو کہ عدم سے عالمِ صور میں غیب و شہادت ازدواج سے طبعاً و خاصیۃً پیدا ہو کر ظاہر ہوتے ہیں **ولو تمسسه نار** اگرچہ اسے قدرت الٰہیہ کی نار بھی مس نہ کرے۔ **نورٌ علیٰ نور** صفت رحمانیہ کا نور عرش پر ہے پھر نور صفۃ رحمانیہ کا عرش سے منقسم ہو کر آسمانوں اور زمینوں میں پہنچتا ہے اس سے جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں متولدات ہیں قدرت الٰہیہ سے متولد ہوتے ہیں جیسا کہ اس کی حکمت کا تقاضا اور اس کا ارادہ قدیمہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان کل من فی السمٰوٰت والارض الا اٰتی الرحمٰن عبداً۔

اسے اچھی طرح سمجھ لو۔

خواص کا حظ مشاہدۂ انوار و ذات و صفاتِ الٰہی میں یہ ہے کہ انھیں اپنے نفوس کی سیر نصیب ہوتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے نفسِ انسان کو شہودِ ذات و صفات کا آئینہ بنایا ہے۔ جب یہ صفاتِ ذمیمہ و اخلاق ردیّہ کے زنگ سے صاف ہو اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے مصقلہ سے اسے پاک کیا جائے۔ مثلاً لا الٰہ سے جمیع ماسوی اللہ کے تعلقات ختم کر دیے جائیں اور الا اللہ سے نور جلال و جمالِ الٰہی ثابت کیا جائے تو پھر وہ اپنے جسم کو نورِ الٰہی سے مشکوٰۃ کی طرح اور قلب کو زجاجہ کی طرح اور سر کو مصباح کی طرح دیکھتا ہے اور وہ زجاجہ چمکدار ستارہ کی طرح چمکتا ہے جسے شجرۂ مبارکہ سے روشن کیا گیا ہو اور شجرہ سے شجرہ روحانیہ مراد ہے۔ وہ شجرہ نہ تو شرقی ہے یعنی نہ وہ قدیم ازلی ہے۔ اور نہ وہ فانی ہے [illegible] گم ہو جائے **یکاد زیتها** یہاں پر زیت سے رُوحِ انسانی مراد ہے **یضیٔ** جو کہ وہ نورِ عقل ہو [illegible] روح کی صفا [illegible] اس کی صفائی سے روشن ہوتا ہے۔ یعنی قریب ہے کہ وہ روح کا زیت نورِ عقل سے [illegible] حق حاصل کر لے **ولو تمسسه نار** اگرچہ اسے نورِ عظمت الٰہی کی نار مس بھی نہ کرے اس لیے کہ جلال و کبریائی حق کا ادراک

عقول سے نہیں ہوتا ہے کیونکہ عقل سے وُہ شے حاصل ہوتی ہے جس میں حدوث کی آلائش ہو۔ ہاں وہ نورِ عقل جو عدم سے خارج ہوا ہے اگر اس پر نورِ قدم کی تجلی نصیب ہو تو پھر وہ عظمت جلال و کبریائی حق کو حاصل کرلیتا ہے۔ کما قال تعالیٰ :

یھدی اللہ لنورہٖ من یشاء۔

یعنی نورِ قدم سے اس کا سِر (مخفی راز) چمکتا ہے جس کے لیے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔ پھر ایسے شخص کا زجاجۂ قلب و مشکوٰۃ جسد بھی چمک اٹھتا ہے ایسے شخص کے حواس کے دریچے سے شعاعیں نکلتی ہیں۔ جب اسے ایسی کیفیت نصیب ہوجاتی ہے تو پھر اس کی بشریت کی زمین میں ضیاء اور نورانیت ہی نورانیت ہوتی ہے کما قال :

واشرقت الارض بنور ربھا۔

ایسے خوش نصیب کو مقام کنت لہ سمعاً و بصراً نصیب ہوتا ہے۔

ف : اس میں اشارہ ہے نورِ عقل صرف انسان کو نصیب ہوتا ہے لیکن نورِ الٰہی ہدایتِ حق کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ یہ اس کا اپنا لطف و کرم ہے جسے چاہے عطا فرمائے۔ اس میں بندے کی سعی اور کسب کو دخل نہیں۔

ویضرب اللہ الامثال للناس اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے لیے ایامِ وصال کے عہد کی مثالیں بیان فرماتا ہے جو ازل الآزال میں بندوں کو نصیب ہُوئیں و اللہ بکل شیءٍ علیم اللہ تعالیٰ ہر شے کو حالات وجود اشیاء اور ان کے عدم کو خوب جانتا ہے۔ نہ اس کی ذات میں تغیر ہے نہ صفات میں۔

صدر الدین قونوی کی تقریرِ صوفیانہ حضرت الشیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ نورِ حقیقی کا ادراک ممکن ہے لیکن عین ذاتِ حق کا ادراک بالکل ناممکن ہے جبکہ وہ نسب و اضافات سے متجرد ہو۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ

"کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ؟"

تو آپ نے فرمایا :

"ہاں میں نے نورانی ذات کو دیکھا"

یعنی اس نورِ مجرد کو جس کا دیکھنا ناممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اسی نور کو اپنی کتاب میں بیان فرمایا جبکہ وہ مظاہر میں ظاہر ہُوا۔ کما قال :

اللہ نور السمٰوٰت والارض۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمثیل کے بعد فرمایا نورٌ علیٰ نور۔ اس میں ایک نور سے روشنی اور دوسرے سے نورِ مطلق اصلی مراد ہے۔ اسی لیے اس مضمون کو یوں مکمل فرمایا: یہدی اللہ لنورہ من یشاء۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس نور کے ذریعے نورِ مطلق کی طرف ہدایت بخشتا ہے جو مظاہر کے یقین میں آچکا ہے۔ یاد رہے کہ نورِ مطلق سے نورِ مطلق احدی مراد ہے۔ (کذا فی الفکوک)

دیگر شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہٗ نے اپنی تفسیر الفاتحہ میں لکھا کہ جملہ عالم بجمیع صور محسوس وحقائق غیبیہ معقولہ اس نورِ حق کی شعاع ہے۔ اس کی خبر اللہ تعالیٰ نے اللہ نور السمٰوٰت والارض میں دی ہے اس کے بعد اس نے اسے ان امثلہ وتفاصیل سے سمجھایا ہے جو وہ نورِ حق مظاہر کے تعین میں آیا ہے جیسا کہ مظاہر کی استعدادتھی ویسے ہی نورِ حق کا ظہور ہوا۔ چنانچہ آخر میں فرمایا: نورٌ علیٰ نور یہدی اللہ لنورہ من یشاء۔ اس میں نور کو اپنی طرف مضاف فرمایا جو غیریت کا مقتضیٰ ہے حالانکہ نور وہی عین ذات ہے۔ وہ اس لیے کہ اس نور کو عالم اسفلی سے نسبت ہے۔ اسی نور سے نورِ مطلق کی ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ جیسے مصباح، مشکوٰۃ، شجرہ ودیگر امثال سے نورِ مقید اور مراتب مظاہر کے تعینات میں آئے ہوئے نور کی رہبری حاصل ہوتی ہے۔ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اسی نور کی تعریف یوں ظاہر کرائی کہ وہ نور ہے اور اس کے حجابات بھی نور ہیں۔

صاحبِ رُوح البیان کے پیر و مرشد کی تقریر میرے شیخ اور پیر و مرشد قدس سرہٗ نے فرمایا: نورٌ علیٰ نور سے نورِ اول مراد ہے۔ یہی اسماء کے سماوات اور ارض اشیاء پر پھیلا ہُوا ہے اور نورِ ثانی سے نورِ حقیقی مراد ہے۔ یہ نور سمٰوٰت السماء وارض اشیاء سے مستغنی ہے۔ یاد رہے کہ نورِ اضافی نورِ حقیقی پر دلالت کرتا ہے۔ یوں سمجھو کہ اس نورِ اضافی سے ہی نورِ حقیقی کا ظہور ہے۔ اس کا ظاہر بھی نورِ اضافی ہے اور باطن نورِ مطلق۔

خلاصہ یہ کہ خود دال ہے اور خود مدلول۔ اسی لیے صوفیاءِ کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عرفان اللہ تعالیٰ سے ہی نصیب ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

فِیْ بُیُوْتٍ اس کا تعلق یسبح سے ہے جو اس کے بعد واقع ہے۔

حل لغات: المفردات میں ہے کہ بیت بمعنے انسان کے رات گزارنے کا مقام۔ پھر اس کا اطلاق ہونے لگا کہ جہاں بھی انسان وقت بسر کرے رات گزرے یا نہ۔ اس کی جمع ابیات اور بیوت آتی ہے لیکن لفظ بیوت صرف وقت بسر کرنے کے مقام کے ساتھ مخصوص ہے اور ابیات عام ہے۔ یہ اشعار کے معنے میں بھی مستعمل ہے۔ اور بیت عام ہے۔ اسے پتھر سے بنایا جائے یا مٹی سے۔ اون کا ہو یا بکری اور اونٹ وغیرہما کے بالوں سے۔ اسی مناسبت سے ابیات کو اشعار کہا جاتا ہے۔ اور جو بھی کسی جگہ میں ٹھہرے اسے بیت سے

تعبیر کریں گے۔ یہاں پر بیوت سے جملہ مساجد مراد ہیں۔ سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مساجد زمین میں اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں وہ آسمانوں میں ایسے چمکدار نظر آتی ہیں جیسے ہمارے لیے آسمان پر ستارے۔ اَذِنَ اللّٰہُ - اذن بمعنے کسی شے کی اجازت دینے کی خبر دینا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اجازت بخشی ہے اَنْ تُرْفَعَ یہ کہ اُونچا بنایا جائے یا ان کی تعظیم کی جائے یا انھیں رفیع القدر سمجھا جائے۔ امام راغب نے لکھا کہ رافع بمعنے ان اجسام میں استعمال ہوتا ہے جبکہ انہیں اونچا کیا جائے۔ کما قال تعالیٰ :

ورفعنا فوقکم الطور۔

اور کبھی تعمیرات کے لیے استعمال ہوتا ہے جبکہ اسے اونچا بنایا جائے۔ کما قال تعالیٰ :

واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت۔

اور کبھی ذکر میں استعمال ہوتا ہے جبکہ اس سے کسی کا چرچا کرنا مطلوب ہو۔ کما قال تعالیٰ :

ورفعنا لك ذکرك۔

کبھی مراتب میں استعمال ہوتا ہے جبکہ ان سے ان کی بزرگی اور شرافت کا اظہار مدِّنظر ہو۔ کما قال تعالیٰ :

ورفعنا بعضکم فوق بعض درجات۔

وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ اور ان میں اللہ کا نام لیا جائے۔ اسم سے وہ شے مراد ہے جس کا ذاتِ باری تعالیٰ یا اس کی صفات میں سے کسی صفت پر اطلاق کیا جائے یا باعتبار صفات سلبیہ کے، جیسے قدوس یا باعتبار صفات ثبوتیہ کے جیسے علیم یا باعتبار اس کے افعال میں سے کسی فعل کے، جیسے خالق۔

مسئلہ : بعض علماء کے نزدیک اسماءِ الٰہی توقیفیہ ہے۔

مسئلہ : ذکر کا اطلاق عام ہے توحید کا بیان ہو یا تلاوتِ قرآن یا مذاکرہ علوم شرعیہ یا اذان ہو یا اقامت وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ : مسجد شریف میں ذکر و نماز و دیگر نیک اشغال میں مشغول ہونا چاہیے اس میں دنیوی باتوں سے احتراز لازم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حدیث شریف فی المسجد یأکل الحسنات کما تأکل البھیمۃ الحشیش۔

(مسجد میں دنیوی باتیں نیکی کو ایسے کھا جاتی ہیں جیسے گھاس کو جانور کھا جاتا ہے)

یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا یہ بیوت کی تکریر و تاکید کے لیے ہے۔ اور چونکہ درمیان میں ایک غیر فاصل آ گیا ہے اس لیے اسے تذکیراً دوبارہ لانا ضروری تھا اور تنبیہ کی گئی ہے کہ بیوت کی تقدیم صرف اہتمام کے لیے ہے

قصر کے لیے نہیں، ورنہ یہ معنی ہوتا کہ ذکر الٰہی صرف بیوت میں ہو۔ حالانکہ یہ مطلب صحیح ہے۔

ف : تسبیح بمعنے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کرنا اس لیے یہ دراصل عبادت حق میں جلد تر اور تیزی سے ادائیگی کا نام تسبیح ہے۔ اور جو شخص پانی یا ہوا میں تیز چلے اس کے لیے لام کا صلہ لانا چاہیے اور کبھی لام نہیں بھی ہوتی۔ اور تسبیح عام ہے عبادت قولی میں ہو یا فعلی میں، اگر صرف دل میں عبادت کی نیت ہو تو بھی اسے تسبیح سے تعبیر کیا جا سکتا ہے لیکن یہاں پر فرضی نمازیں مراد ہیں جیسا کہ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ کے ارشادِ گرامی سے اوقات کی تعیین میں سے معلوم ہوتا ہے۔ غدو سے صبح کا وقت اور اٰصال سے شام کا وقت مراد ہے۔ اس معنے پر لفظ غدو سے صبح کی اور اٰصال سے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں مراد ہیں کیونکہ لفظ اصیل ان تمام کا جامع اور سب کو شامل ہے (کذا فی الکواشی وغیرہ) اور الغدو، غدا یغدو غدوا سے ہے یعنی دخل فی وقت الغدوۃ (فلاں صبح کے وقت میں داخل ہوا) اس سے صبح صادق سے طلوعِ شمس کے درمیانی وقت کا نام ہے اس لیے کہ فعل مصدر میں واقع نہیں ہوتا۔ اسی لیے ہم نے یہ معنیٰ مراد لیا ہے جیسا کہ اس کے بعد لفظ اٰصال دلالت کرتا ہے، اٰصال، اصیل کی جمع ہے بمعنے عشی یعنی وہ وقت جو زوالِ شمس سے لے کر صبح صادق سے پہلے کا ہے۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں مقامِ شہود میں مستغرق ہونے کی وجہ سے غافل نہیں کرتی۔ رجال، یسبح کا فاعل ہے۔

حلِ لغات : یہ عرب کے اس مقولہ سے ہے جو کہتے ہیں :

الهاہ عن کذا۔

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شئے کسی کو اپنے ارادہ سے غافل کرے۔

تِجَارَةٌ یہ تاجر کی صفت ہے یہ بیع وشراء پر بولا جاتا ہے۔ اور تاجر وہ ہے جو بیع وشراء کرے۔

المفردات میں ہے :

تجارۃ نفع کی طلب میں راس المال میں تصرف کرنے کو کہتے ہیں۔

اعجوبہ : عرب میں صرف ایک کلمہ ہے جس میں تا کے بعد جیم واقع ہو۔

ف : یہاں پر تجارۃ کی تخصیص اس لیے ہے کہ عرب میں یہی کاروبار مشغولیت کے لحاظ سے سب سے زیادہ ہے اور پھر بہ نسبت دوسرے امور کے ان کے ہاں یہی مشہور تر ہے۔ یعنی انھیں تجارت کا کوئی کام غفلت میں نہیں ڈالتا۔

وَّلَا بَيْعٌ ۔ بیع بمعنے مثمن دے کر ثمن لینا اور شراء بمعنے ثمن دے کر مثمن لینا یعنی انھیں بیوع کا کوئی ایک فرد بھی غافل نہیں کرتا اگرچہ انھیں اس سے بہت زیادہ منافع کے حصول کی امید ہو۔

ف : اگرچہ بیع تجارۃ میں شامل تھی۔ لیکن چونکہ یہ تجارت کے معاملات میں اہمیت رکھتی ہے اسی لیے اسے علیحدہ بیان فرمایا، اس لیے کہ شے کی بیع میں نفع کا حصول یقینی اور شراء کا ظنی۔ اس لیے خریدنے کے بعد یقین نہیں ہوتا کہ اس سے نفع حاصل ہوگا یا نہیں بخلاف بیع کے کہ اس میں حصولِ نفع کا یقین ہوتا ہے۔ اس معنے پر جب ان لوگوں کو یقینی نفع کا معاملہ غافل نہیں کرتا تو پھر ظنی نفع کیسے غافل کر سکتا ہے عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے ذکر تسبیح و تحمید وغیرہما سے وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ اور نمازیں اپنے اوقات میں بلا تاخیر ادا کرنے سے۔ یہاں پر وہ تا جو اقامۃ میں واؤ کے عوض تھی بوجہ اضافت نہیں لائی گئی۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا کہ نماز کو ان تمام رعایت سے ادا کرنا جن کا شرع پاک نے حکم فرمایا ہے۔ مثلاً تعدیل ارکان و شرائط اور سنن و مستحبات وغیرہ کا نام اقامۃ الصلوٰۃ ہے۔ جو بھی ان میں کسی قسم کا تساہل کرے گا اس کے لیے اقامۃ الصلوٰۃ نہیں ہوگا۔

وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ اور زکوٰۃ دینا۔ یعنی وہ جسے نکال کر مستحقین کو دینا شرعاً فرض ہے۔

سوال : ایتاء الزکوٰۃ کو بیوت۔ سے کوئی مناسبت نہیں تو پھر اسے یہاں کیوں ذکر کیا گیا ہے؟

جواب : چونکہ نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر گویا ایک لازمی جزء بن گیا ہے اس مناسبت سے نماز کے بعد زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا۔

يَخَافُوْنَ یہ رجال کی صفت ہے۔ مظنونہ یا معلومہ علامت سے ناپسندیدہ امر کی توقع کو خوف کہتے ہیں۔ اور مظنونہ یا معلومہ علامت سے محبوب امر کی توقع کو طمع و رجاء سے تعبیر کیا جاتا ہے اور خوف کی نقیض امن ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ یہ لوگ باوجود ایسے استغراق و توجہ کے ڈرتے ہیں۔ يَوْمًا یہ یخافون کا مفعول ہے اس کا ظرف نہیں، اور یوم سے یوم قیامت مراد ہے۔ یعنی ڈرتے ہیں قیامت کے دن سے تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ یہ یوماً کی صفت ہے اور تتقلب بمعنے تصرف، اور شے کا ایک حال سے دوسرے حال میں تبدیل ہونا۔ اور انسان کے دل کو بھی قلب اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ایک حال سے دوسرے حال کی طرف بکثرت بدلتا ہے اور بصر دیکھنے والا عضو یعنی آنکھ۔ اور اس قوت کو بھی بصر کہا جاتا ہے جس سے دیکھنا حاصل ہوتا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ قیامت میں یہ حالت ہوگی کہ نزع اور گھبراہٹ سے دل اور آنکھ کو قرار نہ ہوگا۔ دل کو تو یوں کہ وہ اپنے مرکز کو چھوڑ کر حلق تک پہنچ جائے گا۔ پھر وہ نہ باہر نکلنے کا' نہ واپس آنے کا۔ کما قال تعالیٰ :

وبلغت القلوب الحناجر۔

اور آنکھ کو یوں بے قراری کہ وہ اوپر کو کھنچ جائے گی۔ کما قال تعالیٰ :

یوم تشخص فیہ الابصار۔

اور فرمایا :

و اذا زاغت الابصار۔

یامعنیٰ یہ ہے کہ اس دن قلوب نجات کی امید اور تباہی کے خوف کے درمیان پھنسے ہوں گے کہ نامعلوم ہماری نجات کب ہوگی اور گرفت ہوگی تو کب اس کا حکم ہوتا ہے۔

لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ یہ فعل محذوف کے متعلق ہے جیسا کہ ان کے اعمالِ صالحہ کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے۔ یعنی ان کے اعمال صالحہ جیسے تسبیح اور ذکر اور اقامۃ الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ، اور خوفِ خدا سے ہر وقت ڈرنے کی وجہ سے انھیں اللہ تعالیٰ جزا عطا فرمائے گا اور جزا بمعنے وُہ امر جو عمل کے بعد صلہ یا سزا کے طور پر ملے اگر نیکی ہو نیک صلہ اگر برائی ہے تو سزا۔ اور لفظ اجر صرف نیک جزا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کذا فی المفردات۔

اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا ان کے اعمال کی بہترین جزا، جیسا کہ اس کا وعدہ ہے کہ ایک نیکی پر دس بلکہ سات سو گنا زاید اجر ملے گا۔ وَیَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اور انھیں اپنے فضل میں اس سے بھی زیادہ دیتا ہے جو کہ عمل صالح کی جزا میں شمار نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی بندوں کو اس کے متعلق کچھ تصوّر اور خیال تھا۔ یہ ایک خاص عطا ہوگی جسے عمل سے کوئی تعلق نہ ہوگا وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ یہ یزید کی تقریر اور تنبیہ ہے کہ وہ مالک بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور اپنی مشیّت پر جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اس کے احسان و کرم کی کوئی حد ہی نہیں۔ رزق بمعنے وُہ عطا جو روزانہ ہر ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اور حساب بمعنے وُہ شے جو گنتی کے لیے استعمال ہو۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ جس کے لیے اجر و ثواب دینا چاہتا ہے تو پھر وہ نہ کسی کے شمار میں آسکتا ہے اور نہ ہی کوئی اس کا اندازہ کرسکتا ہے۔

شانِ نزول بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ارشاد ہے کہ یہ آیت اُن تاجروں کے حق میں نازل ہُوئی جو بازار میں خرید و فروخت میں مصروفیت کے باوجود اپنے نیک مشاغل میں غفلت نہیں کرتے۔ مثلاً اذان ہوتی ہے تو فوراً نماز کے لیے مساجد میں حاضر ہوجاتے ہیں۔ دکان پر کتنا ہی گاہکوں کا ہجوم ہو تب بھی تمام کام چھوڑ کر نماز کی حاضری کے لیے جد و جہد کرتے ہیں۔

ازالہ وہم بعض لوگوں نے کہا کہ یہ آیت اصحابِ صُفّہ رضی اللہ عنہم کے حق میں نازل ہُوئی۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے اس لیے کہ ایتاء الزکوٰۃ کے قرینے سے اصحابِ صُفّہ مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ جملہ امور کو ترک کر کے ذکر و فکر میں مصروف رہتے تھے لیکن ادائیگی زکوٰۃ ان سے کہاں، جبکہ وہ خود مفلس ترین صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ فلہٰذا انہیں یہاں پر مراد لینا بالکل نادرست ہے۔

مسئلہ : امام راغب نے فرمایا کہ لا تلهیهم الخ میں تجارۃ سے ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں منہمک ہونا

اور بہت زیادہ مشغول ہونا ممنوع ہے کہ پھر نہ نماز پڑھیں اور نہ دوسری عبادات کی طرف توجہ دیں۔

بہاء الحق والدین محمد نقشبند قدس سرہٗ اور شاہِ ہرات منقول ہے کہ ملک حسین شاہ نے حضرت بہاؤ الحق والدین محمد نقشبند قدس سرہٗ سے عرض کی کہ کیا آپ کے طریقہ میں سماع، ذکرِ جہر اور خلوت جائز ہے؟ آپ نے فرمایا: ہم اس طریق سے فارغ ہیں البتہ ہمارے طریق میں خلوت در انجمن جائز ہے بظاہر مخلوق کے ساتھ اور بباطن حق کے ساتھ ؎

از درون شو آشنا واز بروز بیگانہ وش

ایں چنیں زیبا روش کم می بود اندر جہان

ترجمہ: دل سے اس کا آشنا ہو لیکن بظاہر اس سے بیگانوں کی طرح رہو۔ لیکن ایسی روش والے دنیا میں بہت کم ہیں۔

ف: مندرجہ ذیل قطعہ آیت ہذا کی ترجمانی کرتا ہے: ؎

سررشتۂ دولت اے برادر بکف آر

وین عمر گرامی بخسارت مگذار

دائم ہمہ جا با ہمہ کس در ہمہ کار

میدار نہفت چشم دل جانب یار

ترجمہ: دولت سرمدی ابھی سے حاصل کر لے۔ اس چند روزہ زندگی کو خسارے میں نہ ڈال ہمیشہ اور ہر جگہ ہر ایک کے ساتھ اور جملہ امور میں پوشیدہ پوشیدہ دل کا گوشہ یار کی طرف رکھو۔

سوال: اسئلۃ المقحمہ میں ہے کہ آیت میں صرف مردوں کا ذکر ہے عورتوں کا ذکر کیوں نہیں۔

جواب: (۱) چونکہ عورتوں پر نہ جمعہ فرض ہے نہ نماز کی جماعت میں شرکت ضروری۔ اس لیے ان کا ذکر نہیں کیا گیا۔

(۲) بعض مشایخ نے فرمایا کہ چونکہ صوفیہ کے نزدیک مرد صرف وُہ ہے جو اپنے قلب سے غیر اللہ کا تصور ہی مٹا دے جس میں یہ صفت نہ ہو وہ ان کے نزدیک مونث ہے۔ اس لیے آیت میں صرف رجال فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ مذکورہ بالا اوصاف سے موصوفین کو رجال اس لیے فرمایا کہ ایسے لوگوں پر تجارت اثرانداز نہیں ہوتی۔ تجارت سے درکات نیران سے نجات پانا مراد ہے کما قال تعالیٰ:

هل ادلكم علىٰ تجارة تنجيكم من عذاب اليم۔

اور بیع سے درجات جنان کی کامیابی مراد ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فاستبشروا ببعیکم الذی بایعتم بہ ۔

اور اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پہ فرمایا :

ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسھم بان لھم الجنۃ ۔

اگر دارین کی کوئی شے ان میں یوں تصرف ڈالے کہ انھیں ذکر الٰہی سے غافل کر دے تو وہ مرد نہیں عورت ہے کیونکہ عورتیں تصرف کا محل ہے ۔ ایسے لوگوں کو مرد کہنا ناموزوں ہے ۔

وحیِ الٰہی اور داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ گھر کو میرے لیے فارغ کیجئے۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا کہ تُو تو گھروں سے منزّہ ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : تو اپنے قلب کو میرے لیے پاک کیجئے ۔ یعنی آیت میں بیوت سے قلوب مراد ہیں اور یہاں اس کی صفائی مراد ہے یعنی باری تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ قلوب کو مکونات کے نقوش سے پاک اور صاف کرو اور تعلقات کونین کے زنگ سے انھیں دُور رکھو ۔ اور یہ تصفیۂ قلوب و تزکیۂ نفوس ذکرِ الٰہی پہ مداومت کرتا ہے ۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ہر شے کے لیے مصقلہ ضروری ہے اور قلب کا مصقلہ ذکرِ الٰہی ہے ۔

نسخۂ روحانی جب کسی کا قلب صاف و شفاف ہو جاتا ہے تو پھر وہ جلوہ گاہ حق بنتا ہے اور اسی قلب کو اللہ تعالیٰ اپنے جمال کے نور سے منور فرماتا ہے اور آیۃ للذین احسنوا الحسنی وزیادۃ میں زیادۃ سے یہی جلوہ حق و نور و جمالِ الٰہی مراد ہے اور رزق بے حساب سے مراد یہ ہے کہ اس بندے کو اللہ تعالیٰ ارزاق ارواح اور مواہب خصوصی سے نوازتا ہے اور ایسا رزق بے حساب ہوتا ہے ۔ ہاں اجسام سے جو رزق متعلق ہوتا ہے وہ محدود و معدود ہے ۔

سبق : عاقل پہ لازم ہے کہ اعمالِ شریعت و آدابِ طریقت پر عمل کرنے کی جدوجہد میں رہے اس لیے کہ ان پر عمل کرنا انوارِ حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ ہے ۔

نتیجہ : جس شخص کا باطن دنیا میں منور ہو جاتا ہے آخرت میں اس کا ظاہر و باطن منور ہوگا ۔ اور قاعدہ ہے جزا اتنی ہی ملتی ہے جتنی ملنا ہوتی ہے ۔ جیسا عمل ہوتا ہے ویسی جزا نصیب ہوتی ہے ۔

اذان سننے کے بعد مروی ہے کہ قیامت میں بعض لوگ جب محشر میں حاضر ہوں گے تو ان کے چہرے چمکدار ستارے کی طرح روشن ہوں گے ملائکہ ان سے سبب پوچھیں گے ، وہ کہیں گے کہ جب ہم اذان سنتے تو فوراً وضو کی تیاری میں لگ جاتے ہمیں اس کے لیے کوئی شے نہ روک سکتی۔ بعض لوگ ایسے ہوں گے جن کے چہرے چاند کی طرح ہوں گے ان سے پوچھا جائے گا تو وہ کہیں گے ہم نماز کے

وقت سے بھی پہلے وضو میں مشغول ہوتے۔ بعض ایسے ہوں گے جن کے چہرے سورج کی طرح ہوں گے ان سے پُوچھا جائے گا تو وُہ کہیں گے ہم اذان سے اتنا پہلے وضو کر لیتے کہ اذان مسجد میں جا کر سنتے تھے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

اذا کان یوم الجمعۃ کان علی کل باب من ابواب المسجد ملائکۃ یکتبون الاول فالاول۔

(جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو مسجد کے ہر دروازے پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے کھڑے ہو جاتے ہیں، جو ہر آنے والے کا نام رجسٹر میں درج کرتے ہیں، جو پہلے آتا ہے اس کا نام پہلے، پھر دوسرا پھر تیسرا۔

شرح : حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جو پہلے آتا ہے اس کا ثواب سب سے زیادہ لکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد دوسرے کا، پھر تیسرے کا۔ اسی طرح چوتھے، پانچویں، چھٹے کا۔

بقایا حدیث شریف پھر جب امام منبر پر بیٹھتا ہے تو پھر وہ اپنے رجسٹر بند کر کے جمعہ کا خطبہ سننے بیٹھ جاتے ہیں امام کے خطبہ کے شروع کرنے سے بعد کو آنے والے کے لیے وہ ثواب نہیں لکھا جاتا جو خطبہ سے پہلے آنے والوں کے لیے لکھا جاتا ہے۔

مسئلہ : بعض محدثین نے حدیث شریف کا وہی مطلب لکھا ہے جو ہم نے ترجمہ میں لکھا۔ بعض نے فرمایا کہ سرے سے اس کے لیے جمعہ کا ثواب بھی نہیں لکھا جائے گا۔ بعض نے کہا کہ خطبہ سننے کے بعد پھر حاضر جماعت کا ثواب لکھنا شروع کرتے ہیں۔

ف : ان ملائکہ کرام سے وُہ فرشتے مراد ہیں جو صرف جمعہ میں حاضر ہونے والوں کا ثواب لکھتے ہیں اور وہ ان کراماً کاتبین کے علاوہ ہیں جو روزانہ انسان کے اعمال لکھنے پر مامور ہیں۔

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو نیکی کے لیے عجلت اور سبقت کرتے ہیں۔ اور قیامت میں ہمیں اہلِ حق و صدق و یقین کے زمرہ میں شامل کر کے اٹھا۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ اور کافروں کے اعمال۔ ان سے اعمالِ صالحہ مراد ہیں جیسے احسان و کرم اور صلہ رحمی اور گردن آزاد کرنا اور مسجد کی تعمیر اور حاجیوں کو پانی پلانا اور مظلوموں کی فریاد رسی اور مہمان نوازی اور راہِ حق میں جانوروں کی قربانی وغیرہ وغیرہ کہ اگر وہ یہ اعمال ایمان قبول کرنے کے بعد کرتا تو ثواب پاتا کَسَرَابٍ سراب ہر وہ شے جو دوپہر کے وقت سورج کی دھوپ سے ایسے محسوس ہو کہ گویا وہ پانی چل رہا ہے حالانکہ وہ درحقیقت کچھ نہیں ہوتا۔ اسے اردو میں دھوپ میں چمکتی ریت کہتے ہیں۔ یہ شراب کی نقیض ہے۔ کیونکہ شراب وہ ہے جس کی کوئی حقیقت ہو بِقِيْعَةٍ اس کا متعلق محذوف اور یہ سراب کی صفت ہے یعنی وہ دھوپ کی چمکتی ریت جو میدان میں نظر آتی ہے اور قیعا بمعنے فراخ اور برابر

زمین والا میدان۔ ایسے میدان میں کہیں کہیں پہاڑ بھی ہوتے ہیں۔ مختار مذہب میں ہے کہ یہ قاع کی طرح واحد ہے بعض نے کہا کہ یہ جمع کا صیغہ ہے یَحۡسَبُهُ الظَّمۡاٰنُ مَآءً ؕ یہ سراب کی دوسری صفت ہے یعنی اسے سخت پیاسا سمجھتا ہے کہ واقعی وہ پانی ہے۔ یہ ظمئ بالکسر یظمأ اور الظما بالکسر وہ شے جو پانی کے دو گھاٹوں کے درمیان واقع ہو۔ اور الظمأ وہ پیاس جو اس سے پیدا ہو اور حسبان اگرچہ ہر دیکھنے والے کو شامل ہے لیکن ظمآن کی تخصیص صرف تشبیہ کی تکمیل کے لیے ہے اس لیے کہ ان دونوں طرفوں کو وجہ شبہ میں مناسبت ہے کیونکہ اس کی ابتداء میں طمع ہے اور دوسرے کی انتہا میں ناامیدی ہے۔ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَهٗ یہاں تک کہ وہ اس کے پاس آتا ہے جبکہ اسے پانی سمجھا اور کوشش کر کے وہاں پہنچا تاکہ پانی پی سکے لَمۡ یَجِدۡهُ تو وہ جسے پانی سمجھ کر آیا اسے نہ پایا شَیۡـًٔا کوئی شے۔ نہ تحققاً نہ توہماً۔ جیساکہ اس سے قبل وہ اسے کچھ سمجھتا تھا لیکن جونہی دیکھا تو وہ کوئی شے نہ تھی، تو الٹا اس کی پیاس میں اضافہ ہوگیا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ بلکہ پایا اللہ تعالیٰ کا حکم وقضا عِنۡدَهٗ آتے وقت۔ کما قال تعالیٰ:

ان ربك لبالمرصاد۔

یعنی تمہارا رب تعالیٰ مخلوق کے لوٹنے کے انتظار میں ہے۔

فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ تو اللہ تعالیٰ اس کا حساب پورا فرمائے گا۔ یعنی اسے پوری اور مکمل سزا دے گا۔ یعنی بندے کو اپنے برے حال کا علم ہو جائے گا اور اسے مکمل طور ناامیدی ہو جائے گی۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی شخص بادشہ سے بہت بڑی امید لے کر حاضر ہو تاکہ اس سے بہت بڑا انعام واکرام پائے۔ لیکن اس کی آرزو کے خلاف اس کی سرکوبی ہو، اور اسے مار مار کر بادشاہ کے دروازے سے ہٹا دیا جائے۔

وَاللّٰهُ سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ۙ اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ حساب لیتے وقت کوئی حساب اس کے حساب میں حائل نہ ہو سکے گا۔

ف: حضرت کاشفی نے لکھا کہ بہت جلد حساب لے گا کہ اس کے ایک حساب میں دوسرا حساب رکاوٹ نہ ڈالے گا۔ آیت میں کفار کے اعمال کو سراب اور کفار کو پیاسے سے تشبیہ دی ہے جیساکہ پیاسے کی پانی سے ناامیدی کے بعد پیاس اور بڑھ جاتی ہے ایسے ہی کفار کی رحمتِ الٰہی سے مایوسی کے بعد عذاب میں شدت ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ یہاں پر کفار سے نعمت کو ٹھکرانے والے لوگ مراد ہیں جو نعمتِ الٰہی کو معاصی ومخالفتِ احکامِ ربانی میں صرف کرتے ہیں اور غفلت میں ڈوب کر اس رسم و رواج میں زندگی بسر کرتے ہیں جس پہ ان کے آباؤ اجداد وقت گزار گئے اور وہ علم وعمل سے کورے تھے

انھیں معنیٰ سے دُور کا واسطہ نہ تھا اور ان کا ہر عمل جہالت پر مبنی تھا اور جن اعمال کو وہ نیکی سمجھتے تھے وہ سراسر باطل تھے ان اعمال کو شیطان نے ان کے سامنے اچھا بنا کر دکھایا۔ ان کے اعمال کی مثال سراب کی ہے انھیں کوئی فائدہ نہ ہوگا اور صاحبِ اعمال اپنی غفلت وجہالت سے سمجھتا ہے کہ اس کے یہ اعمال غضبِ الٰہی کی آگ سے بچالیں گے یہاں تک کہ اس پر موت آجاتی ہے۔ تو اعمال کی جس جزاء کی امید میں تھا اسے ہرگز نہیں پائے گا بلکہ اپنے اعمال کی جزاء اور وزن وحساب کے وقت اللہ تعالیٰ کو ناراض پائے گا، وہ صرف اس لئے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا معاملہ نہیں کیا تھا اسی وجہ سے اسے اللہ تعالیٰ پوری پوری جزا دے گا۔ واللہ سریع الحساب میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جلد حساب لینے کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ وہ بندے کی زندگی میں ہی اپنی ذات وصفات کے آثار اسی طرح سے ظاہر فرمائے گا جیسے اس کے اخلاقِ ذمیمہ و اعمالِ سیئہ ہوں گے۔

تفسیر عالمانہ اَوْ کَظُلُمٰتٍ اس کا عطف کسراب پر ہے اَوْ تنویع کا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کے نیک اعمال قیامت میں سراب کی طرح اور اعمال سیئہ ظلمات کی طرح ہوں گے فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ لجی، لُجَّۃ کی طرف منسوب ہے بمعنے عمیق کثیر الماء۔ یعنی دریا کی وہ گہرائی جہاں پانی بہت زیادہ جمع ہو۔

کالجی ... کہ دریا کی گہرائی میں کہ جہاں لحظہ بہ لحظہ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ یہ بحر کی دوسری صفت ہے یعنی اسے مکمل طور پر دریا کی لہر ڈھانپ لیتی ہے مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ یہ مبتدا خبر ہیں اور جملہ موجٌ کی صفت ہے مقصد یہ کہ اسے بے شمار دریا کی لہریں ڈھانپ لیں گی اور وہ لہریں بھی ایک دوسری پر تہ بہ تہ ہو کر آئیں گی مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ یہ موج ثانی کی صفت ہے۔ سحب کا حقیقی معنیٰ کھینچنا ہے اور بادل کو سحاب اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسے ہوا کھینچ کر لے جاتی ہے یا اس لیے کہ وہ پانی کو کھینچ کر لاتا ہے یعنی موج ثانی پر تاریکی چھا جاتی ہے اس کے اوپر بادل آتا ہے تو وہ ستاروں اور ان کی روشنی کو چھپا دیتا ہے۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ دریا کی بے شمار لہریں ایسی تاریکی پھیلاتی ہیں کہ گویا وہ بادل تک پہنچ جاتی ہیں۔

ظُلُمٰتٌ یہ تاریکیاں بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ گاڑھی اور تہ بہ تہ ہوتی ہیں یہاں تک کہ اِذَآ اَخْرَجَ اس تکلیف میں مبتلا ہونے والا جب ان تاریکیوں سے نکالتا ہے۔

سوال: مبتلی کا ذکر نہیں تم نے اخرج کی ضمیر اس کی طرف کیسے لوٹائی؟

جواب: معنیً اس کا ذکر ہے کیونکہ اسی کا ذکر ہے۔

اس دلالت واضحہ کی وجہ سے ہم نے اسی کی طرف ضمیر لوٹائی ہے۔ یَدَهٗ اپنا ہاتھ۔ اس کی

تخصیص اس لیے کہ باقی اعضا کی بہ نسبت یہی اس کو قریب تر ہے اور دیکھنے کے وقت پہلے اسی کو دیکھتا ہے لَمْ یَکَدْ یَرٰىهَا ط شدتِ ظلمات کی وجہ سے قریب ہے کہ اسے نہ دیکھ سکے، یعنی وہ اسے دیکھ نہیں سکتا وَ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ع اور جس کے لیے اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا تو اسے نورِ قرآن نہیں دکھاتا۔ جس کی وجہ سے اسے ایمان کی توفیق نصیب نہیں ہوتی تو ایسے کو کسی سے بھی نور نصیب نہیں ہوتا۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ کفار کے اعمال کی یہ دوسری تمثیل ہے تاریکی سے ان کے اعمال اور بحرِ لجی سے ان کے دل مراد ہیں۔ ان کے اندر شرک وجہل وغیرہما کو موج در موج اور سحاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ ان کی گفتار اور ان کا ہر عمل تاریک ہے اسی لیے قیامت میں بھی ظلمات میں آئیں گے بخلاف مومنین کے کہ ان کے لیے نور ہی نور ہوگا ؎

مومناں از تیرگی دور آمدند

لاجرم نورٌ علیٰ نور آمدند

کافر تاریک دل را فکر تست

حال کارش ظلمت اندر ظلمتست

ترجمہ : مومنین تاریکی سے دُور ہیں اس لیے۔ وہ نورٌ علیٰ نور ہیں۔ کافر کے دل میں فکر تاریک ہے اس لیے وہ ظلمات درظلمات میں ہیں۔

تفسیر صُوفیانہ ظلمات میں ان اعمال کی طرف اشارہ ہے جو انسان غفلت سے اور حضورِ قلب کے بغیر کرتا ہے جن میں خلوص نہیں ہوتا کظلمت فی بحر لجی حُبِ دنیا یغشٰہ موج سے ریاکاری مِنْ فَوْقِهٖ موج سے حبِ جاہ وطلب ریاست من فوقہ سحاب سے شرک خفی ظلمت بعضها فوق بعض سے ظلمت طبعیہ مراد ہے۔ یعنی بندے پر ظلمت غفلت طبعیہ و ظلمتِ حبِ دنیا و ظلمتِ حُبِ جاہ و ظلمتِ شرک چھا جاتی ہے اذا اخرج یدہ جب بندہ جدوجہد کرتا ہے کہ اس کے حال و مآل کی اصلاح ہو اور ان ظلمات سے نجات پائے تو وہ اپنی عقل سے ان ظلمات سے چھٹکارا نہیں پا سکتا، اس لیے کہ روزِ ازل میں جب اللہ تعالیٰ نے نور کی تقسیم کے وقت نورانی چھینٹے مارے تو اس بدبخت کو نور سے کوئی حصہ نہ ملا کہ جس سے وہ ان ظلمات سے نجات پائے کیونکہ عقل کے نور میں ایسی طاقت نہیں جو ان ظلمات سے انسان کو چھٹکارا دے سکے۔ ایسی ظلمات سے نکالنا صرف نورِ الٰہی کا کام ہے۔ کما قال تعالیٰ :

اللہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم من الظلمٰت الی النور۔

(باقی ص ۲۵۰ پر)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ۖ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ
صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ○ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَى
اللَّهِ الْمَصِيرُ ○ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى
الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهِ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ مَنْ
يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ ۖ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ
بِالْأَبْصَارِ ○ يُقَلِّبُ اللَّهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ○ وَاللَّهُ
خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَاءٍ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلٰى بَطْنِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ
وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلٰى أَرْبَعٍ ۚ يَخْلُقُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ○ لَقَدْ
أَنْزَلْنَا آيٰتٍ مُبَيِّنٰتٍ ۚ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ○ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ
وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيقٌ مِنْهُمْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ وَمَا أُولٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ○ وَإِذَا
دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ ○ وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ
يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ○ أَفِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ أَمِ ارْتَابُوا أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ
وَرَسُولُهُ ۚ بَلْ أُولٰئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ○

ترجمہ: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ پاکی بیان کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پرندے
پر پھیلائے ہوئے سب کو اپنی نماز اور تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ ان کے افعال کو جانتا ہے اور
اللہ ہی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت اور اسی کی طرف لوٹنا ہے کیا تو نے نہیں دیکھا
کہ اللہ تعالیٰ بادل کو نرم نرم چلاتا ہے پھر انہیں آپس میں جمع کرتا ہے پھر انھیں تہ بہ تہ کرتا ہے تو تو
بارش کو دیکھتا ہے کہ اس کے بیچ سے نکلتی ہے اور اتارتا ہے آسمان سے اس میں جو برف کے پہاڑ ہیں
ان میں سے کچھ اولے سو گراتا ہے انہیں جس پر چاہتا ہے اور پھیر دیتا ہے جس سے چاہتا ہے قریب ہے
کہ بجلی کی چمک آنکھیں لے جائے اللہ تعالیٰ رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے بیشک اس میں نگاہ والوں
کے لیے عبرت ہے اللہ تعالیٰ نے ہر زمین پر ہر چلنے والے کو پانی سے پیدا فرمایا سو ان میں بعض اپنے
پیٹ پر چلتے ہیں اور ان کے بعض دو پاؤں پر چلتے ہیں اور چار پاؤں پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے
پیدا کرتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے بیشک ہم نے روشن آیات نازل فرمائیں اور اللہ تعالیٰ
جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ و رسول پر ایمان لاتے اور اطاعت کی

پھر اس کے بعد ان کے بعض پھر جاتے ہیں اور وہ بے ایمان ہیں اور جب وہ اللہ و رسول کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ ان کے درمیان فیصلہ ہو تو اس وقت ان کا ایک گروہ روگردانی کرتا ہے اگر ان کے حق میں فیصلہ ہو تو وہ اس کی طرف سرِ تسلیم خم کرکے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں مرض ہے یا شک رکھتے ہیں یا یہ خوف رکھتے ہیں کہ ان پر اللہ و رسول ظلم کریں گے بلکہ وہی ظالم ہیں۔

(صفحہ ۲۴۸ سے آگے):

نکتہ: یخرج جھم الخ میں ایک نکتہ ہے وہ یہ کہ جیسے چشموں سے پانی اور بادل سے بارش اور پتھر سے آگ اور پہاڑوں سے لوہا اور آگ سے دھواں اور زمین سے انگوری اور اشجار سے پھل سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں نکال سکتا اسی طرح بندے کو جب اللہ تعالیٰ سے نورِ ایمان و یقین و خلاص نصیب ہوتا ہے تو اسے شیاطین و طواغیت کفر و شرک میں نہیں لے جا سکتے۔ واللہ الہادی۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ ۲۴۹)۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یہ ہمزہ تقریری ہے اور رؤیت سے رویتِ قلبی مراد ہے اس لیے کہ اسے آنکھ سے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے مشاہدہ نہیں فرمایا اور آپ کا مشاہدہ چونکہ وحی الٰہی سے ہوا اور وہ یوں ہوتا ہے گویا آنکھ سے دیکھا گیا یا اسے استدلال سے سمجھ کر رؤیت سے تعبیر کیا گیا ہے جبکہ یہ خطاب عام ہو یعنی دیکھ لو کہ علی الدوام اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس و تنزیہ یہی لوگ کر رہے ہیں جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں اور تمام مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب و نقص سے پاک ہے اور جو شئے اس کی شان میں نقص و عیب کا شائبہ پیدا کرے وہ اس سے منزّہ اور مقدس ہے۔

ف: ذوی العقول کے غلبہ کی وجہ سے لفظ مَن لایا گیا ہے۔

وَالطَّيْرُ مرفوع اور اس کا عطف مَن پر ہے اور یہ طائر کی جمع ہے، جیسے راکب، راکب کی جمع ہے اور طائر وہ پرندہ جو ہوا میں اڑے۔ اس کی تخصیص میں ایک نکتہ ہے ورنہ یہ تو من فی الارض میں داخل تھا۔ وہ نکتہ یہ ہے کہ اسے زمین پر قرار نہیں ہوتا اور نہ ہی ایک جگہ پر رہتا ہے بلکہ اکثر طور آسمان و زمین کے درمیان میں گھومتا رہتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی تسبیح میں مصروف ہے

صٰٓفّٰتٍ، صف بمعنیٰ بسط، اسی لیے گوشت کے خشک ٹکڑوں کو صفیف کہتے ہیں اس لیے کہ اسے زمین

پر پھیلا یا جاتا ہے تاکہ اس میں بدبو نہ ہو۔ ایسے ہی پرندے پروں کو پھیلا کر اڑتے ہیں۔ یعنی پرندے اپنے پروں کو پھیلا کر اور صف بستہ ہو کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے ہیں کُلٌّ آسمان و زمین کے تمام مکین قَدْ عَلِمَ اللہ تعالیٰ کے الہام سے جان لیا۔ ہمارے اس معنے کی تائید اس قرأۃ سے ہوتی ہے جس میں علم کو مشدد پڑھا گیا ہے یعنی ہر ایک نے معلوم کر لیا صَلَاتَہٗ اپنے لیے دعا مانگنا وَتَسْبِیْحَہٗ اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہ بیان کرنے کا طریقہ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۝ اور اللہ تعالیٰ ان کی طاعات و صلوۃ و تسبیح کو خوب جانتا ہے انھیں اس کی جزا دے گا۔ اس میں جن و انسان کے اس گروہ کو وعید ہے جو اللہ کی تسبیح و تقدیس نہیں کرتا۔ وَلِلّٰہِ اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کا ملک۔ اس لیے ان کی ذوات کا صفات وہی خالق ہے ایجاد و اعداماً و ابداً و اعادۃً ہر طرح سے ان سب پر اسی کا تصرف ہے۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ ۝ اور اسی کی طرف سب کا رجوع ہے۔ یعنی سب کو فنا ہے۔ اور پھر اسی کی طرف قیامت میں اٹھنا ہے۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ اپنے مالک وقوی رب کی عبادت کرے اور ظاہری و باطنی زبان سے اسی کی تسبیح بیان کرے۔

ف: محققین کے نزدیک اس سے تسبیح حقیقی مراد ہے اس لیے کہ ہر ایک کو ان کی شان کے لائق زبان حاصل ہے جس سے وہ حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ غیر عقلا کو بھی زبان عطا فرمائے اور وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کریں اسے صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا وہ لوگ جنھیں اللہ تعالیٰ علم عطا فرماتا ہے۔ جیسے انبیاء و اولیاء۔ اس کی مزید تحقیق سورۂ اسرا میں تحت آیت وان من شیٔ الا یسبح بحمدہٖ ولکن لا تفقھون تسبیحھم الخ میں دیکھئے۔

امام باقر رضی اللہ عنہ کی کرامت حضرت ابو ثابت سے مروی ہے کہ ہم حضرت ابو جعفر امام باقر رضی اللہ عنہم کی خدمت میں بیٹھے تھے مجھے فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ طلوع شمس سے پہلے یہ چڑیاں کیا کہتی ہیں، اسی طرح غروب شمس کے بعد کیا بولتی ہیں؟ میں نے لاعلمی کا اظہار کیا آپ نے فرمایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس بیان کرتی اور اپنے رزق کا سوال کرتی ہیں۔

نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ کی تقریر دلپذیر حضرت ابو الجناب سیدنا نجم الدین کبریٰ قدس سرہٗ نے فواتح الجمال میں فرمایا کہ جملہ حیوانات انسان ہوں یا غیر انسان کے ہر سانس سے ذکر الٰہی ہمیشہ جاری ہے وہ اس خیال و تصور میں ہوں یا نہ۔ کیونکہ سانس کے آنے جانے سے لفظ ھُو خارج ہوتا ہے اور وہ ہویت غیب کی طرف اشارہ کرتا ہے اور لفظ اللہ میں بھی

حقیقی مراد صرف ھُ ہے باقی الف لام تعریف اور لام مشدّد صرف مبالغہ کے لیے ہے اسی لیے ہر دانشمند پر لازم ہے کہ وہ سانس کے اندر باہر آتے جاتے وقت اللہ اور ھُو کا تصوّر جمائے تاکہ اس کی کوئی سانس ذکرِ الٰہی کے بغیر نہ گزرے ۔ اسی لیے نقشبندی سلسلہ کے لوگ کہتے ہیں : ہوش در دم ۔

(ہوش در دم سے یہی مراد ہے جو اوپر بیان ہوا) ؎

ہا غیب ہویت آمد اے حرف شناس

انفاس ترا بود بآں حرف اساس

باش آگہ ازاں حرف درا میدو ہراس

حرفے گفتم شگرف اگر داری پاس

ترجمہ : اے نکتہ شناس ! ھا غیب ہویت کا راز ہے تیری سانسیں اسے محفوظ رکھنے کے لیے ہیں ۔ رنج وراحت کی ہر گھڑی میں اس کی نگرانی کیجئے میں نے تجھے بہترین نکتہ بتایا ہے اگر اس کی حفاظت کرے گا تو منزلِ مقصود نصیب ہوگی ۔

صاحبِ رُوح البیان کی خواب اور تقریرِ شیخ

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ مجھے خواب میں اپنے پیرومرشد قدس سرہٗ کی زیارت ہوئی مجھ سے مخاطب ہوکر سوال کیا کہ لفظ اللہ منصوب ومجرور کے بجائے مرفوع کیوں ہے ؟ میں نے لاعلمی ظاہر کی تو آپ نے فرمایا : اللہ دراصل ھُو ہے ضمہ کی صورت میں دو ہونٹوں کو ملانے ہیں ممکنات میں نورِ ذات اور مظاہر میں کمال ساری کے راز کی طرف اشارہ ہے اور یہ اشارہ نصب وجر سے حاصل نہیں ہوتا ۔

ف : بعض علمأ نے فرمایا کہ حیوانات وجمادات کی تسبیح حالی ہوتی ہے اس لیے کہ ہر شئے کا وجود صانع پر دلالت کرتا ہے کہ ان کا صانع صفاتِ کمالیہ سے موصوف اور جو امر اس کی شان کے لائق نہیں اس سے وہ مقدس ومنزہ ہے ۔

تفسیر صُوفیانہ

تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ تسبیح کے تین طریقے ہیں :

(۱) تسبیح العقلاء

(۲) تسبیح الحیوانات

(۳) تسبیح الجمادات

عقلاء کی تسبیح نطق ومعاملات سے ۔ اور حیوانات کی تسبیح لسان حاجات ، اور ایسی صورت میں ہونا کہ صانع کے وجود پر دلالت کرے ۔ اور جمادات کی تسبیح خلق سے اور عام ہے جو جملہ جمادات کو شامل ہے

اس لیے کہ یہ آیاتِ الٰہی کے مظہر ہیں اور عقلاً کی تسبیح انسان اور ملک سے مخصوص ہے بلکہ ملائکہ کے لیے تو تسبیح بمنزلہ غذا کے ہے کہ اسی کے ذریعے ہی وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر وہ اس سے ایک لمحہ غافل ہوں تو ان پر موت آجائے اور یہ تسبیح ان کی ترقی کا موجب بھی نہیں کیونکہ یہ تسبیح ان کی طبعی ہے (اور طبعی امر ترقی کا موجب نہیں ہوتا) اور انسان کی تسبیح سے بامرِ الٰہی اس کی تنزیہ بیان کرنا۔ چونکہ یہ طبعی امر نہیں اس لیے یہ اس کی ترقی کا موجب ہے اس لیے کہ اس تسبیح سے انسان اپنی انسانیت کے اوصاف کو فنا کر کے سبوحیت کے وصف سے بقا پاتا ہے پھر بقا پا کر اسی سے ہی بولتا ہے۔

مسئلہ: کل قد علم صلاته وتسبیحه میں اشارہ ہے کہ ہر شے میں اس کی شان کے لائق علم و شعور ہے اور صلاۃ کے علم و شعور کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کی عبودیت کے لیے قائم ہونا اور تسبیح سے ربوبیت کی ثنا کرنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر شے کا ایک ملکوت ہے اور ہر ملکوت کا قیام قبضۂ قدرتِ حق میں ہے۔ کما قال تعالیٰ:

فسبحٰن الذی بیدہ ملکوت کل شئ۔

یاد رہے کہ عالمِ ملکوت حیاۃ محض اور علم ہی علم ہے۔ کما قال تعالیٰ:

وان الدار الاٰخرۃ لھی الحیوان۔

اور ملکوت عالمِ ارواح کا نام ہے اسی سے ہی ہر شے کو روح نصیب ہوتی ہے جتنی اس کی استعداد ہوتی ہے اسی قابلیت کے مطابق روح ملتی ہے۔ چونکہ انسان کو روحِ اعظم کی قابلیت میسر تھی اس لیے اسے احسن تقویم میں پیدا کیا گیا۔ اسی بنا پر تمام مخلوق سے کامل اور افضل المخلوقات اور اکرم الخلق بنایا گیا اور چونکہ اسے عالمِ ملکوت سے حظِ وافر نصیب ہوا اسی لیے یہی صلوٰۃ و تسبیح کی زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہیں بلکہ اسے عالمِ ربوبیت سے بہت زیادہ حصہ نصیب ہوا ہے۔ بنا بریں صلوٰۃ و تسبیح سے اسی کو زیادہ تعلق ہے۔ ملائکہ کرام صلوٰۃ و تسبیح کی معلومات عالمِ ملکوت سے حاصل ہوئیں۔ جمادات اور حیوانات کو اپنے ملکوت سے صلوٰۃ و تسبیح کا علم بلا شعور حاصل ہوا۔

واللہ علیم بما یفعلون اور اللہ تعالیٰ حقیقۃً حال کو کامل طور جانتا ہے اور اس کی مخلوق کو اس کا علم ان کی استعداد کے مطابق حاصل ہے۔

ازالہ وہم بعض مواقع پر جمادات سے بولنا سنا گیا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت نے انھیں بلوایا، وہ از خود نہیں بولے۔ ایسے ہی حیوانات بولتے ہیں جنہیں بولنے کی قدرت نہیں۔ یہ خرقِ عادت کے طور پر ہے یا پھر ان کے کلام کو وہ حضرات سنتے سمجھتے ہیں جو اہلِ کشف و معائنہ ہیں۔ سورۂ اسرائیل

ہم نے اس کی بہت سی مثالیں لکھیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ ہمیں ان لوگوں سے بنا نے جن کی ہر سانس ذکرِ الٰہی میں گزرتی ہے اور ان کا ہر وقت لطف اندوزی سے بسر ہوتا ہے۔ وہی فیاض و وہاب وجواد ہے۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِىْ سَحَابًا۔

حل لغات: الازجاء بمعنے شے کو آرام سے چلانا تاکہ وُہ چل پڑے عموماً اس کا استعمال غیر معتدبہ یا نہایت ہی معمولی اشیأ پر ہوتا ہے۔ البضاعۃ المزجاۃ (معمولی پونجی) اسی سے ہے اس لیے اسے ہر کس لے جاتا ہے اور معمولی شے سمجھ کر ہر ایک کو دیا جا سکتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ بادل کا چلانا اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کچھ نہیں۔ اور السحاب کو اس لیے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے کہ ہوا کھینچ کر لے جاتی ہے۔ یہ اسم جنس ہے یہ ایک اور ایک سے زاید بادلوں کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن یہاں پر بادل کا ایک ٹکڑا مراد ہے جیسا کہ لفظ بین کی اضافت سے معلوم ہوتا ہے اس لیے ایک سے زاید پر لفظ بین مضاف نہیں ہوتا۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم آنکھوں سے نہیں دیکھ رہے ہو کہ اللہ تعالیٰ بادل کو جہاں چاہتا ہے لے جاتا ہے۔ ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ پھر ان کے اجزاء کو آپس میں ملاتا ہے یہاں تک کہ بکھرے ہوئے اجزاء کا ایک ٹکڑا بن جاتا ہے حالانکہ اس سے قبل مختلف ٹکڑے تھا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا پھر اسے تہ بہ تہ کرتا ہے یعنی ان اجزاء کو ایک دوسرے کے اوپر رکھتا ہے۔ اور جسے ایک دوسرے پر تہ بہ تہ رکھا جائے اسے رکوم مجتمع سے تعبیر کرتے ہیں۔ المفردات میں ہے کہ اہلِ عرب کہتے ہیں:

سحاب مرکوم۔

یعنی بادل تہ بہ تہ ہے۔ اور جو ایک دوسرے پر رکھا جائے اسے رکام کہا جاتا ہے۔

فَتَرَى الْوَدْقَ بادل کے گاڑھے ہونے اور تہ بہ تہ ہونے کے بعد بارش کو دیکھتے ہو۔ ابواللیث نے فرمایا:

الودق بمعنے بارش زیادہ ہو یا کم۔

المفردات میں ہے کہ وہ شے جو بارش کے درمیان میں غبار کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ اسے بھی المطر سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے آیت میں الودق فرمایا۔

يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ یہ الودق سے حال ہے کیونکہ یہاں پر رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہے۔ الخلال، خلل کی جمع ہے جیسے الجبال، الجبل کی جمع ہے بمعنے وہ سوراخ جو چیزوں کے درمیان ہو یہاں پہ بارش کے مخارج مراد ہیں۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ تم دیکھتے ہو درانحالیکہ وہ ودق بادل کے درمیان سے

نکلتی ہے۔ اور وہ سوراخ بھی تمہیں نظر آتے ہیں جو بادلوں کے تراکم اور ایک دوسرے کے آپس میں ملنے سے ظاہر ہوتے ہیں۔

ف : کعب نے فرمایا کہ سحاب بارش کی چھلنی ہے اگر وہ نہ ہو تو جس پر بارش گرتی اسے فاسد کر دیتی۔ نیز السماء، اور وہ بادل سے نازل ہوتی ہے۔ یہاں پر السماءُ سے بادل مراد ہے اس لیے کہ جو شے بھی سر کے اوپر ہو اسے اہلِ عرب سماء سے تعبیر کرتے ہیں اسی لیے جو شے کسی شے کے اوپر ہوگی اسے سماء کہا جائے گا۔

مِنْ جِبَالٍ بادلوں کے بہت بڑے ٹکڑوں سے۔ پہاڑوں کی مشابہت کی وجہ سے بادل کے بڑے ٹکڑوں کو جبال سے تعبیر کیا گیا ہے۔ فِیْھَا جو کہ وہ آسمان میں ہیں۔ سماء چونکہ مؤنث سماعی ہیں اس لیے ان کی طرف مونث کی ضمیر راجع کی گئی ہے من برد یہ ینزل کا مفعول ہے اور یہ من تبعیضیہ ہے۔ اس سے پہلے دو من ابتدائیہ تھے باعادۂ جار، دُوسرا من پہلے من سے بدل الاشتمال ہے۔ البرد بالحرکۃ بمعنے منجمد پانی، یعنی وہ سرد پانی جو ہوا کی وجہ سے منجمد ہو جائے (کذا فی المفردات)

اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ابتداءً ہی اوپر کے بادلوں سے پانی لاتا ہے جس کے بعض میں سردی ہوتی ہے۔

ف : بعض علماء کرام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے درمیان میں مختلف قسم کے پہاڑ پیدا فرمائے ہیں جن میں سے بعض سرد اور بعض برف کی مانند، جن پر ملائکہ مقرر ہیں۔ پھر جب اور جہاں اللہ تعالیٰ برد و ثلج برسانے کا ارادہ فرماتا ہے تو مقدار مقرر فرما کر فرشتوں کو حکم دیتا ہے تو ہر قطرہ ایک ایک فرشتہ اٹھا کر زمین پر لاتا ہے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ زمین کا کوئی چشمہ ایسا نہیں جس کی اصل آسمان کی ثلج و برد سے متعلق نہ ہو۔ اور یہ بھی بعض علماء نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض ایسے فرشتے بھی پیدا فرمائے ہیں کہ جن کا نصف ثلج اور نصف آگ ہے۔ اس کی قدرت ہے کہ اس فرشتے کی نہ ثلج آگ کو نقصان دیتی ہے نہ آگ ثلج کو۔ جب اللہ تعالیٰ کسی علاقے میں برفباری کا ارادہ فرماتا ہے تو ان فرشتوں کو حکم دیتا ہے جو اپنے پروں کو ہلاتے ہیں جن کے قطرات زمین پر پڑتے ہیں۔

ف : روایت میں یترفرفوا باجنحتھم ہے۔ یہ دفرف الطائر سے ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب پرندہ کسی شے کے اردگرد اس لیے پَر ہلائے کہ گویا وہ اس پر گرتا ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت میں السماءُ سے الشئُ المظلۃ یعنی فلک مراد ہے اس لیے کہ افلاک میں سرد پہاڑ ہیں جیسا کہ زمین پر پتھروں کے پہاڑ ہیں اور یہ بات عقل کے بھی منافی نہیں۔

بادل اور بارش کیا ہیں

(۱) مشہور یہ ہے کہ جب بخارات زمین سے آسمان پہ اُٹھتے ہیں اگر انہیں حرارت تحلیل نہ کرے تو ہوا کے طبقہ باردہ میں پہنچ کر سخت سردی سے مجتمع ہو کر بادل بن جاتے ہیں۔ اگر وہ بخارات سردی سے سخت نہ ہوں تو بارش بن کر نیچے گرتے ہیں۔ اگر سردی سے سخت ہو جائیں اور پھر اجتماع سے اجزاءِ بخاریہ تک پہنچ جائیں تو برد بن کر نیچے گرتے ہیں۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ بخارات ہوا سے بہت زیادہ ٹھنڈے ہو کر ہوا کے انقباض و انعقاد سے بادل بن کر بارش کی صورت میں یا اولے بن کر نیچے گرتے ہیں۔ لیکن یہ تمام اللہ تعالیٰ کے ارادہ و مشیئت کے تحت ہوتا ہے۔

(۲) اخوان الصفاء میں ہے کہ اجزاء مائیہ و ترابیہ جب ہوا میں بکثرت اور متراکم ہو جاتے ہیں تو بادل بن جاتا ہے۔ اس کے رقیق اجزاء کو غیم اور متراکم اجزاء کو سحاب کہا جاتا ہے اور بارش انہیں اجزاء مائیہ کا نام ہے جبکہ وہ اجزاء ایک دوسرے سے لپٹتے ہیں اور ٹھنڈے اور ثقیل ہو کر زمین پر گرتے ہیں۔ اور البرد وہ قطرات ہیں جو بادل سے نکل کر ہوا میں منجمد ہو جاتے ہیں اور الثلوج وہ چھوٹے قطرات ہیں جو غیم (بادل رقیق) کے درمیان سے نکل کر سحاب (بادل ثقیل) کے ساتھ معمولی طور پر ٹکرا کر زمین پر گرتا ہے۔

ف: زمین کے اجزاء لطیفیہ کو دخان اور مائیہ کو بخار کہا جاتا ہے۔

ف: ابن التجید نے فرمایا کہ جب سورج خشک زمین پر چمکتا ہے تو اس کے اجزاء ناریہ زمین کے اجزاء میں مل جاتے ہیں۔ ان دونوں کی ترکیب سے دخان بنتا ہے۔

ف: شرح القانون میں ہے کہ دخان و بخار میں فرق یہ ہے کہ دخان کی ترکیب اجزاءِ ارضیہ و ناریہ سے اور بخار کی ترکیب اجزاءِ مائیہ و ہوائیہ سے ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے بخار دخان سے لطیف تر ہوتا ہے۔

فَيُصِيبُ بِهٖ پس اس برد وغیرہ سے جو آسمان سے نازل ہوتی ہے پہنچاتا ہے۔ یہ باء تعدیہ کی ہے مَنْ يَّشَآءُ جس کے لیے چاہتا ہے کہ اس کی جان و مال اور کھیتی و ثمرات وغیرہ کا نقصان ہو وَيَصْرِفُهٗ عَمَّنْ يَّشَآءُ اور اسے باز رکھتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے کہ اسے اس کا کوئی نقصان نہ پہنچے اور وہ اس کے ضرر سے امن میں رہے يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ قریب ہے کہ بادل کی بجلی کی روشنی۔ السناء (بالقصر) بمعنے الضوء الساطع (و بالمد) بمعنے الرفعة والعلو۔ اور البرق بمعنے بادل کی روشنی۔

ف: القاموس میں ہے کہ البرق، البروق کا واحد ہے یا بادل کے فرشتے کی مار اور اس کا بادل کو متحرک کرنا تاکہ چل پڑے۔

ف: اخوان الصفاء میں ہے کہ برق وہ آگ ہے جو اجزاءِ دخانیہ بادل میں جا کر چمکتے ہیں۔

يُذْهِبُ بِالْاَبْصَارِ اور آنکھوں کو لے جاتی ہے۔ یعنی اپنی زیادہ روشنی اور بار بار لوٹنے سے آنکھوں کی روشنی کو چھین لے جاتی ہے۔

ف : کاشفی نے لکھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ وہ شے کو اس کی ضد سے ظاہر کرتا ہے۔ جیسے ابر آبدار سے آگ کے شعلے نکالتا ہے۔

يُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے بدلتا ہے یا یہ کہ ایک دوسرے کو گھٹا بڑھا کر بدلتا ہے یا ان کے احوال کو متغیر کرتا ہے۔ مثلاً سردی و گرمی اور ظلمت و روشنی و دیگر وہ امور جو ان میں واقع ہوتے ہیں منجملہ ان کے بادلوں کا چلنا پھرنا، ان سے بارش کا برسنا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

حدیث قدسی یؤذینی ابن آدم بسبب الدھر وانا الدھر بیدی الامر اقلب اللیل والنہار۔

(ابن آدم دہر کو گالی دے کر مجھے ایذا دیتا ہے حالانکہ جملہ امور کا خالق میں ہوں اور رات و دن کو میں ہی بدلتا ہوں) کذا فی المعالم والوسیط۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ بے شک اس میں جس کی تفصیل اوپر گزری مثلاً بادلوں کا چلنا پھرنا اور رات دن کا بدلنا۔ لَعِبْرَةً عبرت ہے اس لیے کہ یہ وجود صانع قدیم کے وجود اور اس کی وحدت اور اس کی کمال قدرت اور جمیع اشیاء کو اس کے علم محیط ہونے اور اس کے نفاذ مشیت اور جو امور اس کی شان کے لائق نہیں کے تنزہ پر واضح دلالت ہے۔

حل لغات : العبر بمعنے ایک حال سے دوسرے حال کی طرف متجاوز ہونا۔ اور العبرۃ بمعنے وہ حالت جو مشاہد کی معرفت سے غیر مشاہد کی طرف پہنچا سکے۔

لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ان لوگوں کے لیے جنھیں بصر حاصل ہے۔

ف : قلب کی قوتِ مدرکہ کو بصیرت و بصر کہا جاتا ہے اور عضو معروفہ پر بصیرت کا اطلاق بہت کم ہوتا ہے۔ کذا فی المفردات۔ یعنی جسے بصیرت نصیب ہے وہی ان امور سے مدبر حقیقی کی معرفت حاصل کرتا ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ وہی قدرتِ کامل کا مالک ہے اور بہت بڑے علم والا ہے۔ ایسے دلائل سے وہ سمجھتا ہے کہ وہ واحد لاشریک ہے۔

ف : حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کون سی عبادت افضل ہے؟ آپ نے فرمایا اس کی مخلوق میں تفکر اور اس کے دین کی سمجھ سب سے بڑی اور افضل عبادت ہے۔

ف : عبر ادقار سے اور معتبر مثقال سے ہوتا ہے ۔ عاقل وہ ہے جو رات کی گھڑیوں اور دن کی ساعات سے عبرت حاصل کرے ۔

ف : رابعہ قیسیہ رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتی ہیں کہ میں جب اذان سُنتی ہُوں تو مجھے قیامت کی پکار یاد آجاتی ہے اور برف کو دیکھتی ہُوں تو عملناموں کا ہاتھ میں ملنے کو یاد کرتی ہُوں ۔ اور ٹڈیوں کو دیکھتی ہُوں تو حشر میں اٹھنا یاد آجاتا ہے ۔

تفسیر صُوفیانہ آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاصی و اخلاق کے متفرق بادلوں کو جمع کر کے ایک دوسرے پر ڈھیر لگا کر رکھتا ہے تو تم اس کے درمیان میں توبہ کی بارش کو ایسے دیکھتے ہو جیسے بادلوں سے بارش خارج ہوتی ہے ۔ عصیٰ اٰدم ربہ فغوی کی تعبیر بھی اسی طرح ہے کہ ان کی لغزش کا ڈھیر توبہ کی بارش سے مٹ گیا ۔ کما قال تعالیٰ :

ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وھدی ۔

انسان کا مادہ نسیان سے ہے اور شر بشر کا جزو ہے ۔ جب انسان گناہ میں مبتلا ہو جائے اسے طلب عفو میں ہمت کرنی چاہیے اور رحمتِ باری تعالیٰ تو گڑگڑا کر مانگنی چاہیے ۔ اپنے کسی گناہ کو بڑا نہیں سمجھنا چاہیے ، نہ ہی یہ گمان کرنا چاہیے کہ وہ کریم اس کے گناہ نہیں بخشے گا ۔ بلکہ یہ یقین کرنا چاہیے کہ وہ کریم تو ازل سے غفّار و توّاب ہے اور جب بشر نہیں تھا تب بھی وہ غفار و تواب تھا تواب بھی وہی تواب و غفار ہے بایں معنیٰ کہ انسان سے خطا کا صدور ہوا اگرچہ یہ بشر اور خطا حادث ہیں لیکن اس کی غفاریت و توابیت قدیم اور ازلی ہے ۔ اس لیے گناہ و خطا کے بعد مایوس نہ ہو بلکہ اس کی رحمت اور عفو و کرم سے پُر امید ہو ۔ حضرت حافظ نے فرمایا : ؎

سہو و خطائے بندہ گرش نیست اعتبار
معنیٰ عفو و رحمت آمرزگار چیست

ترجمہ : اگرچہ بندے کے سہو و خطا کا کوئی اعتبار نہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ عفو و رحمتِ پروردگار کا معنیٰ کیا ہے !

(وہ یہی کہ بندے کے سہو و خطا کو معاف فرما دے)

سماء القلب سے اور اس کی قساوة سے جس میں جمود ہے اور اس سے ہی قہر حق کا نزول ہوتا ہے وہ نازل فرماتا ہے جس اہلِ شقاوت کے لیے قہرِ حق کی برد کا نزول چاہتا ہے اور اہلِ سعادت میں سے جس کے لیے چاہتا ہے اسے دور رکھتا ہے قریب ہے کہ برقِ قہرِ الٰہی کی چمک بصائر کو چھین کر لے جائے

جس کے لیے چاہتا ہے تو اس کے قلب کی معصیت کی رات کو نہار طاعت سے بدل دیتا ہے ۔ جیسے آدم علیہ السلام کے قلب کو طاعت کی توفیق بخشی اور جس کے لیے چاہتا ہے اس کے نہار طاعت کو معصیت کی رات سے بدل دیتا ہے جیسے ابلیس کے قلب کو معصیت سے تبدیل کر دیا ۔ اس تقلیب میں اہلِ بصائر کو عبرت حاصل ہوتی ہے بایں طور کہ وہ اپنے قلوب کے آئینے میں رب تعالیٰ کے لطف و قہر کے آثار کا مشاہدہ کرتا ہے ۔ کذا فی التاویلات النجمیہ ۔

تفسیر عالمانہ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ الدب والدبیب بمعنے آہستہ چلنا ۔ اس کا استعمال حیوانات پر ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر حشرات پر ۔ کذا فی المفردات ۔

یہاں پر ہر زمین پر چلنے والے کے لیے استعمال نہیں ہوا بلکہ اس کا اطلاق اس حیوان پر ہے جو زمین پر چلے اور اُس کا مسکن بھی زمین ہو ۔ اس سے ملائکہ دور نکل گئے کیونکہ ان کی تخلیق نور سے ہے ایسے ہی جن بھی، کیونکہ ان کی تخلیق نار سے ہے ۔

فتح الرحمٰن میں ہے کہ دابہ ہر اس حیوان کو کہا جاتا ہے جس کا دنیا میں مشاہدہ ہو سکے ۔ اس سے ملائکہ اور جن خارج ہو گئے اس لیے کہ ان کا دنیا میں مشاہدہ نہیں ہو سکتا ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو پیدا فرمایا جو زمین پر چلتے ہیں ۔

مِنْ مَّآءٍ پانی سے ۔ اس سے اس کے مادہ کا جز مراد ہے یعنی اربعہ عناصر کا ایک عنصر اس کی تنوین وحدۃ الجنسیۃ کی ہے ۔ اس میں آدم علیہ السلام بھی داخل ہیں اگرچہ ان کی تخلیق مٹی سے ہے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی، اگرچہ ان کی تخلیق روح سے ہے ۔ یا ماء سے مخصوص پانی یعنی نر و مادہ کا نطفہ مراد ہے ۔ اس معنے پر یہ تنوین وحدۃ نوعیۃ کی ہوگی اور اکثریت کا اعتبار کر کے ایسے ہی فرمایا ورنہ بہت سے حیوان ایسے ہیں جو نطفہ سے پیدا نہیں ہوتے ۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تبیان میں روایت منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جوہر پیدا فرما کر اس پر نگاہِ ہیبت ڈالی تو وُہ جوہر پگھل کر پانی بن گیا پھر جس پر آگ کا غلبہ دیا اس سے جن پیدا فرمائے اور جس پر ہوا کا غلبہ دیا اس سے ملائکہ بنائے اور جس پر مٹی کا غلبہ دیا اس سے آدمی و دیگر حیوانات پیدا کئے ۔ اس سے ثابت ہُوا کہ ہر شے کا اصل مادہ پانی ہے ۔

ف : الکواشی میں ہے کہ ماء کی تنکیر بتاتی ہے کہ ہر حیوان مخصوص پانی یعنی نطفے سے پیدا ہوا ۔
خلاصہ یہ کہ جن و ملائکہ کے سوا باقی جملہ حیوانات پانی سے پیدا کئے گئے ہیں ۔

سوال : یہ معنیٰ تب صحیح ہو سکتا ہے جب ماء تنوین کے ساتھ ہو حالانکہ دوسرے مقام پر اسے الف لام

کے ساتھ لایا گیا ہے۔ کما قال:

وجعلنا من الماء کل شئ حی۔

جواب: یہ الف لام جنس کا ہے اس لیے کہ جملہ مخلوق کی تخلیق پانی سے ہے۔

ف: بعض علماً نے فرمایا کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے پانی کو پیدا فرمایا پھر اس کا ایک حصہ ہوا میں تبدیل کر دیا۔ تو اس سے ملائکہ پیدا ہوئے۔ ایک حصہ آگ کا بنایا تو اس سے جنات پیدا ہوئے۔ ایک حصہ مٹی میں تبدیل ہُوا تو اس سے آدمی و دیگر حیوانات پیدا ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ:

ہر شے محمد کے نور سے (صلی اللہ علیہ وسلم) یشیر الیٰ ان کل ذی روح خلق من نور محمد علیہ السلام لان روحہ

اوّل شئ تعلقت بہ القدرۃ۔

(اس میں اشارہ ہے کہ ہر ذی روح حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا کی گئی کیونکہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تعلق حضور علیہ السلام کی روح سے ہوا)

کما قال:

اوّل ما خلق اللہ روحی۔

(سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میری روح پیدا کی)

ف: چونکہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ موجودات کے صدف کا جوہر ہیں اس لیے آپ کی روح اقدس کو درہ اور جوھرۃ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لما اراد اللہ ان یخلق العالم خلق درۃ۔

(جب اللہ تعالیٰ نے عالم کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے ایک موتی بنایا)

یہاں پر درۃ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ اقدس مراد ہے۔

ایک روایت میں خلق جوھرۃ وارد ہوا ہے (یہاں بھی جوھرۃ سے حضور علیہ السلام کی روحِ اقدس مراد ہے)

حدیث شریف: ثم نظر الیھا بنظر الھیبۃ فصارت ماء۔ (پھر اس پر ہیبت کی نگاہ ڈالی تو وہ موتی پانی ہوگیا)

پھر تمام ارواح کو اسی پانی سے پیدا فرمایا۔

سوال: جملہ مخلوق کو پانی سے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب: پانی سے عجیب تر اور کوئی مخلوق نہیں، اور پھر یہ جملہ مخلوق سے نرم تر ہے کہ اسے جس طرح چاہو عمل میں لا سکتے ہو یہاں تک کہ اسے ہاتھ پر رکھا جاتا ہے لیکن سر زور بھی ہے کہ اس پر مکان نہیں بنایا جا سکتا اور نہ ہی براہِ راست اس سے کوئی شے بن سکتی ہے جب تک اس کے ساتھ اور کوئی شے نہ ملائی جائے بخلاف دوسری اشیاء کے کہ ان سے ہر طرح کی چیزیں تیار کی جا سکتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بتایا کہ جس پانی سے تم کوئی شے نہیں بنا سکتے اسی سے وہ قادرِ مطلق ہر شے پیدا فرماتا ہے۔ اس لیے مخلوق پر لازم ہے کہ اس کی قدرت پر ایمان لائے۔ کذا فی تفسیر ابی اللیث علیہ الرحمۃ۔

تفسیر عالمانہ

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ان میں بعض ایسے ہیں جو پیٹ پر چلتے ہیں جیسے سانپ مچھلی وغیرہما۔

سوال: مشی تو پاؤں سے چلنے کو کہا جاتا ہے اور سانپ وغیرہ کے تو سرے سے پاؤں ہوتے ہی نہیں، تو پھر ان پر یمشی کا اطلاق کیسا؟

جواب: مجازاً ان پر مشی کا اطلاق ہوا ہے وہ اس لیے کہ ان کا ذکر ان چیزوں کے ساتھ ہوا ہے جو پاؤں پر چلتی ہیں۔ اس مناسبت سے مجازاً ان پر مشی کا اطلاق ہوا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ سانپ وغیرہ پیٹ کے بل چلتے ہیں اور چونکہ اس طرح سے ان کا مقصد بھی مسافت کو طے کرنا ہے۔ اسی مناسبت سے ان پر مجازاً مشی کا اطلاق ہوا کہ پاؤں سے مسافت طے ہو تو مشی ہے تو وہ حقیقت ہے۔ اگر کسی دوسرے طریق سے مسافت ہو تو وہ مجاز ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ اور ان میں بعض وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں جیسے انسان اور جن اور پرندے وغیرہ۔ کما فی الجلالین

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ اور بعض ان میں وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں جیسے جانور اور وحشی وغیرہ۔

سوال: بعض حیوانات ایسے بھی ہیں جو چار پاؤں سے زائد سے بھی چلتے ہیں جیسے مکڑی و دیگر حشرات الارض۔

جواب: (۱) یہ قلیل ہیں اور قلیل کالمعدوم ہوتے ہیں۔ کذا فی الارشاد۔

(۲) فتح الرحمٰن میں ہے کہ یہ چار پاؤں پر چلنے والوں میں شامل نہیں اس لیے کہ ان کی ظاہری صورت انہی کی مانند ہوتی ہے کہ گویا وہ چار پاؤں پر چل رہے ہیں کما فی الکواشی۔

اوران میں جمع مذکر عقلاء کی ضمیر محض تغلیباً ہے اور لفظ مِنْ سے مختلف اصناف کا ذکر اس لیے ہے تاکہ اجمال تفصیل کے موافق ہو۔ اور ترتیب بھی عجیب وغریب ہے اس لیے کہ پہلے ان حیوانات کا ذکر ہے جو پاؤں کے بغیر پیٹ کے ذریعے قطعِ مسافت کرتے ہیں، پھران کا ذکر ہے جو دو پاؤں پر چلتے ہیں، پھران کا جو چار پاؤں پر چلتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ وہ بہت قدرت کا مالک ہے کہ وہ اشیا پاؤں کے بغیر بھی چلا سکتا ہے اور پاؤں ہوں تو دو سے بھی کام چل سکتا ہے اور دو سے زائد سے بھی۔

یَخْلُقُ اللّٰہُ مَا یَشَآءُ اللہ جسے چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے جیساکہ مذکور ہوا اور بعض ایسی چیزیں پیدا ہوں گی جن کا ذکر نہیں ہوا۔ اس کی بعض مخلوق بسیط اور بعض مرکب ہے۔ اس نے جیسے چاہا پیدا فرمایا۔ بعض مخلوق کو صورت بخشی اور اعضا عطا فرمائے اور ہیئاتِ عجیبہ سے نوازا، انہیں حرکات عطا فرمائیں۔ طبائع و قوٰی سے نوازا باوجودیکہ عناصر سب کے متحد ہیں۔ صاحبِ حدیقہ نے فرمایا: ؎

اوست قادر بہرچہ خواہد و خواست
کارہا جملہ نزد او پیداست

ترجمہ: وہ قادر ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔ تمام کام اس کے نزدیک ظاہر ہیں۔

کسی نے فرمایا: ؎

نقشبند برون گلہا اوست
نقش دان درون دلہا اوست

ترجمہ: جملہ نقوش ظاہری کا وہی نقشبند ہے۔ لیکن حقیقی نقش وہی ہیں جو دل کے اندر ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ بے شک وہ ہر شے پر قادر ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَا اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ بے شک ہم نے واضح نشانیاں نازل فرمائیں یعنی احکام دینیہ واسرارِ تکوینیہ میں سے وہ امور جن کا بیان کرنا لائق ہے وَ اللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اور اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے یعنی اسے نظرِ صحیح کی توفیق اور آیات مبیّنات میں تامّل کرنے کی رہبری فرماتا ہے اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ صراطِ مستقیم سے اسلام مراد ہے کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور اسی سے ہی اس کی رضا اور جنت کا راستہ نصیب ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کی سیرت کی خبر دی ہے جو پانی سے پیدا ہوئے چنانچہ فرمایا:

فمنھم من یمشی علٰی بطنہ یعنی ان کی سیرت یہ ہے کہ وہ پیٹ کی شہوات کی تحصیل میں عمر برباد کرتے ہیں

ومنهم من یمشی علیٰ رجلین یعنی ان کی سیرت یہ ہے کہ فرج کی شہوات کی تحصیل میں عمر ضائع کرتے ہیں اس لئے کہ ہر حیوان جب شہوت کو پورا کرتا ہے تو مباشرت کے وقت دو پیروں پر چلتا ہے اگرچہ وہ چار پیروں والا ہی ہو۔ ومنهم من یمشی علیٰ اربع یعنی ان کی سیرت یہ ہے کہ مرتبہ اور جاہ وجلال کی طلب پر چار پاؤں والی سواری پر سوار ہو کر چلتا ہے اس لیے کہ عموماً مرتبہ اور جاہ وجلال کی طلب میں ایسے لوگ ایسی سواریوں پر سوار ہو کر چلتے ہیں جو چار پاؤں پر چلتی ہیں جیسے گھوڑا، خچر اور گدھا۔ کما قال تعالیٰ: والخیل والبغال والحمیر لترکبوھا وزینۃ یخلق اللہ ما یشاء۔ یعنی ان کے علاوہ دیگر وہ سواریاں جن کا تمہیں علم نہیں، جن کے متعلق ازل میں لکھا جا چکا تھا اور ان کا پیدا ہونا حکمت ومشیتِ ایزدی کے مطابق ہے اور یہ تخلیق اظہارِ قدرت کے لیے ہے تاکہ معلوم ہو کہ وہ ہر قسم کی مخلوق پیدا کرنے پر قادر ہے۔

حکایت ہارون الرشید نے ایک دن بازی اشہب کو آسمان پر کسی شکار کے پیچھے دوڑایا لیکن وہ خلا میں ایسا گم ہوا کہ ایک عرصہ تک واپس نہ آیا۔ مایوسی کے بعد ایک دن واپس آیا تو مچھلی لایا۔ علماءِ کرام کو بلایا گیا تاکہ اس کا حل بتائیں۔ ان میں مقاتل نے فرمایا آپ کے دادا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ خلائے آسمان میں بھی مختلف قسم کی مخلوق ہے جو انڈے اور بچے دیتی ہے جو مچھلی کی ہیئت پر ہوتی ہے۔ اس کے پر ہوتے ہیں۔ ہارون الرشید مقاتل کے اس جواب سے خوش ہوا اور اسے انعام سے نوازا۔

لقد انزلنا اٰیٰت مبیّنٰت ہم نے قرآن مجید کو نازل کیا جس کی آیات واضح اور روشن ہیں اور ہم نے انسان کی مختلف قسمیں پیدا فرمائیں یعنی ان کے مختلف اوصاف بنائے اگر ہم انھیں ان کی فطرت کے حوالے کر دیتے تو ان میں کوئی بھی ہدایت نہ پاتا اور نہ ہی کوئی اپنی مشیت وارادہ پر ہدایت پا سکتا ہے واللہ یھدی من یشاء الیٰ صراطٍ مستقیم اور اللہ تعالیٰ اپنے سیدھے راستہ کے لیے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے پھر وہی مشیتِ ازلیہ الٰہیہ کے مطابق حضرتِ حق کی طرف پہنچتا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سیدھے راستہ کی ہدایت اور جادۂ تحقیق کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیرِ عالمانہ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ اور کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور رسول پر ایمان لاتے ہیں۔

شانِ نزول: بشر منافق کے حق میں نازل ہوئی جس نے یہودی کے ساتھ زمین کے بارے میں جھگڑا کیا تو منافق کہتا کہ کعب بن اشرف یہودیوں کا عالم فیصلہ کرے گا لیکن یہودی کہتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ فرمائیں گے۔

صیغہ جمع میں اشارہ ہے کہ اس کی موافقت کرنے والا ایک گروہ تھا۔ جیسے کہا جاتا ہے:

بنو فلان قتلوا فلاناً۔

یہاں جمع کا صیغہ ہے حالانکہ قائل صرف ایک ہوتا ہے۔
وَ اَطَعْنَا اور ہم نے اوامر ونواہی میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی۔ الاطاعۃ بمعنٰی وہ فعل جو کسی کے حکم پر کیا جائے۔ اس لیے کہ اطاعۃ انقیاد کے معنے میں آتی ہے اور انقیاد امر کے بعد ہوتا ہے۔ ہاں عبادت وغیرہ میں امر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ثُمَّ یَتَوَلّٰی پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو قبول کرنے سے رُوگردانی کرتا ہے۔

قاعدہ : امام راغب نے لکھا کہ لفظ تولّٰی جب متعدی بلا واسطہ ہو تو بمعنے ولایت آتا ہے۔ ایسے معانی میں استعمال ہوتا ہے جس کا حصول اقرب المواضع ہو۔ اور جب لفظ عن سے متعدی ہو خواہ وہ لفظوں میں ہو یا مقدر ہو تو اعراض و ترک قرب کے معنی میں مستعمل ہے اور الولی بمعنے القرب ہے۔

(۲) کبھی تولّٰی جسم کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی ترک اصغاء و ائتمار سے۔

ف : یہ ثُمَّ تراخی زمانی کا ہے۔ یا اس لیے کہ ان کا اٰمنّا و اطعنا صرف زبانی ہے۔ حقیقی اٰمنّا و اطعنا کا معنٰی ان سے کوسوں دور ہے۔

فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ ان قائلین کا ایک گروہ۔

المفردات میں ہے کہ الفرق بمعنے وہ ٹکڑا جو کسی دوسری جماعت سے کٹ کر علیحدہ ہو جائے۔ اس لیے اس جماعت کو فرقہ کہا جاتا ہے جو جمہور سے علیحدہ ہو جائے۔ اور فریق وہ جماعت جو کسی دوسری جماعت کے بالمقابل ہو۔

مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ اس مذکور قول کے بعد وَمَا اُولٰٓئِكَ یہ اشارہ قائلین کی طرف ہے اس لیے کہ ان سے ایمان کی نفی کا تقاضا یہ ہے کہ فریق متولّی کی نفی ہو۔ اس کے برعکس اب معنٰی یہ ہوا کہ وہ لوگ جو ایمان و طاعت کا دعوٰی کرتے ہیں پھر ان کے بعض ہم اعتقاد و عمل منہ پھیرتے ہیں تو ایسے لوگ نہیں ہیں بِالْمُؤْمِنِیْنَ حقیقی مومن جیسا کہ اس پر الف و لام کا دخول دلالت کرتا ہے کیونکہ مومن حقیقی وہ ہیں جنہیں ایمان میں اخلاص اور اس پر ثابت قدمی حاصل ہو وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ اور جب وہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کریں بَیْنَهُمْ ان کے درمیان۔ اس لیے کہ حقیقی فیصلہ کرنے والا رسولِ خدا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگرچہ حقیقی حاکم اللہ تعالیٰ ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر حضور علیہ السلام کے ذکر کی تعظیم کے لیے ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ حضور علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا مرتبہ ہے اور حکم کا معنٰی یہ ہے کہ کسی شے کا فیصلہ اس طرح ہونا چاہیے جیسا کہ اس کا تقاضا ہو، خواہ دوسرا اسے قبول کرے یا نہ کرے اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ اچانک ان

ان لوگوں میں سے ایک گروہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے حکم سے رُوگردانی کرتا ہے ۔ وہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام کا فیصلہ ان کی خواہشات کے خلاف تھا اور انہیں یقین تھا کہ فیصلۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہوتا ہے کیونکہ آپ رشوت تو لیتے نہیں تھے ۔ یہ جملہ تولّی کی شرح اور اس میں مبالغہ کا بیان ہے معرضون اعرض سے ہے بمعنے اظہر عوض ای ناحیتہ ۔ یعنی فلاں نے فلاں کو اپنا کنارہ ظاہر کیا ۔ وَاِنْ یَّکُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ اگر حق ان کے لیے ہو یعنی فیصلہ اگر ان کے فائدہ کے لیے ہو یَاْتُوْا اِلَیْهِ اِلیٰ یَاْتُوا کا صلہ ہے اس لیے کہ یاتی اور یجی (فعل مطلق) الیٰ سے متعدی ہوتے ہیں یعنی اس کی طرف آئیں گے مُذْعِنِیْنَ فرمانبردار ہو کر ، اس لیے کہ انہیں یقین ہوگا کہ حضور علیہ السلام نے ان کے فائدے کا فیصلہ فرمایا ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یہ انکار ہے اور ان کے اعراض مذکور کی قباحت کا اظہار اور اس کے اصلی منشا کا بیان ہے یعنی وہ اعراض ان کا قلبی مرض ہے اور وہ کفر و نفاق کی وجہ سے قلب (باطنی) مریض ہے اَمِ ارْتَابُوْا یا اس لیے کہ اُنھوں نے نبوت کے متعلق شک و شبہ کا اظہار کیا حالانکہ نبوت شک و شبہ کا محل نہیں کیونکہ اس کی حقیقت واضح و لائح ہے ۔ اَمْ یا اس لیے کہ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ انھیں خوف ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کرتے ہوئے ظلم کریں الحیف بمعنے جور و ظلم ۔ اور فیصلہ میں دو جانبوں میں سے ایک جانب کی طرف مائل ہونا ۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے :

حاف فی قضیتہ ۔

یعنی اس نے اپنے فیصلہ میں ظلم کیا ۔

اس کے بعد اعراض فرمایا اور بتایا کہ صرف یہی وجہ نہ تھی بلکہ ان کی اصلی منشا کچھ اور تھی اور وہ ان کے جملہ شنیع امور سے بدتر تھی وہ یہ کہ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ بلکہ وہی لوگ ظالم ہیں یعنی مذکورہ بالا دونوں وجوہ سے کوئی ایک وجہ بھی نہیں اس لیے کہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے حق کے لانے کے وقت اعراض نہیں کیا بلکہ ان میں تحقق ، نفاق اور شک کی وجہ سے بظاہر حضور علیہ السلام کے سامنے گردنیں جھکا لیتے تھے ۔ اور دوسرا یہ کہ انہیں حضور علیہ السلام سے ظلم کا خطرہ بھی نہیں تھا اور انہیں یقین تھا کہ حضور حق پر ثابت قدم ہیں آپ پر معمولی وہم بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپ کو معمولی لغزش بھی آئے ۔ جب یہ باتیں حضور علیہ السلام میں نہیں تو ثابت ہوا کہ وہ لوگ ظالم ہیں ۔ بلکہ ان کا ارادہ تھا کہ اہل حق پر ظلم ڈھائیں ۔ اور چاہتے تھے کہ حق والوں کا حق کھا جائیں ، اسی لیے حضور علیہ السلام سے فیصلہ کرانے سے کتراتے تھے کیونکہ انہیں یقین تھا کہ حضور علیہ السلام جو فیصلہ کریں گے وہ حق ہوگا ۔ خلاصہ یہ کہ دونوں امور مذکورہ سے اعراض سے نتیجہ نکلا کہ ان

(باقی بر صفحہ ۲۶۷)

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوٓا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَ
أَطَعْنَا ؕ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰٓئِكَ
هُمُ الْفَآئِزُونَ ○ وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا
تُقْسِمُوا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ ؕ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ○ قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا
الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ؕ
وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِينُ ○ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ص وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ
الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ؕ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي
شَيْئًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ○ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ج
وَمَأْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ ○ ع

ترجمہ : اہلِ ایمان کی بات تو یہی ہے کہ جب وہ اللہ و رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ ان کے مابین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ فرمائیں تو عرض کریں ہم نے حکم سُنا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور حکم اللہ و رسول کی اطاعت کرے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور پرہیزگاری کرے سو یہی لوگ کامیاب ہیں اور انہوں نے بڑا زور لگا کر قسمیں کھائیں کہ اگر تم انہیں حکم فرماؤ گے تو وہ ضرور ضرور (جہاد کے لیے) نکلیں گے۔ فرمائیے قسمیں نہ کھاؤ تمہاری فرمانبرداری معروف ہے بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے باخبر ہے فرمائیے اللہ و رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم رُوگردانی کرو گے تو بے شک رسول کے ذمہ وہی ہے جو اس پر لازم کیا گیا اور تم پر وہی ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا اور اگر رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے اور رسول پر نہیں مگر صاف طور پہنچانا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ان کے ساتھ جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ انہیں زمین کی خلافت عطا فرمائے گا جیسے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت بخشی اور ان کے پہلے خوف کو امن سے بدل دے گا میری عبادت کریں کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرائیں اور جو اس کے بعد ناشکری کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں اور نماز قایم کرو اور زکوٰۃ دو اور رسول کی اطاعت کرو اس امید پر کہ تم پر رحم کیا جائے کافروں کے متعلق ہرگز گمان نہ کریں کہ وہ زمین میں ہمیں عاجز کر دیں گے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور البتہ

وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

(ص ۲۶۵ سے آگے) لوگوں میں وہی قبائح موجود تھے اور تیسرا یہ بھی تھا کہ وہ ظالم تھے اور چوتھا یہ کہ یہ جملہ امور ان کی ذات میں راسخ ہو چکے تھے کہ ان سے ان کا باز آ جانا بظاہر مشکل تھا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ. قول المؤمنین، کانَ کی خبر ہے۔ اسی لیے منصوب ہے اور اس کی خبر ما اپنے مابعد سے مل کر محلاً مرفوع ہو کر ان کا اسم ہے۔ بے شک ہوتا ہے اہلِ ایمان کا قول اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ جب انہیں اللہ جلالہٗ و رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں بلایا جاتا ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا فیصلہ فرمائیں بَيْنَهُمْ جو کہ ان کے مخالفوں کے درمیان ہے ان کے مخالف اپنے ہیں یا پرائے اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ط وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت ہمیں پہنچی ہم نے اسے سن کر قبول کیا اور جیسے ان کا حکم ہے ہم اسی طرح تہِ دل سے عمل کریں گے اور یہ لفظ اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر کے لیے مستعمل ہے کما فی فتح الرحمٰن۔ وَاُولٰٓئِكَ جن لوگوں کا ابھی ذکر ہوا وہی لوگ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ اپنے ہر مطلب میں کامیاب اور ہر خطرہ سے نجات پانے والے ہیں۔ المفردات میں ہے کہ الفلاح بمعنے الظفر وادراک البغیہ (یعنی فتحمندی اور مقصد حاصل کرنا) وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کی اطاعت کرتا ہے جیسے ان کا حکم ہوتا ہے احکامِ شرعیہ سے وہ احکام لازمہ ہوں یا متعدیہ ان کے ہر طرح کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر کے اس پر کاربند ہونے کی کوشش کرتے ہیں وَيَخْشَ اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے کہ کہیں اس کی گزرے ہوئے گناہوں پر گرفت نہ ہو وَيَتَّقْهِ اور وہ اپنی بقایا عمر کے لیے بھی ڈرتا رہتا ہے۔ دراصل یتقیہ تھا، یا کو عامل جازم کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے یتقہ بکسر القاف والہاء ہوا اس کے بعد علیٰ خلاف القیاس قاف کو ساکن کیا گیا اس لیے کہ اب وہ فعل کا ہم وزن ہو گیا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ ہر وہ لفظ فعل (وزن) جو صورۃً ایک کلمہ ہو جیسے کتف، تو اس کی عین کو ساکن پڑھا جاتا ہے۔ پھر جو بھی اس کے وزن پہ آئے خواہ وہ ایک کلمہ ہو یا علیحدہ علیحدہ، تو اسے بھی کتف پر محمول کرتے ہوئے اس کی عین کو ساکن پڑھنا جائز ہے جیسے یہی یتقہ (اس کی یائے مضارع کو چھوڑ کر) کتف کا ہم وزن ہے اسی بنا پہ اس کی عین کو ساکن پڑھا گیا ہے فَاُولٰٓئِكَ یہی لوگ جو طاعت وخشیۃ و اتقاء سے موصوف ہیں هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۞ وہی ہمیشہ کی نعمتوں پر کامیاب ہیں بخلاف ان کے غیروں کے کہ انہیں دائمی نعمتوں سے نہیں نوازا گیا۔ الفوز بمعنے الظفر مع حصول السلامۃ۔ کما فی المفردات۔

حکایت کشاف میں ہے کہ کسی بادشاہ نے کسی عالمِ دین سے پُوچھا کہ کوئی ایسی بات بتائیے کہ جس پر عمل کرنے سے دوسری آیات پر عمل کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ اس عالمِ دین نے یہی آیت پڑھی۔ جب دوسرے علماءِ کرام کے سامنے اس عالمِ دین کا جواب پیش ہُوا تو سب نے مان لیا کہ واقعی اس نے صحیح فرمایا کیونکہ فوزونجات فرمانبرداری اور مشیّتِ الٰہی وتقویٰ میں ہے ؎

اینک رہ اگر مسجد اقصٰی طلبی

وینک عمل ار رضائے مولیٰ طلبی

ترجمہ: یہی حقیقی راہ اگر حقیقی مقصد کی طلب رکھتے ہو اور عمل خالص یہی ہے اگر رضائے حق کے طالب ہو۔

مسئلہ: ادائے فرائض واجتناب محارم میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ جس امر کا حکم فرمائے اس کے لیے سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے۔

چکڑالوی اور پرویزی کا رد (ہمارے دور کے منکرینِ حدیث رسول کی طاعت یا اس کے حکم کے منکر ہیں صاحبِ روح البیان ان کے رد میں پہلے فرما گئے کہ:)[1]

قال ابن عطا رحمہ اللہ الدعوۃ الی اللہ بالحقیقۃ والدعوۃ الی الرسول بالنصیحۃ فمن لم یجب داعی الرسول ضل وسبب عدم الاجابۃ المرض۔

ترجمہ: ابن عطاؒ نے فرمایا کہ دعوتِ الی اللہ دعوتِ الی الرسول ہے کیونکہ جو داعی رسول کو مانتا وہ گمراہ ہے اس کے نہ ماننے کی اصل وجہ اس کی اندرونی بیماری ہے۔

ف: حضرت امام راغب نے فرمایا کہ مرض بمعنے اعتدال خاص کی حد سے نکلنا۔ اور یہ دو قسم ہے:

۱۔ جسمانی مرض، جیسے اللہ تعالیٰ نے ولا علی المریض حرج میں بیان فرمایا۔

۲۔ روحانی مرض، اس سے رذائل، جیسے جبن، بخل، نفاق مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فی قلوبھم مرض فزادھم اللہ مرضا میں بیان فرمایا ہے۔

نکتہ: نفاق وکفر وغیرہما کو مرض سے تشبیہ دینے میں اشارہ ہے کہ جیسے مرض انسان کے بدن کو تصرفِ کامل سے روکتا ہے ایسے ہی یہی رذائل یعنی کفر ونفاق وغیرہما ادراکِ خصائل سے مانع ہیں۔ یا اس لیے کہ یہ رذائل تحصیلِ حیاتِ اخرویہ جسے آیت وان الدار الاٰخرۃ لھی الحیوان میں بیان کیا گیا ہے، سے روکتے ہیں یا اس لیے کہ جیسے ضرررساں اشیاء کے میلان سے انسان کے بدن کو نقصان پہنچتا ہے۔ ایسے ہی نفسِ انسانی کا ان رذائل کی طرف رغبت کرنے سے اس کا باطنی نقصان ہوتا ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

لا یؤمن احدکم حتی یکون هواه تابعاً لما جئت به ۔

(تم میں کوئی ایک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ میرے لائے ہوئے احکام کا پورے طور تابع نہ ہو)

شرح : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ انسان کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی وہ کمالِ ایمانی کے درجات کو پہنچ سکتا ہے جب تک کہ اس کی نفسانی خواہشات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے احکام اور آپ کی سیرت و ہدایت کے تابع نہ ہو جائیں۔

تفسیر صوفیانہ حقیقی اطاعت و اجابت یہ ہے کہ انسان ماسوی اللہ کو ترک اور اس سے مکمل طور روگردانی کرے، اس لیے کہ جو بھی غیر اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے وہ بے شمار آفات و بلیات کا شکار ہو جاتا ہے۔ آفات و بلیات کا شکار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل کا مزاج اس فطرت سے پھر جاتا ہے جس پر اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا۔ یعنی وہ حُبِ الٰہی و حُبِ آخرت سے محروم ہو کر اہلِ ہوا و متبدعین کے کہنے پر دین میں شک و شبہ کرنے لگ جاتا ہے۔ یعنی فلاسفہ اور دہریوں کی تقلید کا پھندہ اس کے گلے کا ہار بن جاتا ہے۔ پھر وہ ڈرتا ہے کہ کہیں اس سے ترکِ دنیا کا حکم نہ ہو اور نہ ہی اس کے نفس کو خواہشات سے روکنے کا امر ہو جائے۔ بلکہ اب اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ وہ مجاہدات و ریاضات سے نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ ہوتا ہے اور جب تک تزکیۂ نفس و تصفیۂ قلب نہ ہو روح اخلاقِ حق کے زیورات اور وصول الی الحضرۃ کا مقام نصیب نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی للذین احسنوا الحسنیٰ وزیادۃ کے وعدہ سے اسے کچھ نصیب ہوتا ہے اور عدمِ ادائیگی حقوقِ الٰہی کی وجہ سے ہر وقت سزا پائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ کما قال :

ان اللّٰہ لا یظلم مثقال ذرۃ ۔

تفسیر عالمانہ وَاَقْسَمُوْا اور منافقوں نے قسم کھائی۔ یہ دراصل القسامۃ سے ہے۔ ان لوگوں کے قسم کھانے کو کہا جاتا ہے جن پر کسی کے قتل کی تہمت ہو۔ پھر ہر قسم پر اس کا اطلاق ہونے لگا جَھْدَ اَیْمَانِھِمْ الجھد بالفتح بمعنے طاقت ۔ لغت میں بمعنے طاقت اور اصطلاحِ شرع میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ خبر کی دو طرفوں میں سے ایک طرف کو قوت دینا۔

امام راغب نے کہا حلف میں یمین ید سے مستعار ہے باعتبار اس کے کہ اسے مجاہد و معاہد اپنی طرف سے کرتے ہیں۔

الارشاد میں ہے کہ جھدِ کی نصب مصدر ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے کہ وہ اپنے مذکور فعل کی تاکید کرتا ہے اور وہ نصب کے حیز میں ہے کیونکہ وہ اقسموا کے فاعل سے حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں درانحالیکہ وہ اپنی قسموں میں جدوجہد کرتے ہیں۔ اور جہد الیمین کا مطلب یہ ہے کہ قسم اپنے انتہا کو پہنچ گئی ہے جہد نفسہ سے استعارہ ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اپنی وسعت و طاقت کی انتہا کو پہنچے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ شدۃ اور سختی میں وہ یمین کے آخری مراتب تک پہنچنے کی جدوجہد کرتے ہیں۔ مثلاً جو شخص کہے: اقسم باللہ۔ تو اس وقت اس کا مطلب یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے قسم میں پوری جدوجہد کی ہے۔ اور استعارہ کا مطلب یہ ہے کہ جب قسم میں اتنی وسعت و طاقت نہ تھی لیکن منافقین نے اسے طاقت و وسعت کی انتہا تک پہنچایا۔ یہ دراصل یجھدون ایمانھم جھدا فعل کو حذف کر کے مصدر کو مقدم کیا گیا ہے پھر اسے اپنے فعل کے قائم مقام رکھ کر اپنے مفعول کی طرف مضاف کیا گیا ہے جیسے ضرب الرقاب میں مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ منافقوں کی اللہ تعالیٰ کی سخت ترین قسم کھائی۔

لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ اگر آپ انھیں جہاد کے لیے گھروں سے نکلنے کا حکم فرمائیں اس لیے کہ انھوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ ہم ہر وقت آپ کے حکم کے پابند ہیں اور ہر وقت آپ کے ساتھ ہیں اگر آپ گھر سے باہر تشریف لے جائیں گے تو ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے اگر آپ گھر پر رہیں گے تو ہم بھی گھر پر رہیں گے اگر آپ ہمیں جہاد کا حکم فرمائیں گے تو بسر و چشم آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ہم جہاد کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔ لَيَخْرُجُنَّ یہ اقسموا کا جواب ہے اس لیے لئن امرتھم کی لام قسم پر دلالت کرتی ہے اور قاعدہ ہے جو جملہ شرط کے بعد مذکور ہوگا تو قسم کا جواب نہ ہوگا نہ کہ شرط کی جزا۔ ہاں ایسے مقام پر شرط کی جزا محذوف ہوتی ہے پھر وہی جواب قسم جزاء پر دلالت کرتی ہے۔ یہاں پر چونکہ جواب قسم اور جزائے شرط ایک دوسرے کی مماثل ہیں۔ بنا بریں ان میں سے ایک یعنی جواب قسم پر اکتفا کیا گیا ہے۔

ف : ان کا یہ مقولہ جھوٹا تھا اور قسم بھی جھوٹی تھی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ ان کی قسم اور ان کے مقولے کو ان کے منہ پر مار دو۔ کما قال:

قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا اپنے دعویٰ طاعت پر قسمیں نہ کھاؤ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ط یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اور جملہ نہی کی تعلیل ہے یعنی تمہاری طاعت مشہور و معروف ہے یعنی تم صرف زبانی جمع کرتے ہو۔ تمہارے اقوال تمہارے قلبی عزائم کے موافق نہیں۔

ف : ان کی طاعت کو معروفہ سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ ان کے عادات و اطوار اتنے عیاں تھے کہ

عرب کا بچہ بچہ جانتا تھا کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں منافقت سے کہتے ہیں۔ کما فی الارشاد۔

اور بعض مفسرین نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ طاعت سے اخلاص اور صدق نیت مقصود ہے اور تم زبانی جمع خرچ تو بہت کرتے ہو اور جھوٹی قسمیں بھی کھاتے ہو۔ لیکن اس کے بجائے تمہیں اخلاص و صدقِ نیت ضروری ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا کا معنی یہ ہے کہ تم جھوٹی قسمیں مت کھاؤ بلکہ عملی طور پر طاعت بجالاؤ اس لیے کہ طاعت عمل کا نام ہے زبانی جمع خرچی کسی کام کی نہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے سچے حال اور جھوٹے مقال سے بے خبر ہے یا وُہ تمہارے زبانی دعویٰ طاعت اور قلبی طور پر اس کی مخالفت سے آگاہ ہے وہی تمہارے جملہ اعمال کی سزا دے گا۔ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ج فرمایئے کہ فرائض و سنن میں رحمت و قبول کی اُمید پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو فَاِنْ تَوَلَّوْا یہ در اصل تتولّوا تھا اس کی ایک تاء گر گئی ہے۔ یعنی تم امرِ الٰہی سُننے کے بعد اگر منہ پھیرو گے فَاِنَّمَا عَلَیْہِ تو یقین کر لو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مَا حُمِّلَ وہی ہے جس کے وہ مکلّف ہیں یعنی ان کا کام ہے صرف پیغامِ الٰہی پہنچا دینا وَ عَلَیْکُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ اور تم پر وہی ہے جس کے لیے تمہیں حکم ہوا یعنی امرِ الٰہی کو مان کر اس کی اطاعت کرنا۔

ف: اسے حمل سے تعبیر کرنے میں اشارہ ہے کہ حکمِ الٰہی ایک بہت بڑا بوجھ ہے کہ ادا کیے بغیر نہیں اُترتا۔ اور اس وقت تک مامور کے ذمہ رہتا ہے جب تک اسے ادا نہ کرے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہُوا کہ یہ بوجھ تمہارے سر پر رہے گا اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سُن کر رُوگردانی کرو گے تب بھی اس کے ذمہ سے عہدہ بر آ نہیں ہو سکو گے جب تک کہ اسے ادا نہ کرو وَاِنْ تُطِیْعُوْہُ اور اگر تم طاعت کے لیے سرِ تسلیم خم کرو گے تو تَہْتَدُوْا تم ہدایت پا جاؤ گے اور حق کی طرف تمہیں رہبری نصیب ہو گی اور مومن کا اصلی مقصد بھی یہی ہے اور اسی سے تم ہر خیر و برکت کو پا سکو گے اور اسی کی وجہ سے ہر بُرائی سے نجات پاؤ گے۔

نکتہ: اس جملہ کی تاخیر میں راز یہ ہے کہ جس معاملہ میں ترہیب (ڈرانا) کو مقدم کیا جائے تو اس کی ترغیب کی تاکید میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وَمَا عَلَی الرَّسُوْلِ یہاں پر رسول سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں مطلقاً ہر رسول مراد نہیں ہو سکتا اس لیے کہ یہ معرف باللام ہے اور مکرر واقع ہوا ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی اسم معرف و مکرر واقع ہو تو دوسرا پہلے کا عین ہوتا ہے۔

اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ بمعنے تبلیغ موضح یعنی جن امور کی تبلیغ ضروری ہے وہ ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ

واضح اور مکمل طور پر ادا کر چکے ہیں ۔ اب تمہارے ذمہ ہے اگر امرِ الٰہی بجالاؤ گے تو اجر پاؤ گے اگر خلاف ورزی کروگے تو سزا پاؤ گے ۔

ف : حضرت ابُو عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو سنتِ رسول پر التزام رکھتا ہے اس کے ہر قول و فعل سے حکمت کا صدور ہوگا۔

اور جو نفس کی خواہشات پر عمل کرتا ہے اس سے بدعاتِ سیئہ کا ظہور ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کا دارومدار طاعتِ رسول کو بتایا ہے ۔ کما قال ؛

وان تطیعوہ تھتدوا ۔

ف : لبعض مشایخ نے فرمایا کہ تین آیات ایسی ہیں کہ ان کے دو امر آپس میں ایک دُوسرے کے لازم وملزوم ہیں یہاں تک کہ ان کے ایک پر عمل نہ ہو تو دوسرا بھی ناقابلِ قبول ہے' وہ تین آیات یہ ہیں :

(۱) اقیموا الصلٰوۃ و اٰتوا الزکوٰۃ ۔

اس آیت میں نماز اور زکوٰۃ کا حکم ہے ۔ اگر کوئی شخص نماز تو پڑھتا ہے لیکن زکوٰۃ کا منکر ہے تو اس کی نماز بھی قبول نہیں ہوتی ۔

(۲) اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ۔

اس آیت میں اطاعتِ الٰہی و اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اگر کوئی شخص اطاعتِ الٰہی تو بجالاتا ہے لیکن اطاعتِ رسول کا منکر ہے تو اطاعتِ الٰہی اس کے منہ پر ماری جائے گی ۔

(۳) ان اشکرلی ولوالدیك ۔

اس آیت میں شکرِ خداوندی اور شکرِ والدین کا حکم ہے ۔ اگر کوئی شکرِ خدا تو کرتا ہے لیکن والدین کی شکرگزاری سے کتراتا ہے تو اس کا شکرِ خداوندی کا عمل قبول نہ ہوگا ۔

طاعتِ رسول کا نتیجہ خلاصہ یہ کہ طاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ضروری ہے ۔ اللہ تعالیٰ کے حضور میں مقبولیت کی کنجی طاعتِ رسول ہے ۔ اس کی سب سے بڑی دلیل اصحابِ کہف کے کُتے کی مقبولیت ہے کہ جب اس نے اولیاءِ کرام کا دامن پکڑا تو اللہ تعالیٰ نے اسے بہشت عطا فرمائی ۔ غور کیجئے کہ جب کُتا مطیعین کے طفیل بخشا گیا تو مطیعین اپنا کتنا مرتبہ ہوگا ۔

ف : حضرت حاتم الاصم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تین امور کا تین امور کے بغیر دعویٰ کرنا جھُوٹ ہے :

۱ ۔ جو شخص بہشتی ہونے کا دعویٰ کرے لیکن راہِ حق میں خرچ نہ کرے تو وہ جھُوٹا ہے ۔

۲ ۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا دم بھرے لیکن اس کے حرام کردہ امور سے کنارہ نہ کرے تو وہ کذاب ہے ۔

۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت وعشق کا مدعی ہو کر فقراء سے محبت نہ کرے تو وہ بھی جھوٹا ہے۔

ع حُب درویشاں کلیدِ جنّت است

حکایت حضرت امام احمد حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ حمام میں تشریف لے گئے اگرچہ دُوسرے لوگ ننگے نہا رہے تھے لیکن آپ نے کپڑا باندھ کر غسل کیا۔ اس کے بعد خواب میں دیکھا انھیں کہا جا رہا تھا کہ ہم نے تمھیں لوگوں کا امام اس لیے بنایا ہے کہ تم نے شریعت پر عمل کیا ہے۔ مثنوی شریف میں ہے: ؎

زہرو راہِ طریقت ایں بود
کاو باحکام شریعت می رود

ترجمہ: طریقت کی راہ یہی ہے کہ شریعت کے احکام کی پابندی کی جائے۔

(ہم اللہ تعالیٰ سے توفیقِ حق کا سوال کرتے ہیں)

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یہ خطاب کفارِ مکّہ کو ہے۔ اور مِن تبعیضیہ ہے یا یہ خطاب حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے۔ اور مِن بیانیہ ہے۔ ظرف کو درمیان میں لانے میں ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ اصل ایمان ہے اور اعمال اس کی فرع ہیں تمہارے مومنوں اور نیک اعمال والوں سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ یہ قسم کا جواب ہے اور قسم محذوف ہے۔ دراصل عبارت یُوں تھی:

وعد اللہ واقسم لیستخلفنھم۔

یعنی قسم سے مؤکد کر کے ان کے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ وُہ اُنھیں جانشین بنائے گا یا یہ کہ ان کے ساتھ وعدہ قسم کے قائم مقام ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر وعدہ ایفاء یقینی ہے یعنی انھیں عرب وعجم کے کفار کی جملہ املاک کا جانشین بنائے گا کہ ان کی املاک میں شاہانہ طریقہ سے تصرف فرمائیں گے۔ کاشفی نے کہا فی الارض: درزمین کفار ازعرب وعجم۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لیدخلن ھٰذا الدین علیٰ ما دخل علیہ اللیل۔

(یہ دین ان تمام مقامات پہ پہنچے گا جہاں تک رات داخل ہوئی) (یعنی دنیا کے چپّے چپّے پہ دین اسلام کا راج ہوگا)

ف: خلیفہ (نائب) اس وقت مقرر کیا جاتا ہے جب اصل مر جائے یا غائب ہو یا اصل کسی کام کی سرانجامی سے عاجز ہو یا پھر اصل کسی کو شرف بخشتے ہوئے اپنا قائم مقام مقرر فرمائے پہلے تینوں معانی اللہ تعالیٰ کے لیے ممتنع ہیں یہاں پر آخری معنیٰ مراد ہے اور اللہ تعالیٰ کے نائب بنانے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ کریم اپنے اولیاء کو زمین پر تصرف

کرنے کے لیے مقرر فرماتا ہے۔ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ جیسے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا، جیسا کہ فرعون و جبابرہ کے مرمٹنے کے بعد مصر و شام کا خلیفہ بنی اسرائیل کو مقرر فرمایا وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ التمکین بمعنے جعل الشیٔ مکانا لآخر۔ اہلِ عرب کہتے ہیں:

مکن له فی الارض ای جعلها مقرله۔

یعنی فلاں کے لیے زمین کو قرار گاہ بنایا گیا۔

تاج المصادر میں ہے کہ تمکین بمعنے دست دادن و جاے دادن۔

مثلاً کہا جاتا ہے:

مکنتك و مکنت لك۔ یہ نصحتك و نصحت لك کی طرح بلا واسطہ اور لام کے واسطہ سے متعدی ہو کر استعمال ہوتا ہے۔

اور ابو علی نے فرمایا کہ یہاں ردف لکم کی طرح متعدی بہ واسطہ لام استعمال ہوا ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دین کو ایسا مقرر اور ثابت فرمائے گا کہ وہ بلا نزاع اس کے احکام پر عمل کرنے میں مداومت کریں گے الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ ۔الارتضاء بمعنے پسندیدن (کذا فی التاج)

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ خلفاء کی ہر اس جنس کو اپنی امانت کا بوجھ اٹھانے کی قدرت دے گا جن کے لیے اس کے دینی مراتب کی رضا اور خوشنودی ہوگی، اس لیے کہ وہی لوگ اسلام کے ارکان اور ستون ہیں وہی اللہ تعالیٰ کے بندوں کے صحیح ناصح اور حقیقی رہبر ہوتے ہیں۔ یہ چند قسم ہیں:

(۱) حفاظ القرآن والحدیث، انھیں یوں سمجھو کہ گویا وہ دین کے خزانچی ہیں۔

(۲) وہ علماے اصول جو اصحاب بدعت سیئہ و اہلِ عناد کا (دلائل واضحہ سے) رد کرتے ہیں۔ لیکن یہ اپنے اصول میں فلاسفہ کے علوم کو دخیل نہیں بناتے اس لیے فلاسفہ کے علوم بہت بڑی تباہی ہے اور ان سے صرف علمائے راسخین اور اولیاء قائمین بالحق ہی بچ سکتے ہیں اور اسلام کے حقیقی رتبہ بھی یہی بلکہ دین کے شیر یہی حضرات ہیں۔

(۳) فقہاء عبادات و معاملات کے متعلق انہیں سے رہبری حاصل کی جاتی ہے اور دینی امور میں ان کا وہی مرتبہ ہے جو دنیوی امور میں وکلاء اور متصرف فی الملک کا ہوتا ہے

(۴) اہلِ معرفت و اصحابِ حقایق و اربابِ سلوک یعنی اولیاء کاملین در حقیقت اللہ تعالیٰ کے خلفاء یہی حضرات ہیں یہی اقطاب عالم و عمود سماء اور اوتاد الارض ہیں انھیں سے زمین و آسمان کا نظام قایم ہے دین میں ان کی

وہی حیثیت ہے جیسے بادشاہوں کے خواص اور اعیان مجلس سلطان کو حاصل ہوتی ہے اور دین الٰہی سے آباد ہے اور تاقیامت یہ لوگ مختلف طبقات کی حیثیت سے موجود رہیں گے۔[1]

تفسیر عالمانہ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ۔ التبدیل بمعنے جعل الشئ مکان آخر۔ (ایک شے کو دوسری شے سے بدلنا) اور یہ عوض سے نام ہے۔ اس لیے کہ ایک شے دے کر دوسری شے لینے کو عوض کہا جاتا ہے۔ اور تبدیل بمعنے تغیر بھی آتا ہے اگرچہ اس کے عوض کوئی شے بھی نہ دی جائے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ اللہ تعالیٰ انھیں بدل دے گا مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ دشمنوں کے خوف کے بعد اَمْنًا ط طمانیت النفس و زوال الخوف کو امن کہا جاتا ہے۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہجرت سے پہلے دس سال کے عرصہ تک کفار سے خائف رہے۔ پھر جب مدینہ طیبہ میں ہجرت کرکے تشریف لائے تب بھی ہتھیار ساتھ رکھتے تھے کہ کہیں دشمن اچانک حملہ نہ کر دے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وعدہ پُورا فرمایا کہ اہلِ اسلام کو نہ صرف اہلِ عرب پر بلکہ عرب و عجم پر فتحیاب فرمایا ؎

دمبدم صیت کمال دولت خدام او
عرصۂ زمیں را سربسر خواہد گرفت
شاہباز ہمتش چوں برکشاید بال قدر
از ثریا تا ثریٰ در زیر پر خواہد گرفت

ترجمہ: ہر لحظہ اس کے خدام دولت کے آواز دے رہے ہیں کہ وہ زمین کے میدان کو لپیٹ گا۔ جب اس کی ہمت کا باز ہمت کے پر کھولتا ہے تو ثریا تحت الثریٰ تک اپنے پر کی گرفت میں لے لے گا۔

یَعْبُدُوْنَنِیْ یہ الذین امنوا سے حال ہے اور اس لیے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہر انسان کے لیے ہے جو توحید پر ثابت قدمی رکھے لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا ط یہ یعبدوننی کی واؤ جمع سے حال ہے۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ وہ مومن جو میری عبادت کرتے ہیں درانحالیکہ وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ اور جو مرتد ہو جائے وعدہ کے بعد، یا سرے سے کفر پر ڈٹ جائے اور اسلام کی ترغیب و ترہیب پر اثرانداز نہ ہو اور جسے توحید پر دلائل و براہین کا مشاہدہ ہو

---

[1] ہم اسی چوتھے گروہ کو اولیاء، اقطاب، اغواث، ابدال وغیرہم کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن منکرین اولیاء کو انکار ہے۔ اویسی غفرلہٗ

تب بھی ایمان نہ لائے تو وہ اصل کفر کے بعد دوسرے کفر کا ارتکاب کر رہا ہے یا اس کفر سے کفرانِ نعمت عظیمہ مراد ہے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ تو وہی لوگ کافر کامل و مکمل فاسق ہیں یا حدودِ کفر و طغیان میں مکمل طور پر خارج ہونے والے ہیں [1]

خارجیوں کی ابتدا حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ کفران و طغیان ان لوگوں سے ہُوا جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ جب انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تو اللہ تعالیٰ نے اُمت سے امن اٹھا لیا اور پھر اس پر خوف مسلط کر دیا، یہاں تک کہ یا یہ دور تھا کہ وہ آپس میں بھائی بھائی تھے یا یہ وقت زمانے نے دیکھا کہ مسلمانوں نے مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگے۔ اور اللہ تعالیٰ کا قاعدہ ہے کہ وہ کسی سے کوئی نعمت نہیں چھینتا جب تک ان سے ایسے امور سرزد نہ ہوں جو نعمت کے چھن جانے کا موجب بنیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا وضع السیف فی اُمتی لا یرفع عنھا الی یوم القیٰمۃ۔

(میری امت میں جب تلوار اُٹھے گی تو پھر قیامت تک چلتی رہے گی)

مثنوی شریف میں ہے: ؎

ہر چہ با تو آید از ظلمات غم
آں ز بے شرمی و گستاخیست ہم

ترجمہ: تجھ پر جتنے حوادثات و مصائب نازل ہوتے ہیں وہ تیری بدکرداری کا نتیجہ ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک دفعہ میں کسی کے کھیت سے گزرا تو کسان نے مجھے بیل کہہ کر پکارا۔ میں نے دل میں سوچا کہ معمولی غلطی سے تو کسان مجھے بیل کہہ رہا ہے اگر غلطیوں کی کثرت ہو تو نہ معلوم اللہ تعالیٰ کی معرفت کا دروازہ بند ہو جاتا ہوگا۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اس کا عطف مقدرہ جملہ پر ہے جیسا کہ مقام کا تقاضا ہے اصل عبارت یُوں تھی:

فآمنوا و اٰمنوا صالحا و اقیموا الخ

اے لوگو! ایمان لاؤ اور اچھے عمل کرو اور نماز قایم کرو اور زکوٰۃ دو۔

---

[1] اس آیت سے ہم اہلسنت خلفاء اربعہ کی ترتیب اور ان کی حقانیت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اویسی غفرلہٗ

وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو یعنی جتنے احکام وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں ان کی اطاعت کرو۔ یہ جملہ از باب تکمیل ہوگا لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ○ تاکہ تم رحم کیے جاؤ۔ یعنی مذکورہ امور یعنی اقامۃ الصلوٰۃ اور ایتاء الزکوٰۃ اور طاعتِ رسول بجالا کر امید رکھو کہ تم رحم کیے جاؤ گے۔ اس معنے پر یہ امور ثلاثہ مذکورہ کے متعلق ہوگا لَا تَحۡسَبَنَّ یہ خطاب محبوب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور ہر اس شخص کو ہے جو اس خطاب کا اہل ہو خواہ کوئی ہو الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا یہ لا تحسبنّ کا دوسرا مفعول ہے۔ کافروں کے لیے خیال مت کیجیے کہ مُعۡجِزِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یہ العجز سے ہے اور یہ قدرت کی نقیض ہے اور اعجزت فلانا بمعنے میں نے اسے عاجز کیا۔ یعنی کافر اللہ تعالیٰ کو ان کے ہلاک اور تباہ و برباد کرنے میں وہ اسے عاجز نہیں کر سکتے باوجودیکہ زمین وسیع ہے جہاں چلے جائیں اور اس کے جس عصہ میں بھاگ کر نکل جائیں تب بھی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکیں گے۔ وَمَاۡوٰىهُمُ النَّارُ اس کا عطف جملۂ نہی پر ہے جبکہ ہم اسے جملہ خبریہ سے مؤول کریں گے تب یہ عطف جائز ہوگا وَلَبِئۡسَ الۡمَصِيۡرُ مقدر قسم کا جواب ہے اور اس کا مقسم بہ محذوف ہے یعنی بخدا ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ المصیر بمعنے المرجع۔ اور یہ صار الی کذا کے قبیل سے ہے۔ اسی سے صیر الباب ہے۔ جب کوئی اپنے تحرک و تنقل سے فراغت پا کر دروازے تک پہنچے تو کہتے ہیں صیر الباب۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں نعمتِ خداوندی کی ناشکری کرنے والوں کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص نعمتِ خداوندی کو معاصی پر صرف کرتے اور طاعات کے بجائے معصیات میں منہمک ہو تو اسے ہجر و فراق کی آگ میں داخل کیا جائے گا۔ حضرت علی شیرِ خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

حکمِ خداوندی کا کم مرتبہ یہ ہے کہ بندہ اس کی دی ہوئی نعمت کو معصیت پر صرف نہ کرے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

جب تمہارے دو یوم برابر ہوں تو بھی تم اپنے آپ کو ناقص سمجھو۔

عرض کی گئی: وہ کیسے؟

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے نعمت سے نوازا تیرا فرض تھا کہ تو اس کا حق ادا کرتا۔ اور جو شے جس کام کے لیے بنائی جائے اگر وہ اس پر پوری نہ اترے تو اسے ناقص سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً گھوڑا سواری اور دوڑانے بھگانے کے لیے اور تلوار کاٹنے کے لیے۔ ایسے ہی اعضاءِ انسانی بالخصوص زبان شکرِ الٰہی کرنے کے لیے۔ جب یہ اشیا اپنی کارروائی میں پوری نہ اتریں تو ناقص ہوں گی۔ ایسے ہی وہ انسان جو عبادت میں ناقص ہے

(باقی ص ۲۷۹ پر)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ
مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ
الْعِشَآءِ ۣ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ
بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ
مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ
اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ؕ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ
عَلِيْمٌ ۝ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا
عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ
اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ
اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا
دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ع

ترجمہ : اے ایمان والو ! چاہیے تم سے اجازت مانگیں تمہارے مملوک غلام اور وہ جو تم میں ابھی سنِ بلوغ کو نہیں تین اوقات میں نمازِ صبح سے پہلے اور جب دوپہر کے وقت تم کپڑے اتار دیا کرتے ہو اور نمازِ عشا کے بعد اور یہ تین وقت تمہارے پردوں کے ہیں ان اوقات کے سوا تمہارے اوپر اور ان پر کوئی گناہ نہیں ایک دوسرے کے پاس بکثرت آمد و رفت رکھنے میں اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیات بیان فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے اور جب تم میں لڑکے جوانی کو پہنچیں تو اجازت مانگیں جیسے ان سے اگلوں نے اجازت مانگی اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے اور وہ بوڑھی خانہ نشین عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں ان پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اپنے زائد کپڑے اتار رکھیں جبکہ سنگار ظاہر نہ کریں اور اس سے بچنا ان کے لیے اور اچھا ہے اور اللہ تعالیٰ سمیع علیم ہے۔ نہ اندھے پر مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے پر کوئی تنگی ہے اور نہ بیمار پر کوئی حرج ہے اور نہ ہی خود تمہارے لیے کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ کے گھر سے یا اپنی ماں کے گھر سے یا اپنے بھائیوں کے گھر سے یا اپنی بہنوں کے گھر سے یا اپنے چچاؤں کے گھر سے یا اپنی

پھوپھیوں کے گھر سے یا اپنے ماموؤں کے گھر سے یا اپنی خالاؤں کے گھر سے یا ان کے گھر سے جن کی کنجیاں تمہارے اختیار میں ہیں یا اپنے دوستوں کے گھر سے ۔ نہیں یہ گناہ کہ تمام مل کر کھاؤ یا الگ الگ تو ملتے وقت اپنے لوگوں کو سلام کرو اچھی دعا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور مبارک پاکیزہ ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیات بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو ۔

(ص ۲۷۷ سے آگے)

سمجھو کہ وہ اس انسان کی طرح ہے جس کے اعضا ٹوٹے ہوئے اور آلاتِ ضروریہ سے عاری ہیں ۔

ف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو توحید و طاعتِ الٰہی کی دعوت دی جس نے آپ کی دعوت پر لبیک پکاری، اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سعادت عطا ہوئی ۔ اس دعوت کو سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قبول فرمایا اور جن لوگوں نے آپ کی دعوت سے رُوگردانی کی وہ بدبخت تھے اور ان سب کے سردار وہ کافر و منافق ہیں جو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں تھے ۔ پھر جب یہ کافر و منافق طاعتِ الٰہی و طاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ترک کر کے بابِ حق سے بھاگے اور کفر و عصیان پر اصرار کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں دنیا میں بھی سزا دی ۔ مثلاً غزوات میں مارے گئے اور ان کے مال و اسباب لُٹ گئے اور ان کی تمام عمارتیں دوسروں کے قبضہ میں آئیں اور آخرت میں بھی سخت سزا پائیں گے ۔ غور کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ذلیل و خوار بھی کیا لیکن وہ اس کے مقابلہ میں کچھ نہ کر سکے تو پھر یہ لوگ اسے کیسے عاجز کر سکتے ہیں ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی عصمت کے مضبوط قلعہ میں جگہ دے اور اپنی رحمتِ خاص میں ڈھانپے اور بعین عنایت ہماری حفاظت فرمائے ۔

(تفسیر آیاتِ صفحہ گزشتہ)

تفسیر عالمانہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ۔

شانِ نزول : مروی ہے کہ اسماء بنت ابی مرثد کا غلام ایسے وقت میں ان کے گھر چلا گیا جس کا آنا اس وقت ان کے لیے ناگوار ہوا تو یہی آیت اُتری (خازن میں ہے کہ یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تفصیل فقیر کے رسالہ "شرح قطف الثمر" میں ہے اور تفسیر اویسی تحت آیت ہذا میں بھی ۔ اویسی) اے ایمان والو ۔ یہ خطاب تمام مومن مردوں اور عورتوں کو ہے اس لیے کہ تغلیباً مردوں کا نام ہے ورنہ درحقیقت عورتیں بھی اس میں شامل ہیں ۔

لِيَسْتَاْذِنْكُمُ یہ امر کی لام ہے الاستیذان بمعنے طلب الاذن ۔ اور الاذن بمعنے کسی شے کی اجازت و رخصت کی خبر دینا یعنی انھیں چاہیے کہ وہ تم سے اجازت مانگیں الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وہ جن کے کہ تمھارے سیدھے ہاتھ مالک ہوئے ہیں یعنی تمھارے غلام اور لونڈیاں وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ اور وہ بچے جو ابھی سنِ بلوغ کو نہیں پہنچے ۔

نکتہ : بلوغ کے بجائے احتلام کے ذکر میں اشارہ ہے کہ سنِ بلوغ کی سب سے اہم علامت احتلام ہے بلکہ سنِ بلوغ اسی سے ظاہر ہوتا ہے ۔

مسئلہ : بچے کے بالغ ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اگر وہ جماع کرے تو اسے انزال ہو جائے ۔

ف : القاموس میں ہے کہ الحلم بالضم بمعنے احتلام یعنی وہ جماع جو خواب میں ہو احتلام کا اسم الحلم بروزن العنق آتا ہے ۔

سوال : المفردات میں ہے کہ حلم تو عقل کی حقیقت نہیں بلکہ ایک سبب ہے تو پھر اسے علم سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے؟

جواب : کبھی شے اپنے سبب سے بھی موسوم ہوتی ہے اور سنِ بلوغ بھی ایک ایسا سن ہے کہ انسان کے لیے اس وقت لائق ہے کہ اسے عقیل وفہیم کہا جائے ۔

مِنْكُمْ یہ خطاب آزاد لوگوں کو ہے یعنی وہ آزاد جو غلام کی نقیض ہے ثَلٰثَ مَرّٰتٍ تین بار ۔ یہ یستاذن کا ظرف زمان ہے یعنی انھیں چاہیے کہ دن اور رات کے اوقات میں اجازت طلب کریں کیونکہ یہ تین اوقات غرۃ وغفلت کے ہیں ۔ اس کے بعد اب تین اوقات کی تفصیل بتائی مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فجر کی نماز سے پہلے، وہ اس لیے کہ یہی بستروں سے اٹھنے اور نیند کے کپڑے اتار پھینکنے اور بیداری کے بعد کے کپڑوں کے پہننے کا وقت ہے یہ محلاً منصوب ہے اس لیے کہ ثلث مرات سے بدل ہے وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ اور کپڑے اتارنے کے وقت، یعنی ان کپڑوں کے اتارنے کا وقت جو کہ بحالت بیداری پہن رکھے تھے اور یہ عموماً دوپہر کے وقت قیلولہ کے لیے ہوتا ہے کہ گرمی کی وجہ سے یا ویسے ہی عادت کے طور قمیص وغیرہ اتار کر معمولی کپڑوں میں سویا جاتا ہے ۔ چنانچہ فرمایا مِّنَ الظَّهِيْرَةِ یہ حین تضعون الخ کا بیان ہے یعنی دوپہر کی شدت کی گرمی کی وجہ سے القاموس میں ہے کہ الظھیرۃ یعنی حد انتصاف النہار ۔ اور یہ موسم گرما میں ہوسکتا ہے ۔

سوال : کپڑے تو دوسرے دو اوقات میں بھی اتارے جاتے ہیں یہاں صرف اس وقت یعنی قیلولہ کے ساتھ تخصیص کیوں؟

جواب: قیلولہ کی تخصیص اس لیے ہے کہ اوّلاً تو اس میں نیند کرنے کا وقت بہ نسبت دوسرے اوقات کے تھوڑا ہوتا ہے۔ ثانیاً یہ کہ یہ نیند دن میں ہوتی ہے اور دن میں عموماً انسانوں کی آمد و رفت بکثرت رہتی ہے۔ ثالثاً یہ کہ چونکہ ان دوسرے اوقات میں عموماً کپڑے اتارے ہی جاتے ہیں۔ اور وہ ایسا معروف طریقہ ہے کہ جس کی تصریح کی ضرورت ہی نہیں۔

وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اور دوسری عشاء کی نماز کے بعد، اس لیے کہ اس وقت نیند کے لیے کپڑے اتارے جاتے ہیں سردی کی وجہ سے رضائی اوڑھنا یا کم از کم بستر پہ سونا پڑتا ہے۔

ف: عربی میں لحاف ہر اس کپڑے کو کہتے ہیں جو انسان اپنے اوپر اوڑھ لے (ہمارے عرف میں اسے رضائی سے تعبیر کیا جاتا ہے)

ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے دراصل عبارت ھن ثلا ثۃ اوقات تھی۔ لَّكُمْ یہ تینوں ایسے وقت ہیں جن میں عموماً تمہیں چھپ کر رہنا پڑتا ہے اور عورت ہر وہ لباس جس سے ستر ڈھانپا جائے۔

سوال: ان اوقات مذکورہ کو عورات سے کیوں تعبیر کیا گیا حالانکہ یہ اوقات عورات تو نہیں۔

جواب: مجازاً اوقات کو عورات کہا گیا ہے۔ وہ اس لیے کہ قاعدہ ہے کہ شے کو ظرف کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں اس سے مبالغہ مطلوب ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ نہ تمہارے اُوپر ہے اور نہ ہی تمہارے غلاموں اور عام بچّوں پر جُنَاحٌ بلا اجازت تمہارے گھروں میں ان کے داخل ہونے میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ ان اوقاتِ مذکورہ کے علاوہ دوسرے اوقات میں ان کا داخلہ نہ تو مخالفت امرالٰہی کا موجب ہے اور نہ ہی اطلاع علی العورات کا سبب بَعْدَهُنَّ ان تینوں اوقاتِ مذکورہ کے بعد یہ وہی اوقات ہیں جو مذکورہ اوقات میں سے دو وقتوں کے درمیان کا وقت۔ اس لیے کہ اجازت طلبی صرف ان تینوں وقتوں کے لیے ہے ان اوقات کے بعد ایسے باقی جملہ اوقات میں اجازت طلبی کی ضرورت نہیں ہوگی طَوّٰفُوْنَ وہ غلام اور عام بچّے آتے جاتے رہتے ہیں عَلَيْكُمْ تمہارے ہاں یعنی خدمت ا[illegible]ر دیگر امور کے لیے ان کی تمہارے ہاں بہت زیادہ آمد و رفت رہتی ہے اس لیے انھیں ان اوقات [illegible] علا[illegible]ہ اجازت طلبی کی ضرورت نہیں الطواف بمعنے کسی شے کے گرد پھرنا، اسی سے ہے طائف یعنی کعبہ [illegible]، گرد چکر لگانے والا۔ وہ جن جو کسی پر خوف ڈالتا ہے اسے بھی طائف اسی معنے پر کہا جاتا ہے ایسے ہی [illegible] اسی معنے پر طائف کہتے ہیں۔ اور حادثہ کو بھی طائف سے تعبیر کیا جاتا ہے (علاوہ ازیں ج[illegible] [illegible] سے مناسبت ہوگی اسے طائف کہا جائے گا۔ بَعْضُكُمْ تمہارے بعض کی عَلٰى بَعْضٍ ا[illegible]ر ان کے ہاں آنا جانا ہوتا ہے۔ مثلاً تم ان غلاموں اور عام بچّوں کو خدمت کے لیے بلاؤ گے۔ اگر

بر آمد و رفت کے لیے اجازت طلبی ضروری ہو تو بہت بڑا حرج ہوگا۔ اسی لیے ان اوقاتِ مذکورہ کے علاوہ دیگر اوقات میں اجازت عام کر دی گئی تاکہ کاروبار کے لیے ہر ایک دُوسرے کے ہاں بلا تکلف آجا سکے۔ كَذٰلِكَ یہ اشارہ اس فعل کے مصدر کی طرف ہے جو بعد کو آرہا ہے اور کاف زائدہ ہے۔ یعنی مثل ذٰلك التبیین۔ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ اللہ تعالیٰ ایسی آیات بیان فرماتا ہے جو احکام پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں۔ یعنی وہ آیات جو اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے وہ خود بخود واضح دلالت کرنے والی ہیں اس کا معنیٰ یہ نہیں کہ وُہ پہلے اتنی واضح نہیں تھیں۔ لیکن پھر جب اللہ تعالیٰ نے انھیں نازل فرمایا تو واضح الدلالات ہوگئیں۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ جملہ معلومات کو خوب جانتا ہے اسی لیے تمہارے حال سے بھی باخبر ہے حَكِيْمٌ ○ وُہ جملہ امور کی حکمتوں کو جانتا ہے اسی لیے تمہاری معاش و معاد کے متعلق جو امور مفید تھے وہی تمہارے لیے نازل فرماتے۔

ف : حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دو عراقی شخصوں نے اس آیت کے متعلق سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سِتّیر ہے اور ستر کو پسند فرماتا ہے۔ اور عرب قدیم کی عادت تھی کہ وہ اپنے ہاں نہ تو دروازوں پر پردہ لٹکاتے تھے اور نہ ہی دروازے پر کوئی رکاوٹ تھی جس سے تکلیف یہ ہوتی کہ اگر کوئی اپنے لڑکے کے گھر ایسے وقت چلا جاتا جو لڑکے کے لیے ناگوار گزرتا ایسے ہی دوسرے اقارب یا خدام یا دوسرے دوست احباب کا حال تھا۔ اس تکلیف کو دُور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجازت طلبی کا حکم نازل فرمایا۔ پھر جب مسلمانوں کو وسعت ہُوئی اور رزق فراواں نصیب ہُوا تو دروازوں پر پردے لٹکائے یا دروازوں کو اونچا اور بہتر بنایا تو پھر یہی امور خود بخود اجازت طلبی کے قائم مقام ہوئے۔ اب مزید اجازت طلبی کی ضرورت نہیں رہی۔

قاعدہ شرعیہ : اس سے معلوم ہُوا کہ جب علّت ختم ہو جائے تو حکم بھی ختم ہو جاتا ہے جیسے موجودہ دور میں ہر قسم کے لباس و معاش اور جدید طریق کے مکانات وغیرہ کے استعمال کی اجازت ہے بشرطیکہ اس سے کبر و غرور پیدا نہ ہو۔

ف : حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا :

اذا وسع اللّٰه علیکم فوسعوا علیٰ انفسکم۔

(جب اللہ تعالیٰ مالی وسعت عطا فرمائے تو بے شک دل کھول کر خرچ کرو)

ف : یہ عموم عورت کے لیے نہیں اس لیے کہ عورت کی عقل پر شہوت نفسانی کا غلبہ ہوتا ہے اسی لیے اس کے لیے اجازت نہیں کہ مالی وسعت پر جیسے چاہے کرے۔

حدیث شریف : حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

ان اللّٰہ یحب ان یری اثر نعمتہ علیٰ عبدہٖ۔

(اللّٰہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی دی ہوئی نعمت کا اثر دیکھنا چاہتا ہے)

یعنی جسے اللّٰہ تعالیٰ دنیوی دولت سے نوازے اس کے لیے اللّٰہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ بندہ اس نعمت کو یوں ظاہر کرے کہ اچھے کپڑے پہنے۔

مسئلہ : بہترین لباس وغیرہ پہننے میں اللّٰہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کو ظاہر کرنا مطلوب ہو اور یہ ارادہ بھی کرسکتا ہے کہ اس کے ٹھاٹھ کو دیکھ کر فقراء و محتاج اس سے زکوٰۃ و خیرات طلب کرسکیں۔

مسئلہ : فرصت و فراغت ہونے کے باوجود بھی پھٹے پرانے کپڑے پہنے تو اسے تواضع میں شامل نہیں کیا جائے گا۔

مسئلہ : آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو اگر فرصت ہو تو وہ خدمات کے لیے غلام اور کنیزیں رکھ سکتا ہے بشرطیکہ ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔

مسئلہ : آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غلام اور کنیز پر اپنے مولیٰ کی خدمت ضروری ہے۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے فرمایا :

حسنۃ الحر بعشر وحسنۃ المملوک بعشرین۔

(آزاد مرد کی ایک نیکی کا ثواب دس گنا اور غلام کا بیس گنا زاید ثواب ہے)

ف : یہ اس غلام کے لیے ہے جو اللّٰہ تعالیٰ کی عبادت میں بھی کوتاہی نہیں کرتا اور اپنے آقا کی خیر خواہی میں بھی کسر نہیں چھوڑتا بلکہ پُرخلوص ہو کر اس کے جملہ امور نیک اسلوبی سے سرانجام دیتا ہے۔ کذا فی شرح مشارق الانوار۔

مسئلہ : نصاب الاحتساب میں ہے کہ ضروری ہے کہ گھر کے اندرونی امور کے لیے لونڈی خدمت کے لیے مقرر کی جائے اور بالغ غلام کو گھر پر نہ رکھا جائے۔ اس لیے کہ اجنبی لوگوں کی بہ نسبت گھر پر رہنے والا غلام زیادہ نقصان کا موجب بنتا ہے اس لیے گھر پر آنے جانے سے اس کے دل سے مالک کی ہیبت اُٹھ جائے گی اور غیر محرم ویسے ہے پھر شہوت کا غلبہ خود بخود نقصان کا سبب بنے گا۔ اسی لیے اہلِ عرب نے کہا :

من اتخذ عبد الخدمۃ داخل البیت فھو کسحان (بالسین المہملہ بمعنیٰ اعرج او مقعد)

یعنی جس نے اندرونی امور کے لیے غلام کو خدمت کے لیے رکھا وہ لنگڑا ہے۔

حکایت کسی بزرگ نے غلام خریدا تو اسے کہا گیا بورک لک فیہ (آپ کو غلام خریدنے کی مبارک) ۔ اُنھوں نے فرمایا : مبارک اسے دی جائے جو اپنی خدمت خود کرے غیر کی خدمت لینے سے

بچے، اس طرح سے اس کی ذمہ داری کم اور تکالیف میں تخفیف ہو گی اور گھریلو سیاست بھی صحیح رہے گی۔

نکتہ: ہر مرد اپنے گھر میں بمنزلہ قلب کے ہے اور باقی افراد بمنزلہ اعضاء کے۔ اور ظاہر ہے کہ قلب کی خدمت سے ہی اعضاء کی خدمت ہو سکے گی۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ بچہ اگرچہ ابھی بالغ نہ ہوا ہو لیکن سمجھدار ہو تو اسے شرائع و احکام کی پابندی کا حکم دیا جائے گا اور برائیوں کے ارتکاب سے روکا جائے گا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بچوں کو بھی ان اوقات میں کسی کے گھر پر جانے کے لیے اجازت طلبی کا حکم فرمایا ہے۔

حدیث شریف: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مروهم بالصلاة وهم ابناء سبع واضربوهم على تركها وهم ابناء عشر۔

(بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور اگر وہ نماز ترک کر دیں تو انہیں پیٹو اگر وہ دس سال کے ہوں)

ف: قبل بلوغ نماز کا حکم اس لیے ہے تاکہ اس کی عادت اچھی ہو اور بلوغ کے بعد آسانی سے نیکی کا کام کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے بچپن میں سنہری اور ریشمی لباس پہننا منع ہے تاکہ بلوغ میں اسے ممنوعہ لباس پہننے کی عادت نہ ہو۔ کما فی القہستانی۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ؎

بخردی درش زجر و تعلیم کن
بہ نیک و بدش وعدہ و بیم کن

ترجمہ: بچپنے میں ہی اسے زجر و تعلیم کر اسے نیکی اور برائی کے وعدہ و خوف کی خبر سنا۔

مسئلہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب بچہ دس سال کا ہو جاتا ہے تو اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور برائیاں نہیں لکھی جاتیں۔ بالغ ہونے تک ایسے ہوتا ہے۔

مسئلہ: الاشباہ میں ہے کہ نابالغ کی عبادت جائز ہے اگرچہ اس پر کوئی شے واجب اور فرض نہیں ہے۔

مسئلہ: اس میں اختلاف ہے کہ اس کی نیکی کا ثواب کسے ملے گا۔ صحیح یہ ہے کہ نیکی کا ثواب اسے خود ملے گا۔ اس کے سکھانے والے کو صرف تعلیم کا ثواب عطا ہو گا۔ ایسے ہی اس کی ہر نیکی کا حکم ہے۔

مسئلہ: اجنبیہ عورت کے لیے وہ بالغ کی طرح نہیں بلکہ وہ قبل بلوغ غیر محرم عورتوں کو دیکھ سکتا ہے اور ان کے ساتھ تنہا بھی بیٹھ سکتا ہے اور ان کے ہاں آمد و رفت رکھ سکتا ہے۔ سن بلوغ پندرہ سال ہے۔ کما فی الملتقط۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

پسر چوں زدہ بر گذشتہ سنین
زنا محرماں گو فراتر نشین
بر پنبہ آتش نشاید فروخت
کہ تا چشم برہم زنی خانہ سوخت

ترجمہ: لڑکا جب دس سال سے متجاوز ہو تو اسے حکم دو کہ وہ غیر محرموں کے ساتھ نشست و برخاست بند کر دے ورنہ اس کی مثال یوں ہو گی کہ روئی پر آگ ڈالو تو آنکھ جھپکنے سے پہلے تمام گھر جل کر راکھ ہو جائے گا۔

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ جب اجنبی اور آزاد بچے بالغ ہو جائیں۔

مسئلہ: اس شرط سے بالغ غلام کا حکم ثابت ہوا کہ اسے اپنی مالکہ کے گھر جاتے وقت اجازت کی ضرورت نہیں لیکن ان اوقاتِ ثلاثہ میں بلا اجازت یہ بھی نہیں جا سکتا۔ چنانچہ التتمہ میں لکھا ہے کہ غلام اپنی مالکہ کے ہاں اس کی اجازت کے بغیر جا سکتا ہے۔ اس پر امت کا اجماع ہے۔

فَلْيَسْتَأْذِنُوا تو انھیں چاہیے کہ اجازت لیں جب تمہارے ہاں حاضری کا ارادہ کریں كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ ان کی طرح جو سنِ بلوغ کو پہنچے ہیں مِن قَبْلِهِمْ جو ان سے پہلے بالغ ہوئے یا وہ جن کا ذکر پہلے گزرا۔ چنانچہ اسی سورۃ میں انہیں لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستأنسوا میں بیان کیا گیا ہے۔ اب آیت کا معنیٰ یہ ہو گا کہ یہ ان کی طرح اجازت لیں جیسے مذکور لوگ اجازت چاہتے تھے۔ مثلاً جب تمہارے ہاں آئیں تو تم سے اجازت مانگیں۔ پھر اگر انھیں کہا جائے کہ چلے جاؤ تو چلے جائیں۔

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝ ایسے ہی اللہ تعالیٰ اپنی آیات بیان فرماتا ہے اور وہ علیم حکیم ہے تکرار اجازت طلبی کے مسئلہ کو مؤکد کرنے کے لیے اور اس میں مبالغہ مقصود ہے۔

بلوغت کی علامات بالغ ہونے کی تین علامات ہیں:

(۱) حاملہ کرنا
(۲) انزالِ منی
(۳) احتلام

یہ لڑکے کی بلوغت کی نشانیاں ہیں۔ اور لڑکی کی علامات چار ہیں:

(۱) انزالِ منی

(۲) احتلام

(۳) حمل

(۴) حیض

اگر کسی بیماری یا اور وجہ سے حیض کا نہ پایا جانا بلوغت کے منافی نہیں۔ تو پھر سنِ بلوغ پندرہ سال کی مدت ہے، اسی پر فتویٰ ہے اس لیے کہ آج کل عمریں بہت کم ہوگئی ہیں۔

اسّی سال کے بعد احتلام بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہے: پہلے دَور میں اسّی سال کے بعد انسان کو احتلام ہوتا تھا۔

آدم علیہ السلام کے ننھے بیٹے کی عمر حضرت وہب سے منقول ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا سب سے چھوٹا بیٹا دو سو سال کی عمر میں فوت ہوا۔

مسئلہ: لڑکے کے سنِ بلوغ کی ادنیٰ مدت بارہ سال ہے۔

اسقاط کا ثبوت (ہم اہلسنت میّت کے لیے اسقاط کرتے ہیں تو وہابی دیوبندی انکار کرتے ہیں حالانکہ اسلام میں یہ مسئلہ رائج ہے۔ چنانچہ صاحبِ رُوح البیان قدس سرہٗ نے فرمایا:)

ولذا تطرح هٰذه المدة من سن الميت الذكر ثم يحسب ما بقي من عمره فتعطى فدية صلاته على ذٰلك۔

(اسی بنا پر کہ لڑکا بارہ سال کے بعد بالغ ہوتا ہے۔ اسقاط دیتے وقت بارہ سال چھوڑ کر باقی عمر کا فدیہ دیا جاتا ہے)

ف: ایسے ہی لڑکی کی بلوغت کی ادنیٰ مدت نو سال ہے۔ یہی مختار مذہب ہے۔ اسی لیے عورت مر جائے تو نو سال چھوڑ کر باقی عمر کا اسقاط کیا جائے۔ یہ انسان کی ظاہری بلوغت کی علامات ہیں۔

باطنی سِنِ بلوغ کیا ہے باطن کا سنِ بلوغ یہ ہے کہ چالیس سال کی عمر کے بعد اس کے لیے حقیقت کے راز کا پردہ اٹھتا ہے اور بعض کو بچپن میں ہی یہ علامات نصیب ہو جاتی ہیں۔

ارشادِ ایوب علیہ السلام سیّدنا ایوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر بڑے اور چھوٹے کے دل میں بیج بوتا ہے اور جسے بچپن سے ہی حکیم بناتا ہے تو بڑے سن والوں کی نظروں میں اس کی قدر و قیمت وہی ہوتی ہے جو کبیر السن حکماء کی۔

حکایت حضرت حسین بن فضل بعض دانشمندوں کے ہاں تشریف لے گئے آپ اس وقت بچے تھے اور

اس دانشمند کے ہاں بہت سے اہلِ علم وفن جمع تھے جب حسین بن فضل نے کچھ کہنا چاہا تو اس دانشمند کو یہ کہہ کر بولنے سے روک دیا کہ ایسے اہلِ علم وفضل کے مجمع میں بچوں کا بولنا اچھا نہیں۔ حسین بن فضل نے فرمایا کہ میں اگرچہ چھوٹا ہوں لیکن ہُدہُد سے کم نہیں۔ اور آپ اگرچہ بڑے ہیں لیکن سلیمان علیہ السلام سے بڑھ کر نہیں (یعنی مجھ سے چھوٹا ہُدہُد اگر بہت بڑی قدر و منزلت والے سلیمان علیہ السلام کی مجلس میں بول سکتا ہے تو میں بھی تیرے سامنے گفتگو کر سکتا ہوں) چنانچہ ہُدہُد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو کہا احطت بما لم تحط به (میں نے اس کا احاطہ کیا جہاں تم نے احاطہ نہیں کیا)

حکماء کی حکمتیں حکماءؒ نے فرمایا کہ تونگری ہُنر سے ہے نہ کہ مال سے، اور بزرگی عقل سے ہے نہ کہ سن سے۔ یعنی انسان کی فضیلت کا دار و مدار بڑے چھوٹے پر نہیں بلکہ علم و ہُنر پر ہے۔

حضرت زید بن امام زین العابدین اور ہشام بن عبدالملک حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہما کو ہشام بن عبدالملک نے کہا کہ آپ کا دعویٰ خلافت غلط ہے اس لیے کہ آپ اس کے اہل نہیں کیونکہ آپ کنیز زادے ہیں۔ آپ نے اسے جواب میں فرمایا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی کنیز زادے تھے اگرچہ حضرت اسحٰق علیہ السلام ایک آزاد بی بی سے پیدا ہوئے۔ لیکن کنیز زادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے، وہ ذات پیدا ہوئی جس پر کل کائنات کو فخر ہے یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چہ غم ز منقصت صورت اہلِ معنی را
چو جان ز روم بود گو تن از حبش می باش

ترجمہ: اہلِ معنی کو ظاہری صورت کے نقص سے غم نہیں ہوتا جب وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی روح منور ہے تو پھر ظاہری جسم، اگرچہ حبشی ہو تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

چو کنعان را طبیعت بے ہُنر بود
پیمبر زادگی قدرش نیفزود
ہنر بنما اگر داری نہ گوہر
گل از خارست و ابراہیم از آذر

ترجمہ: چونکہ کنعان بن نوح کی طبیعت ہُنر سے خالی تھی اسی لیے اسے پیغمبر کے بیٹے ہونے نے

فائدہ نہ دیا۔ اگر تیرے پاس ہُنر ہے تو وہی دکھاؤ گوہر دکھانے کی ضرورت نہیں اس لیے کہ خار سے گُل اور آزر[1] سے ابراہیم علیہ السلام پیدا ہُوئے۔

وَالْقَوَاعِدُ یہ مبتدا، اور قاعدہ کی جمع ہے۔

سوال: فاعل کی جمع فواعل نہیں آتی۔

جواب: جب فاعل کو مؤنث کے معنے میں استعمال کیا جائے تو اس کی جمع فواعل آتی ہے۔ یہاں پر یہ صیغہ مؤنث کے لیے استعمال ہوا ہے۔

ف: اگر قعود بمعنے جلوس ہو تو مؤنث کے لیے لفظ قاعدۃ استعمال ہوگا۔ جیسے لفظ حامل کہ اگر اس میں حمل سے حملِ بطن مراد ہو تو حامل استعمال ہوگا۔ اگر اس سے پیٹھ پر بوجھ اٹھانے والی عورت مراد ہو تو حاملۃ استعمال ہوگا۔ ایسے ہی یہاں پر قاعد سے وہ عورت مراد ہے جو بچّہ جننے اور حیض سے فارغ ہو۔ یہی معنیٰ قاموس میں ہے۔

مِنَ النِّسَآءِ یہ قواعد کی ضمیر مستتر سے حال ہے۔ یعنی وہ بُوڑھی عورتیں جو بچّہ جننے اور حیض سے فارغ ہوں۔ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا یہ قواعد کی صفت ہے نہ کہ النساء کی۔ یعنی وہ بوڑھی عورتیں جو بڑھاپے کی وجہ سے اب خواہش نہیں رکھتیں۔ ہم نے بڑھاپے کی قید اسی لیے لگائی ہے کہ بعض عورتیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ اگرچہ وہ حیض سے فارغ ہوتی ہیں بلکہ نکاح کی رغبت ان میں پائی جاتی ہے۔ (بلکہ فقیر اویسی غفرلہٗ کہتا ہے کہ عورت کو مرتے دم تک یہ رغبت نہیں چھوڑتی۔ ایک حکایت[2] حاشیہ پر پڑھیے اور مزید تفصیل تفسیر اویسی میں دیکھیے) یعنی وُہ عورتیں بڑھاپے سے نہیں چاہتیں کہ ان سے کوئی شخص نکاح کرے فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ جملہ مبتدا کی خبر ہے اور جناح بمعنے اثم و وبال ہے اَنْ یَّضَعْنَ اس میں کہ وہ مردوں کے سامنے اتار لیں ثِیَابَهُنَّ فالتو کپڑے، جیسے پردے کی بڑی چادر

---

[1] شعراء عام اقوال کو اپنے اشعار میں لاتے ہیں ورنہ حقیقۃً ان کا وہ مذہب نہیں ہوتا جیسا کہ ہم نے صدائے نوی شرح مثنوی میں تفصیل سے لکھا ہے۔

[2] صاحب نفحۃ الیمن نے لکھا کہ ایک شخص گٹھڑی کاندھے پر رکھ کر طواف کر رہا تھا، کسی نے کہا گٹھڑی اتار کر طواف کیجئے۔ اس نے کہا یہ میری ماں ہے میں اس کا وہ حق ادا کر رہا ہوں جو اس نے مجھے دورانِ حمل اٹھایا۔ اس شخص نے کہا اس کا حق یوں ادا ہوگا کہ اس کا کسی سے نکاح کر دو۔ وہ ناراض ہونے لگا کہ میری بوڑھی ماں کے متعلق ایسے کہتا ہے۔ وہ شخص دیکھ رہا تھا کہ اس کی ماں اسے مُکّے مار رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ وہ تجھے حق بات کہتا ہے اور تو اس سے ناراض ہو رہا ہے۔ اویسی غفرلہٗ

یا وُہ بڑا دوپٹہ جو سر ڈھانکنے کے باوجود بعض بُوڑھی عورتیں اوپر اوڑھتی ہیں غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَۃٍ ؕ یہ یضعن کی ضمیر سے حال ہے اور وہ چیزیں جن کا چھپانا ضروری ہے ان کے اظہار میں تکلف کا نام تبرج ہے اور یہ عورتوں کو حکم ہے کہ جن اعضاء کا مردوں کے سامنے چھپانا ضروری ہے انہیں ہر حال میں چھپائیے۔ اب معنٰی یہ ہُوا کہ وہ عورتیں زینتِ خفیہ جیسے کنگن، پازیب اور ہار، کو چھپائیں۔ ہاں بوقتِ ضرورت انھیں ظاہر کریں۔ یا اتارنے کی ضرورت ہو تو اتار دیں اس میں ان کے لیے کوئی حرج نہیں وَ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ اور اشیاء مذکورہ کے ترک وضع میں عفت چاہیں۔

ف: نفس کو اس حالت کا حاصل ہونا جو اسے غلبۂ خواہشِ نفس سے روکے اسے عفت کہا جاتا ہے۔

یہ جملہ مبتدا اور خَیْرٌ لَّھُنَّ اس کی خبر ہے یعنی ان کا عفت طلب کرنا ان کے لیے بہتر ہے اس حالت سے کہ وہ فالتو لباس اتاریں کیونکہ عفت میں تہمت اور الزام کی مورد نہیں ہوں گی وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کی ہر بات سُنتا ہے اور وُہ ان کی وہ باتیں بھی سُنتا ہے جو ان کے اور مردوں کے درمیان واقع ہوتی ہیں علیمٌ، علیم ہے، وہ ان کے جملہ مقاصد کو جانتا ہے۔

ف: اس میں بُری باتوں سے اجتناب کی ترہیب ہے۔

مسئلہ: ایسی بڑھیا کو دیکھنا جائز ہے جس کو دیکھنے سے شہوت نہ ہو۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ جب انسان سے فتنہ میں ڈالنے والے امور دُور ہو جائیں اور آفات و بلیات کا جوش ختم ہو جائے تو اسے ذہنی طور پر سکون مل جاتا ہے اور وہ مشکلات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے لیے سکون ہی سکون ہوتا ہے۔ لیکن یاد رکھو فتوٰی سے تقوٰی اوپر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وان یستعففن خیرلھن۔

حدیث شریف میں ہے:

لا یبلغ العبد ان یکون من المتقین حتی یدع ما لا بأس به حذرا مما به بأس۔

(بندہ متقین کے مراتب کو اس وقت تک نہیں پہنچتا جب تک کہ وہ امور بھی نہ ترک کر دے جو اس کے لیے جائز ہیں لیکن جواز پر عمل کرنے سے برائی کے ارتکاب کا خطرہ ہے)

حکایت: حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بفضلہٖ تعالیٰ اُمِّ عبداللہ (یعنی زوجۂ خود) کے سوا میں کسی عورت سے وطی نہیں کی نہ بیداری میں نہ خواب میں۔ یہاں تک کہ خواب میں مجھے خیال گزرتا تھا کہ یہ بیگانی عورت ہے اس کا دیکھنا گناہ ہے خواب میں ہی میں اس عورت سے منہ پھیر لیتا تھا۔

جب خواب میں اس کو دیکھنے کو جائز نہیں سمجھا جاتا تو پھر اس سے وطی کیسے ہو سکتی تھی۔ اسی لیے بعض مشائخ نے فرمایا: کاش! مجھے بیداری میں وہی عقل نصیب ہوتی جو حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ کو خواب میں نصیب تھی۔

تفسیر صوفیانہ فتوحات مکیہ میں ہے کہ متقی پر لازم ہے کہ وہ اپنے خیال پر قابو پائے۔ وہ جیسے اپنے ظاہر پر قابو رکھتا ہے کہ اس سے برائی کا ارتکاب نہیں ہونے دیتا ایسے ہی خیال پر قابو پائے کہ اس میں غلط تصوّر نہ آنے دے۔ کیونکہ خیال حس کے تابع ہے۔ اسی لیے شیخ پر لازم ہے کہ اس مرید کی سرزنش کرے جسے احتلام ہو اس لیے کہ اگرچہ احتلام خواب کی بات ہے لیکن اس کا تصور بیداری میں نہ ہوتا تو اس کا وقوع بھی نہ ہوتا کیونکہ خواب میں وہ شہوت اثرانداز ہوتی ہے جو خیال میں ہو۔ اس سے صاحبِ کمال مستثنیٰ ہے۔ یعنی صاحبِ کمال کو بھی احتلام ہوتا ہے لیکن اس خیال میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ ان کے اعضاء باطنی میں کسی عضو پر مرض کا حملہ ہوگا یا اس کے مزاج میں کسی بیماری سے خرابی ہو گی جو احتلام کا موجب بنی ہو گی (جیسے بعض آدمیوں کو سونے سے پہلے گرم پانی وغیرہ پینے سے احتلام ہو جاتا ہے) بنا بریں ان کا احتلام نہ اپنی عورت پر ہو گا نہ بیگانی پر۔ بلکہ سوءِ مزاجی کی وجہ سے منی کا اخراج ہوا جسے شرعاً تو احتلام کہا جا سکتا ہے لیکن حقیقۃً نہیں۔

مسئلہ: منہ کھلا رکھنے میں بوڑھی عورت مرد کی طرح ہے۔ لیکن بالکل مردوں کی طرح کھلے منہ بھی نہ رہے۔

حکماء کی حکمت کا بیان کسی حکیم نے فرمایا کہ مرد کی زندگی کا آخری نصف بہتر ہوتا ہے اس لیے کہ پچھلے حصۂ زندگی میں مرد کا جہل چلا جاتا ہے اور حوصلہ بڑھ جاتا ہے اور رائے پختہ ہو جاتی ہے۔ اور عورت کی زندگی کا آخری حصہ برا ہوتا ہے اس لیے کہ پچھلی عمر میں عورت پر بدخلقی کا غلبہ ہوتا ہے اور اس کی زبان میں تیزی آجاتی ہے اور بچہ جننے کے قابل نہیں رہتی۔

ف: نکاح کی امید کا انقطاع بوڑھے مردوں سے ہوتا ہے نہ کہ بوڑھی عورتوں کی جانب سے۔

حکایت منقول ہے کہ ایک بڑھیا بیمار ہو گئی اس کا بیٹا اس کے علاج کے لیے طبیب کو لایا۔ طبیب نے دیکھا کہ بڑھیا بہترین لباس میں ملبوس ہے۔ طبیب نے کہا اس کا علاج یہ ہے کہ اس کا کسی سے نکاح کر دو۔ بڑھیا کے بیٹے نے کہا اب اس کے نکاح کا کیا معنی! بڑھیا بولی: بیوقوف! تو طبیب سے زیادہ سمجھ رکھتا ہے!

حکایت حسن بصری و رابعہ بصریہ منقول ہے کہ جب رابعہ بصری کا شوہر فوت ہوا تو حضرت حسن بصری اپنے مریدین سمیت اس کے ہاں تشریف لے گئے۔ تو رابعہ بصری رضی اللہ عنہا نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کے سامنے پردہ لٹکا دیا اور پردے کے

پیچھے بیٹھ کر حضرت حسن بصری اور آپ کے مریدین سے ہم کلام ہوئیں ۔ حضرت حسن بصری اور آپ کے مریدین نے کہاکہ آپ کا شوہر فوت ہوگیا اب صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ۔ بی بی نے کہا آپ حضرات کا شکریہ، لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ تم میں سب سے بڑا عالم کون ہے تاکہ عدت گزارنے کے بعد میں اس سے نکاح کرسکوں ۔ سب نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کا نام بتایا ۔ آپ نے فرمایا : اگر وہ مجھے چار سوالوں کا جواب دے دیں تو پھر میں ان کی ، وہ میرے ۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آپ سوالات سنائیں اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق بخشی تو ان کا جواب ضرور عرض کروں گا ۔ بی بی صاحبہ نے فرمایا کہ میرا پہلا سوال یہ ہے کہ میرا خاتمہ ایمان پر ہوگا یا کیونکر؟ حضرت حسن بصری نے جواب دیا ، یہ غیبی معاملہ ہے یہ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا ۔

پھر بی بی صاحبہ نے پوچھا : جب میں قبر میں جاؤں گی اور مجھ سے منکر نکیر سوال کریں گے تو کیا میں ان کا صحیح جواب دے سکوں گی ؟

حضرت حسن بصری نے فرمایا : یہ بھی غیبی معاملہ ہے ۔

پھر بی بی نے کہا : قیامت میں جب خلقِ خدا کو ایک جگہ پر جمع کیا جائے گا اور اعمال نامے اڑا کر بعض کو دائیں ہاتھ میں اور بعض کو بائیں ہاتھ میں دئے جائیں گے ۔ آپ بتائیں کہ میرا اعملنامہ مجھے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا یا بائیں ہاتھ میں ۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؛ یہ بھی علوم غیبیہ سے ہے ۔

پھر بی بی رابعہ بصری رحمہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب قیامت میں خلقِ خدا کو پکارا جائے گا کہ بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں جائیں گے، بتائیے میں کس گروہ میں ہوں گی ؟

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ بھی منجملہ امور غیبیہ سے ہے ۔

بی بی رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا : جسے ان چار امور کی ہر وقت فکر ہو وہ نکاح کا خیال کیسے کرسکتا ہے ۔ (یعنی میں چونکہ ہر وقت ان چار امور میں متفکر رہتی ہوں اس لیے اب میرے لیے کسی سے نکاح کرنا مشکل ہے)

بی بی رابعہ بصریہ کے دیگر سوالات

مذکورہ بالا سوالات کے علاوہ بی بی رابعہ بصری نے حضرت حسن بصری سے سوال کیا کہ اے حسن! بتائیے اللہ تعالیٰ نے عقل کے کتنے اجزا بنائے ؟

حضرت حسن نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے عقل کے دس اجزا بنائے ، نو اجزا مردوں کو اور ایک عورتوں کو عطا ہوا ۔

پھر پوچھا کہ شہوت کے کتنے اجزا پیدا فرمائے ؟

حضرت حسن بصری نے فرمایا: دس۔ ان میں سے نو اجزا عورتوں کو اور ایک مردوں کو۔

اس کے بعد بی بی رابعہ نے فرمایا: اے حسن! میں عورت ہونے کے باوجود شہوت کے نو اجزاء کو عقل کے ایک جُز سے قابو میں رکھے ہُوئے ہُوں۔ تم مرد ہو کر عقل کے نو اجزاء کے ساتھ شہوت کے ایک جُز کو قابو کیوں نہیں کرتے؛

حضرت حسن قدس سرہٗ بی بی رابعہ رحمہا اللہ کا یہ سوال سُن کر رو پڑے اور نہایت خاموشی سے اپنے مریدین سمیت وہاں سے چل دیے۔

فرمانِ سلیمان علیہ السلام مروی ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ شہوت پر غالب ہونے والا اس شخص سے بہتر ہے جو تنہا کافروں کے کسی شہر کو فتح کر لیتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

مبر طاعت نفس شہوت پرست

کہ ہر ساعتش قبلۂ دیگر ست

ترجمہ: نفسِ شہوت پرست کا کہا مت مان، جس نے ہر گھڑی نیا قبلہ بنایا ہو۔

تفسیرِ عالمانہ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ نہیں نابینا پر کوئی حرج یعنی گناہ اور وبال وَلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ اور نہیں لنگڑے پر کوئی حرج۔

حلِ لغات الاعرج، العروج سے ہے بمعنے ذھاب فی صعود یعنی اوپر کو جانا۔ اور عرج بمعنے مشٰی مشی العارج۔ یعنی وہ اوپر کو جانے والے کی طرح چلا از باب دخل۔ اور یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کے پاؤں کو کوئی تکلیف پہنچے تو پھر اس شخص کی طرح چلے جو چڑھائی پر چلتا ہے۔ یعنی لنگڑا ہو کر۔ اور عرج بر وزن طرب۔ وہ شخص جس کا لنگڑا پن پیدائشی ہو۔

خلاصہ یہ کہ یہاں اعرج بمعنے لنگڑا ہے خواہ پیدائشی ہو یا بعد میں ہُوا ہو۔

وَلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ اور نہیں بیمار پر کوئی حرج۔ المرض بمعنے انسان کا حدِ اعتدال سے بڑھ جانا۔

ف: چونکہ عموماً تندرست لوگ ان کے ساتھ اکٹھے کھانا پینا پسند نہیں کرتے بلکہ اکثر ان سے نفرت کرتے ہیں اور بہت سے تو ان کے افعال سے تکلیف محسوس کرتے ہیں اور ان کے بعض اطوار ان کے لئے ایذاء کا موجب بن جاتے ہیں۔ مثلاً نابینا جب اکٹھے کھائے گا تو لاشعوری میں اپنے ساتھی کے آگے سے طعام اٹھائے گا اور لنگڑا بیٹھے گا تو بہ نسبت دوسروں کے زائد جگہ پر قبضہ کرے گا جس سے دوسرے

بیٹھنے والوں کو جگہ کی تنگی کا شکوہ ہوگا۔ ایسے ہی مریض میں بعض امراض ایسی ہوں گی جن سے ساتھی کو نفرت ہوگی یا کم از کم اس کے اندر بیماری کی وجہ سے بدبُو پیدا ہو جائے یا اسے پھنسی پھوڑا ہو تو اس کی پیپ یا طبیعت کی کمزوری سے بار بار ناک بھوں چڑھانا وغیرہ وغیرہ۔ یہ جملہ امور طعام اکٹھے کھانے والوں کے لیے حرج کا موجب بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لا بأس لهم بان يأكلوا مع الناس ولا مأثم عليهم۔

(ان کے ساتھ اکٹھا کھانے میں کوئی حرج نہیں اور نہ ہی کوئی گناہ کی بات ہے ان پر)

وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اور تمہارے ہم مثل اور انسان بالخصوص اہلِ ایمان پر کوئی حرج نہیں اَنْ تَاْكُلُوْا الاکل بمعنے طعام کھانا۔ یہ کہ تم ان کے ساتھ مل کر کھاؤ مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ البیت بمعنے رات کے لیے انسان کی جائے پناہ۔ اب ہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں انسان اوقات بسر کرے۔ اس میں رات کی قید کی ضرورت نہیں لیکن بُیوت عموماً ان جگہوں کو کہا جاتا ہے۔ جہاں انسان سکونت اختیار کرے۔ اور لفظ ابیات کا اشعار پر اطلاق ہوتا ہے۔

ازالۂ وہم یہاں یہ معنیٰ نہیں کہ تم ان گھروں سے کھاؤ جن میں تم خود بنفس نفیس رہتے ہو اور وہاں پر تمہارا طعام اور اموال وغیرہ ہے بلکہ یہاں پر بیوت سے ان لوگوں کے گھر مراد ہیں جو ہیں تو دوسروں کے لیکن بوجہ اتصال قریبی کے انہیں اپنا ہی تصوّر کیا جاتا ہے۔ مثلاً عورت کا گھر، اولاد کا گھر، غلاموں کا گھر، ان سب کو اپنا گھر تصوّر کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مرد اپنی عورت کے گھر کو اور باپ اپنے بیٹے کے گھر کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے۔

حدیث شریف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اطيب ما اكل الرجل من كسبه وان ولده من كسبه۔

(انسان کے لیے حلال ترین غذا وہ ہے جو اپنے ہاتھ سے کماتا ہے اور انسان کی بہتر کمائی اپنی اولاد ہے)

حدیث شریف کے آخر میں ہے:

انت ومالك لابيك۔

(تُو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے)

ف: جب اولاد کا حکم معلوم ہوگیا تو غلاموں کا حال خود سمجھ لو۔

اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ آب بمعنے والد یعنی وہ حیوان جس کے نطفے سے اور حیوان پیدا ہو۔ اَوْ بُيُوْتِ

اُمَّھٰتِکُمْ۔ امہات ، اُم کی جمع ہے ۔ اھراق کی ہا کی طرح اس کی ہا بھی زائدہ ہے اس لیے کہ اھراق بھی دراصل اراق تھا۔ اُم چونکہ یہاں اَب کے مقابلہ میں ہے فلہذا والدہ کے معنی میں ہے اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِکُمْ یہ اخ کی جمع ہے بمعنے وہ شخص جو ولادت میں مساہم و شریک ہو۔ اگر ماں باپ ایک ہوں تو وہ اخ عینی ہوگا۔ اگر باپ ایک ہو اور ماں علیحدہ علیحدہ تو اخ علاتی ہوگا ورنہ خیفی کہلائے گا۔ اگر ایک ماں کا دودھ پیا ہے تو وہ اخ رضاعی ہوگا۔ کبھی ایک قبیلہ سے ہونے کی وجہ سے بھی اخ کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی دین ایک ہو تو بھی، اور صنعت ایک ہو یا کسی معاملہ میں وحدت ہو تو بھی اخ سے پکارا جاتا ہے۔ بلکہ اگر کسی کو ایک دوسرے سے محبت ہو تو بھی انہیں ایک دوسرے کا بھائی کہا جاتا ہے۔ غرضیکہ جب بھی کسی کو ایک دوسرے کو کسی امر میں مناسبت ہوا سے اخ (بھائی) کہا جائے گا اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِکُمْ اخت، اخ کی تانیث ہے۔ اس کی تاء بمنزلہ عوض کے ہے اس کلمہ سے جو اخ میں محذوف ہوا۔ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِکُمْ عم باپ کے بھائی کو کہا جاتا ہے۔ العمہ اس کی بہن کو۔ یعنی پھوپھی۔ یہ العموم بمعنے الشمول اسی سے العامہ بمعنے کثیر التعداد۔ شہر میں کثرت کی وجہ سے انہیں عامہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور العمامہ بھی اسی سے ہے کہ وہ سر کو شامل ہوتا ہے اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِکُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِکُمْ خواہران پدر خود ، ماں کے بھائی ، ماں کی بہنیں یعنی خالائیں، ان سب کے گھروں سے اَوْ مَا مَلَکْتُمْ مَّفَاتِحَہٗ مفاتح مفتح کی اور مفاتیح مفتاح کی جمع ہے۔ دونوں فتح (کھولنے) کے آلہ کو کہا جاتا ہے۔ اور فتح بمعنے اغلاق واشکال کا ازالہ۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان گھروں سے کھاؤ جن کی کنجیوں کے تم مالک ہوگئے ہو یعنی مالکوں نے اپنے گھروں میں تصرف کرنے کی تمہیں اجازت بخشی ہے۔ مثلاً ایک تندرست کسی کام کے لیے یا جنگ پہ چلا جائے اور اپنا گھر ایک بیمار یا مذکورہ کمزوریوں میں سے کسی ایک کے سپرد کر دیا جائے اور گھر کی نہ صرف کنجیاں بلکہ کاروبار اس کے قبضہ اور تصرف میں دے جائے تو یہ بیمار وغیرہ اس کے گھر سے بلا اجازت اور بے خوف وخطر اپنی ضرورت کے مطابق کھا پی سکتے ہیں۔

ف : بعض نے کہا یہاں وہ شے مراد ہے جو اس کے ماتحت اور قبضہ میں ہو، مال ہو یا جانور، بحیثیت وکالت تصرف کرنے کا حق رکھتا ہو یا حفاظت کے طور پر اس معنے پر کنجیوں کے مالک ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ شے اس کے قبضے اور حفاظت میں ہے۔ فلہذا بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت اس سے کھا پی

لہ یہی پچھلا معنیٰ مراد ہے جیکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: والی مدین اخاھم شعیبا وغیرہ۔ ایسے ہی حضور علیہ السلام نے اپنی اُمت کو بھائی کہا۔ اویسی غفرلہٗ

سکتا ہے۔

مسئلہ : وکیل اور محافظ بھی شے کے عین کو ضائع کرنے کے مجاز نہیں بلکہ وُہ جو ضرورت پورا کرنے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ مثلاً باغ کے پھل اور جانوروں کا دودھ وغیرہ۔

اَوْ صَدِیْقِکُمْ ط یہ صداقت سے ہے بمعنے محبت میں سچّا عقد۔ اور یہ صرف انسان کے لیے ہے۔ اور صدیق اسے کہتے ہیں جو دوستی کا دم بھرنے والے کی دوستی کی تصدیق کرے اسے دوست حقیقی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ف : حضرت ابو عثمان رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صدیق وُہ ہے جس کا ظاہر و باطن یکساں دوست کی دوستی کا دم بھرے۔ ایسے دوست کے لیے دوست کی ہر شے مباح ہے خواہ وہ دنیوی امر ہو یا دینی۔ اسی لیے مشایخ نے کہا کہ صدیق وہ ہے جس کی صداقت کا تمہیں یقین ہو، نہ یہ کہ وہ کہتا پھرے کہ میں اس کا دوست ہُوں۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ تم اپنے دوست کے گھر سے بھی کھاؤ خواہ تمہارا اور اس کا رشتہ نسبی نہ بھی ہو۔ اس لیے کہ ایسے دوست کے گھر سے کھانے سے اس کا جی خوش ہوگا بلکہ وہ رشتہ داروں سے بھی زیادہ مسرور ہوگا اور اس کو اپنے لیے فخر وسعادت سمجھے گا بخلاف اقرباء اور رشتہ داروں کے کہ ان میں بہت تھوڑے ایسے ہیں جو رشتہ دار کے کھانے سے خوش ہوتے ہیں (بلکہ آج کے دور میں تو الٹا اس کے کھانے سے دل میں جلن محسوس کرتے ہیں)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

قولِ ابنِ عباس تمہارا سچّا دوست تمہارے والدین سے بھی بوقتِ ضرورت زیادہ کام آئے گا۔

روایت اسی لیے مروی ہے کہ قیامت میں جب جہنمی فریاد کریں گے تو جواب میں یہ نہ کہا جائے گا کہ تمہارے اَب و اُم تمہاری فریاد رسی نہیں کرتے بلکہ کہا جائے گا:

فما لنا من شافعین ولا صدیق حمیم۔

(نہ تمہارے سفارشی ہیں اور نہ ہی سچّے پکّے دوست)۔

حکایت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ ایک دن اپنے گھر تشریف لائے تو دیکھا کہ آپ کے دوستوں نے آپ کے گھر کے اندر سے تمام اشیائے خورد ونوش اٹھا کر کھانا شروع کر دیا۔ آپ انھیں دیکھ کر بہت مسرور ہُوئے اور فرمایا ہم نے دیکھا کہ جب اہلِ بدر ایک دوسرے سے ملتے تو ہشاش بشاش ہو کر ملتے جیسے میں نے تمھیں دیکھ کر فرحت محسوس کی ہے۔

حکایت حضرت کاشفی نے لکھا کہ فتح موصلی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی دوست کے گھر تشریف لے گئے تو وہ دوست گھر پر نہ تھا آپ نے اس کی کنیز سے کہا میرے دوست کا وہ تھیلا لاؤ جس میں

اس کے دراہم و دنانیر ہیں۔ کنیز وہی تھیلا لائی تو آپ نے اس سے صرف ایک درہم نکال کر اسے لوٹا دیا۔ جب گھر کا مالک لوٹا تو کنیز نے پورا واقعہ سنایا تو وہ شخص بہت خوش ہوا۔ اسی خوشی میں اس کنیز کو نہ صرف آزاد کر دیا بلکہ بہت بڑے انعام و اکرام سے نوازا۔ نگارستان میں ہے ؎

شبے گفتم نہاں فرسودۂ را
کہ بود آسودہ در کنج رباطی
ز لذت ہا چہ خوشتر در جہاں گفت
میان دوستداران انبساطی

ترجمہ: میں نے ایک رات پریشان حال کو کہا کہ وہ آدمی بہت خوش قسمت ہے جو گھر کی چار دیواری کے گوشۂ تنہائی میں وقت بسر کرتا ہے دنیا میں اس سے خوشتر اور کونسا وقت ہوگا، اس نے جواباً کہا کہ وہ وقت بڑا خوشتر ہے کہ دوستوں سے ہنسی مذاق میں گزرے۔

سچّے دوست کی علامات عوارف المعارف میں ہے کہ جب دوست سے کوئی شے مانگی جائے اور وہ کہے کہ تھوڑی ہے اور اسے اپنے مصرف میں لاؤں گا۔ ایسا جواب دینے والا سچّا دوست نہیں۔ سچّا دوست وہ ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ دوست کے آگے پیش کر دے اسے چند و چوں (کتنا اور کیسے) یعنی لیت و لعل اور ٹال مٹول سے کوئی سروکار نہ ہو۔

ف: دوست جانی مال فانی سے بہتر ہے۔ اسی لیے مشایخ نے فرمایا کہ اے عزیز! ایسا دوست خرید کہ پھر وہ کسی دوسرے کو دینے کو جی نہ چاہے اگرچہ ایسے دوست کی خریداری میں ہر شے قربان کرنی پڑے۔ کسی شاعر نے خوب فرمایا: ؎

یاران بجان مضایقہ باہم نمیکنند
آخر کسے بحال جدائی چرا کند
بسیار جد وجہد بباید کہ تا کسے
خود را بآدمی صفتے آشنا کند

ترجمہ: دوست ایک دوسرے پر تنگی نہیں کرتے بالآخر جدائی سے اسے کیا فائدہ ہوگا، انسان کو بڑی کوشش کرنی چاہیے تاکہ کسی اور سے اس کی آشنائی ہو جائے۔

مسئلہ: مفسرین نے فرمایا کہ دوست کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے کچھ لینا اس وقت جائز ہے جب یقین ہو کہ وہ دل میں بوجھ محسوس نہیں کرے گا۔ اور وہ قرائن سے ہر ایک کو معلوم ہے کہ بعض رشتہ دار

اور بعض سچے دوست ایسی باتوں سے الٹا خوش ہوتے ہیں بعض دل میں اسے سخت بوجھ محسوس کرتے ہیں۔

ف : اقارب کے بجائے صدیق کا ذکر بھی اس لیے ہے کہ یہ بات عموماً دوستوں میں پائی جاتی ہے اور رشتہ داروں میں کم۔

اب آیت کا معنیٰ ہُوا کہ تم ان مذکورہ لوگوں کے گھروں سے ضرورت کے وقت بقدرِ ضرورت ان کی اجازت کے بغیر بےشک کھاؤ پیو اس میں تمھیں کوئی گناہ نہیں ہوگا اگرچہ وہ گھر پر نہ ہوں تب بھی تمہارے لیے کھانا پینا جائز ہے یعنی ایسا نہ ہو کہ گھروں سے کچھ باہر لے جاؤ یا بالکل ہی ان کے گھروں کا صفایا کر دو۔

مسئلہ : امام واحدی نے الوسیط میں فرمایا کہ ان رشتہ داروں اور دوستوں کے گھروں سے ان کی لاعلمی میں کچھ کھا پی لینا ایسے ہے جیسے کوئی بھُوکا کسی کے باغ سے باغبان کی اجازت کے بغیر بقدرِ ضرورت پھل توڑ لے یا اس مسافر کی طرح جو بھُوکا ہو تو راستے میں مالک کی اجازت کے بغیر بکریوں وغیرہ کا دودھ پی لے یا پیاسا بلا اجازت پانی پی لے۔

ف : یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ اس نے ایسے مواقع پر عام اجازت عطا فرمائی ہے اور اس میں بُرے اخلاق اور گندی عادات سے بچنے کی ترغیب ہے۔

مسئلہ : اسی آیت سے حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ نے استدلال فرمایا ہے کہ اگر کسی نے اپنے قریبی رشتہ دار (ذی رحم محرم) کے گھر سے چوری کی تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا اس لیے کہ ایسے رشتہ دار کے لیے مال محفوظ نہیں سمجھا جائے گا اور قطع ید کے لیے مال کا محفوظ ہونا شرط ہے۔ کما فی فتح الرحمٰن

مسئلہ : یہ اس وقت ہے جب تالہ نہ توڑا ہو یا اس کی چھپی ہُوئی پیٹی کو نہ کھولا ہو یا کسی اور طریقے سے محفوظ مال کو نہ چرایا ہو۔ اگر مذکورہ صورتوں میں سے کوئی صورت پائی گئی تو قطعِ ید ہو گی۔

ف : اور پہلی صورت میں اس لیے قطعِ ید نہیں کہ رشتہ داروں کو گھروں میں آنے کے لیے عام اجازت دی گئی ہے اسی لیے ان کے لیے گھروں میں مال محفوظ نہ ہو سکے گا۔

مسئلہ : اگر کوئی کسی دوست کے گھر سے چوری کرے تو قطع ید ضروری ہے کیونکہ جب چوری کرے گا تو وہ دوست نہ رہے گا بلکہ خائن اور اس کا دشمن متصور ہو گا۔ یوں اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اس لیے کہ جب اس نے اپنے دنیوی دوست کا خیال نہ کیا تو پھر سب کے مالک یعنی احکم الحاکمین کا کیا حیا کرے گا۔ اس معنے پر وہ اپنے آپ کو تباہ کرنے والا ہے اور گناہوں پر جسارت کرنے والا ہے۔

سبق : دانا وُہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے پل بھر بھی غافل نہ ہو اور اسے ہر وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عادات و اخلاق پر نگاہ ہونی چاہیے کہ ان کا آپس میں کیسے بھائی چارہ تھا۔ اسی خلوص اور صدقِ نیت سے

وہ بہت بڑے مراتب و کمالات کو پہنچے بلکہ اسی صدق وصفائی کی وجہ سے اکمل و اعلیٰ متصور ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور ان سے راضی ہو اور ہمیں ان جیسی نیات وخلوص قلبی اور اعمالِ صالحہ نصیب فرمائے۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْکُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ط تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم مجتمع ہو کر کھاؤ یا تنہا ہو کر۔ اشتات: شت کی جمع ہے بمعنے متفرق بر حق کی طرح صیغۂ صفت ہے یا بمعنے تفرق ہے اس معنے پر مصدر ہوگا لیکن مصدر بمعنے صفت ہوگا۔ اس وقت مبالغہ مقصود ہے۔

ف: شتّٰی، شتیت کی جمع ہے جیسے مریض کی جمع مرضٰی ہے بمعنے متفرق۔

شانِ نزول یہ آیت بنی لیث کے حق میں نازل ہوئی۔ بنی لیث کنانہ کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ وہ اکیلے ہو کر کھانے کو ناپسند کرتے تھے بعض ان میں ایسے تھے کہ جب تک ان کے ہاں مہمان نہ آتا وہ طعام نہیں کھاتے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے کہ صبح سے شام تک ان کے سامنے طعام پڑا رہتا اسے ہاتھ نہ لگاتے اگر مہمان نہ ہوتا بعض اونٹنیوں کا دودھ نہیں دوہتے تھے اور پیاسے بھوکے رہتے جب تک مہمان تشریف نہ لاتا۔

اس آیت میں رخصت دی گئی کہ تم اکیلے بھی کھاؤ اس لیے کہ بسا اوقات انسان کو مہمان میسر نہیں آتا تو اسے حرج کشی کی ضرورت نہیں کہ وہ مہمان کا انتظار کرے بلکہ اسے لازم ہے کہ وہ مہمان کا انتظار کیے بغیر اکیلا کھالے۔ ہاں اگر کوئی ضرورت مند ہو اور اکیلا کھائے اور اسے اپنے ساتھ نہ ملائے تو گنہگار ہوگا۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من اکل و ذو عینین ینظر الیہ و لو یواسہ ابتلی بداء لا دواء لہ۔

(جو کوئی تم میں سے کچھ کھائے اور ضرورت مند اسے دیکھتا رہے اور اسے اپنے ساتھ شریک نہ کرے وہ ایسے مرض میں مبتلا ہوگا جس کا کوئی علاج نہیں۔

ف: امام نسفی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ جمیعا میں اشارہ ہے کہ اگر کوئی سفر پر جائے تو اپنی ضرورت کے علاوہ کسی دوسرے کا حصہ بھی ساتھ لے جائے۔

بعض مفسرین نے فرمایا اس میں اشارہ ہے کہ اپنے طعام کو دوسروں کے طعام سے ملا کر کھاؤ۔

فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا جب تم مذکورہ لوگوں کے گھروں میں داخل ہو۔ ہم نے مذکورہ گھروں کی قید قرینہ سے لگائی ہے کہ چونکہ ان کا ذکر ہو رہا ہے اس لیے یہاں پر بیوتًا سے انہی لوگوں کے گھر مراد ہیں۔

ربط: رخصت عام کے مسائل بیان کرنے کے بعد اب ان گھروں میں داخل ہونے کے آداب بیان فرمائے

فَسَلِّمُوۡا عَلٰۤى اَنۡفُسِكُمۡ جب ان کے گھروں پر جاؤ پہلے انھیں السلام علیکم کہو۔ انفسکم اس لیے فرمایا کہ وہ گویا دو جسم یک جان ہیں کیونکہ ان میں یا تو رشتہ داری کا تعلق ہوگا یا دینی مناسبت۔ اور یہ دونوں چیزیں السلام علیکم کا تقاضا کرتی ہیں۔ تَحِيَّةً مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے تحیۃ ہے۔ التسلیم بمعنے مسلّم علیہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے سلامتی طلب کرنا اور اس کا منصوب ہونا علی المصدریہ ہے، یعنی مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے۔ یہ دراصل فسلموا تسلیماً تحیۃ یعنی السلامُ علیکم کا حکم اللہ تعالیٰ کی جانب ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ عند اللہ تحیۃ کا صلہ ہو۔ اب معنی یہ ہوگا کہ تم مسلّم علیہ کے لیے درازی عمر کی دعا مانگو۔ مُبٰرَكَةً وہ تحیۃ جو خیر و برکت والی ہے اور اس پر دائمی ثواب ملے طَيِّبَةً ایسی تحیۃ کہ جس سے سننے والے کا جی خوش ہو۔ كَذٰلِكَ یہ اشارہ اس فعل کی طرف ہے جو اس کے بعد واقع ہے یعنی مثل ذٰلک التبیین بمعنے اس بیان کرنے کی طرح، يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَـكُمُ الۡاٰيٰتِ اللہ تعالیٰ وہ آیات نازل فرماتا ہے جو احکام پر واضح طور پر دلالت کرتی ہیں لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ۝ تاکہ تم ان کی شرائع و احکام و آداب کو سمجھو اور ان کے موجب عمل کرو اور ان کی برکت سے سعادتِ دارین سے کامیابی پاؤ۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال خدمت کی۔ آپ نے مجھے کبھی نہ فرمایا کہ یہ کام تُو نے کیوں نہ کیا اور اگر مجھ سے اتفاقیہ کوئی شے ٹوٹ گئی تو یہ کبھی نہ فرمایا کہ یہ تو نے کیوں توڑی۔ ایک دن میں کھڑا ہو کر آپ کے دست ہائے مبارک پر پانی ڈال رہا تھا تو فرمایا: اے انس! میں تمھیں تین کام ایسے نہ بتاؤں کہ اگر تم ان پر کاربند رہو تو نفع پاؤ گے۔ میں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں یا رسول اللہ! آپ وہ تین کام ضرور بتائیں میں ان پر یقیناً عمل کروں گا۔ آپ نے فرمایا:

ایک تو یہ کہ جب تم میرے کسی اُمتی سے ملو تو اسے السلام علیکم کہو اس طرح سے تمہاری عمر دراز ہوگی۔

دوسرا یہ کہ جب گھر میں جاؤ تو بھی انھیں السلام علیکم کہو۔ اس سے تمہیں خیر و برکت نصیب ہوگی۔

تیسرا یہ کہ اشراق کا ناغہ نہ کرو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز ہے۔

نکتہ از صاحبِ روح البیان

فقیر (حقی) کہتا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تحیّہ کے خارجی معنیٰ کو معنوی معنیٰ پر درازیٔ عمر کا مطلب مرتّب فرمایا ہے اس لیے کہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ سلام کہنے والے کی دُعا قبول فرمالیتا ہے تو مسلّم علیہ کو عمرِ دراز عطا فرماتا ہے۔ یعنی اس کی عمر میں برکت ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی تسلیم داخلی یعنی گھر میں داخل ہوتے وقت کے سلام میں خیر و برکت کا معنیٰ مرتّب فرمایا ہے اس لیے کہ عموماً گھر کے لیے خیر و برکت کی خواہش ہوتی ہے اور

پھر عموماً گھر میں جاتے ہی وضو کر کے نمازِ اشراق پڑھی جاتی ہے۔ اس بنا پر اسے السلام علیکم کے عمل کے بعد اور سلام داخلی کے بعد ذکر کرنے میں اشارہ ہے کہ نوافل چھپ کر پڑھنے چاہئیں بالخصوص گھر میں۔

مسئلہ: اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو کہے:

السلام علینا و علیٰ عباد اللہ الصالحین۔

اس لیے کہ ایسے سلام کا جواب ملائکہ کرام دیتے ہیں۔ ایسے ہی مسجد میں داخل ہونے کا مسئلہ ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا دخلتم بیوتکم فسلّموا علیٰ اھلھا و اذا طعم احدکم طعاما فلیذکر اسم اللہ علیہ فان الشیطان اذا سلم احدکم لم یدخل بیتہ معہ و اذا ذکر اللہ علیٰ طعامہ قال لا مبیت لکم و لا عشاء و ان لم یسلم حین یدخل بیتہ و لم یذکر اسم اللہ علیٰ طعامہ قال ادرکتم العشاء و المبیت۔

(تم میں سے کوئی ایک جب گھر میں داخل ہو تو اسے چاہیے السلام علیکم کہے اور جب کچھ کھائے تو بسم اللہ پڑھے اس لیے کہ جب تم گھر جا کر السلام علیکم کہتے ہو تو شیطان تمہارے ساتھ گھر میں داخل نہیں ہوتا اور جب تم کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھتے ہو تو شیطان کہتا ہے خدا کرے تیرا گھر میں رہنا نہ ہو اور نہ ہی تمہیں شام کا کھانا نصیب ہو اگر کوئی گھر میں داخل ہونے پر السلام علیکم نہ کہے اور نہ ہی کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھے تو کہتا ہے تمہیں گھر میں رات گزارنا نصیب ہو اور شام کا کھانا بھی)

مسئلہ: سمجھدار بچوں کو السلام علیکم ترک نہ کیا جائے بلکہ انھیں السلام علیکم افضل ہے۔ کما فی البستان۔

مسئلہ: نوجوان عورتوں کو السلام علیکم نہ کہنا چاہیے تاکہ علیک سلیک سے واقفیت نہ ہو جائے جس سے فتنہ برپا ہو۔

مسئلہ: یہود و نصاریٰ کو السلام علیکم کی ابتداء نہ کی جائے ان کے لیے سلام کی ابتداء کرنا حرام ہے اس لیے السلام علیکم کہنا ایک قسم کا اعزاز ہے اور کفّار کا اعزاز ناجائز ہے۔

مسئلہ: اہلِ بدعت (اعتقاداً) کو بھی سلام کہنا حرام ہے۔ اگر ناواقفیت سے ایسے پر السلام علیکم کہہ بھی دیا جائے تو اس کے سامنے ہی انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھ لیا جائے تاکہ اسے معلوم ہو کہ اس کی تحقیر ہو رہی ہے۔

مسئلہ: اگر اہلِ کتاب یا بدعتی (بدمذہب) کو السلام علیکم کہنا ضروری ہو تو کہا جائے:

السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔

اگروہ السلام علیکم کہہ دے تو اس کے جواب میں صرف 'وعلیکم' کہا جائے۔ سلام کے مسائل تفصیل کے ساتھ ہم نے سورۂ نساء میں و اذا حییتم بتحیۃ کے تحت لکھ دئے ہیں۔

اولیا اللہ کی شانِ اقدس حقائق البقلی قدس سرہٗ میں ہے کہ جب تم اولیاء اللہ کے گھروں میں داخل ہو تو اعتقادِ صحیح لے کر ان کی تعظیم و تکریم بجا لاؤ۔ اس طرح سے تم بھی اہلِ کرامت سے ہو جاؤ گے۔ وہاں کی حاضری پر اپنی سلامتی کے لیے دعا مانگو اس لیے کہ ان کے آستانے کرامتِ حق و رحمتِ الٰہی کے مرکز ہیں۔

مزارات کی حاضری (رُوح البیان گیارھویں صدی کے اوائل عشرہ کی تفسیر ہے اور وہابی سُنّی یعنی دیوبندی بریلوی اختلاف بارھویں صدی میں شروع ہوا۔ ہم اہلسنّت بریلوی وہی کہتے ہیں جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اور کیا۔ اور آپ کی وراثت میں اولیائے کرام نے ہمیں بتایا، اور اس اختلاف سے پہلے بھی وہی تھا جو ہم اہلسنّت میں ہے۔ چنانچہ روح البیان کی اصل عبارت ملاحظہ ہو):

يقول الفقير وكذا الحال فى دخول المزارات والمشاهدات المتبركة وان كان العامة لا يعرفون ذالك ولا يعتقدون۔ (ج ۷، ص ۱۸۳، آیۂ مذکورہ)

ترجمہ: فقیر (اسمٰعیل حقی رح) کہتا ہے کہ یہی حال مزارات و مشاہداتِ مقدسہ میں حاضری کا (کہ وہاں بھی السلام علیکم کہو) اگرچہ اس سے عوام بے خبر ہیں اور نہ ہی ایسا عقیدہ رکھتے ہیں (یعنی اولیائے کرام کا سلام سننا اور جواب دینا)

حضرت کمال خجندی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

صوفیم و معتقد صوفیان
کیست چو من صوفیٔ نیک اعتقاد

ترجمہ: میں صوفی ہوں اور صوفیہ کا معتقد ہوں اور میرے جیسا خوش اعتقاد صوفی ہے کون!

حضرت حافظ قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

بر سر تربت ما چوں گزرے ہمت خواہ
کہ زیارت گہ رنداں جہاں خواہد بود

ترجمہ: اے باہمت انسان! جب تم میری قبر پر گزرو اس لیے کہ میری قبر اہلِ دل لوگوں کی زیارت گاہ ہوگی۔

(باقی ص ۳۰۲ پر)

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ
يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ
بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ۚ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ فَأْذَن لِّمَن شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ
لَهُمُ اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ لَّا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ
بَعْضِكُم بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ
عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ أَلَا إِنَّ لِلَّهِ مَا فِي
السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قَدْ يَعْلَمُ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ وَيَوْمَ يُرْجَعُونَ إِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُم
بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝

ترجمہ: بے شک اہلِ ایمان تو وہی ہیں جو اللہ و رسول پر یقین رکھتے ہیں اور جب رسول کے پاس ایسے کام کے لیے آئے جس کے لیے انہیں جمع کیا گیا تو پھر وہاں سے نہ جائیں جب تک کہ ان سے اجازت نہ لیں بے شک وہ جو تم سے اجازت طلب کرتے ہیں وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں پھر جب وہ اپنے کسی کام کے لیے تم سے اجازت مانگیں تو ان میں جسے چاہو تم اجازت دے دو اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا مانگو، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ان کو جو تم میں سے کسی کی آڑ لے کر کھسک جاتے ہیں اور چاہیے ڈریں وہ جو رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں اس سے کہ انھیں کوئی آفت پہنچے یا ان پر دردناک عذاب نازل ہو۔ خبردار جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا ہی ہے بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے جس حال پہ تم ہو۔ اور اس دن کہ جس میں سب اس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کی خبر دے دے گا اور اللہ تعالےٰ سب کچھ جانتا ہے۔

(ص ۳۰۱ سے آگے)

حضرت جامی قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

نسیم الصبح زرعنی ربی نجد و قبلها
کہ بوئے دوست می آید ازاں پاکیزہ منزلہا

ترجمہ :

اے اللہ! ہمیں ان لوگوں سے بنا جو ہر آن اور ہر گھڑی یمن سے نفس رحمانی سے خوشبو پاتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ۔

شانِ نزول : یہ آیہ اس وقت نازل ہوئی جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے متعلق مشورہ کے لیے صحابہ کرام کو جمع فرمایا۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاں زیادہ دیر بیٹھنا ناگوار تھا اس لیے کچھ دیر بیٹھ کر حضور علیہ السلام سے بلا اجازت چلے جاتے۔ یا یہ آیت غزوۂ خندق کی کھدائی کے وقت نازل ہوئی۔ منافقین کی عادت تھی کہ وہ کام سے جی چرا کر حضور علیہ السلام سے اجازت کے بغیر چلے جاتے حالانکہ کھدائی کا کام نہایت اہم تھا تب اس کی کھدائی میں لگے رہے یہاں تک کہ چار نمازیں آپ سے قضا ہوتی ہوتی رہ گئیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بیشک مومن کامل فی الایمان وہ ہیں۔ المؤمنون مبتدا اور اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اس کی خبر ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر صمیم قلب سے ایمان لائے اور پوشیدہ و علانیہ ہر لحاظ سے ان کے جملہ احکام میں اطاعت کی وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے ہیں عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ اس کا عطف اٰمنوا پر ہے اور الذین کا صلہ ہے۔ اور وہ لوگ جملہ اہم امور میں حضور علیہ السلام کا ساتھ دیتے ہیں۔ مثلاً جمعہ و عیدین اور جنگ اور امورِ اسلامیہ کے مشورے اور صلوٰۃ الاستسقاء، ایسے ہی وہ جملہ امور جو اجتماعی حیثیت سے سرانجام ہوتے ہیں اور امر کو جامع سے موصوف کرنے میں مبالغہ مطلوب ہے۔ نیز اشارہ ہے کہ ان لوگوں کے اجتماع کا سبب وہی امر ہے اس لیے کہ وہ اتنا مہتم بالشان تھا کہ لوگوں کا اجتماع ہوا۔ یہ اسناد الفعل الی السبب کے قبیل سے ہے لَمْ یَذْھَبُوْا وہ حضور علیہ السلام سے بالکل جدا نہیں ہوتے حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ یہاں تک کہ آپ سے جانے کے لیے اجازت چاہتے ہیں جب آپ انہیں اجازت عنایت فرماتے ہیں پھر کہیں جاتے ہیں۔ ان کے ایمان کا کمال اسی میں ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی اجازت کے بغیر نہ جائیں۔ اس لیے کہ یہی صفت مخلص مومن اور منافق کے مابین امتیاز کرتی ہے۔ اس کے بعد مزید تاکید فرمائی کہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَاْذِنُوْنَکَ بے شک وہ لوگ جو آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ صرف وہی لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہیں ان کے ماسوا باقی سب منافق ہیں اور ان کی یہی علامت ہے کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کے بغیر چلے جاتے ہیں۔

شانِ نزول کاشفی نے لکھا کہ آیت ذیل ان منافقین کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے غزوۂ تبوک سے جی کترانے کے لیے بہانے ڈھونڈے اور جنگ پر حاضری نہ دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں فرمایا انما یستاذنك الذین یؤمنون باللّٰه و رسوله الآیۃ بعض اجازت طلب کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کے لیے ترہیب ہے۔ وہ اس لیے کہ ان لوگوں کے اغراض فاسد ہیں۔

ف: اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اجازت و عدمِ اجازت کی وجہ سے نہ تھی بلکہ ان کی غرضِ غلط کی وجہ سے تھی ورنہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی تبوک میں چند دن گزار کر واپس مدینہ طیبہ جانے کی اجازت چاہی آپ نے انھیں بطیبِ خاطر اجازت عطا کر کے فرمایا:

انطلق فواللّٰه ما انت بمنافق جاؤ آپ منافق نہیں ہیں۔

(صاحب روح البیان کی یہ تحقیق نہایت ہی موزوں ہے)

فَاسْتَاْذِنُوْكَ یعنی یقین ہو گیا کہ کامل فی الایمان وہ لوگ ہیں جو حضور علیہ السلام سے اجازت لے کر جاتے ہیں تو ان کے لیے یہ حکم بھی ہے کہ اگر وہ آپ سے اجازت طلب کریں لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ شان بمعنے حال و امر۔ اسے ان احوال و امور میں استعمال کرتے ہیں جو نہایت اہم ہوں۔ کما فی المفردات۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ لوگ اس وقت اجازت چاہتے ہیں جب انھیں اہم امور لاحق ہوتے ہیں یا کوئی حادثہ یا تکلیف درپیش ہوتی ہے شئونهم کے بجائے شانهم کہنے میں اور پھر اسے بعض سے مقید کرنے میں ان پر تغلیظ مطلوب ہے تاکہ انہیں معلوم ہو کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک سے چلا جانا نہایت قبیح امر ہے ہاں اہم امور بھی انہیں طے کرنے ہوں تو انہیں اجازت دی جا سکتی ہے فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ تو آپ جن کے لیے چاہیں اجازت عطا فرمائیں کیونکہ ان کے معاملات اور ان کی حکمتیں و مصلحتیں آپ خوب جانتے ہیں اس معاملہ میں آپ پر کسی قسم کا اعتراض نہیں وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ط اجازت دینے کے بعد ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب فرمائیے اس لئے کہ اگرچہ اجازت طلب کرنے سے ان پر کوئی گناہ نہیں لیکن پھر بھی یہ شائبہ تو ہے کہ انہوں نے دینی امر پر دنیوی معاملہ کو ترجیح دی۔

ف: اس میں اشارہ ہے کہ انسان پر لازم ہے کہ وہ جانے کا خیال بھی نہ کرے چہ جائیکہ بلا اجازت چلا جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کوتاہیاں بخشنے والا، ان پر رحمت کرنے میں بہت بڑا مہربان ہے۔

ف : آیت میں حفظ آداب کا بیان ہے وہ یہ کہ جب امامِ وقت (عالمِ دین، مرشدِ دوراں) کسی اہم امرِ دینی یا مسلمانوں کے کسی معاملہ میں لوگوں کو جمع کرے تو ان پر لازم ہے کہ جب تک امامِ وقت اجازت نہ دے وہ کہیں نہ جائیں اور نہ ہی طے شدہ امر کی مخالفت کریں اگرچہ جنگ کا کام ہو تو امیرِ لشکر کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں اور جنگ سے بھی نہ لوٹیں۔ ہاں شدید ضرورت ہو تو امامِ وقت سے اجازت لے کر واپس آسکتے ہیں اور امامِ وقت پر بھی لازم ہے کہ وُہ اجازت میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ اگر مناسب سمجھے تو اجازت دے اور اجازت لینے والے پر بھی لازم ہے کہ بلا ضرورت اجازت نہ مانگے۔

ف : جو ایسے مواقع سے بلا اجازت چلا جائے وہ نفس پرست اور اہلِ بدعت ہوگا۔

ف : حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ کریمہ تھی کہ جمعہ کے دن خطبہ کے لیے آپ منبر پر رونق افروز ہوتے اور کوئی آپ سے جانے کی اجازت چاہتا تو وہ آپ کے سامنے کھڑا ہو جاتا تاکہ آپ دیکھ کر سمجھ جائیں کہ یہ شخص جانا چاہتا ہے۔ آپ اسے دیکھ کر اجازت کا اشارہ فرما دیتے۔

اسی لیے مشایخِ طریقت نے فرمایا کہ مرید جب کسی خاص ضرورتِ شدیدہ کے لیے جانا چاہے تو اس پر لازم ہے کہ شیخ سے اجازت چاہے۔ اگر شیخ مکان میں نہ ہو تو شیخ کے دروازے پر حاضر ہو کر اپنے دل کی طرف متوجہ ہو یہاں تک کہ شیخ کی رُوح اسے اجازت بخشے گی جس کا اسے احساس ہوگا یہاں تک کہ وہاں سے چلے جانے سے یہ بھی محسوس نہیں کرے گا کہ وہ بلا اجازت جا رہا ہے لیکن یہ شغل پے در پے کرنے سے ہوگا اس لیے کہ تصور و خیال میں بھی بہت تاثیر ہے۔

تفسیرِ صُوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے کہ اس میں اشارہ ہے کہ مریدِ صادق وُہ ہے جو اپنے شیخ کے تصرفات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرے یہاں تک کہ اس کا کوئی سانس شیخ کی اجازت کے بغیر نہ نکلے۔ اگر کوئی اپنے شیخ کی مخالفت کرے سراً یا جہراً تو وہ صدق و صفائی کی بُو بھی نہ سونگھے گا۔ اور اس کی سیر الی اللہ بھی بہت دیر کے بعد طے ہوگی۔ اگر اس سے کوئی غلطی ہو جائے تو شیخ سے فوراً معافی مانگے اور اپنی غلطی کا اعتراف کھُلم کھُلا کر دے تاکہ شیخ سے کوئی نصیحت پائے جو اس کی غلطی کا کفارہ بن سکے۔ اس غلطی کے ازالے کے لیے شیخ کا جو حکم ہو اسے بجا لائے۔ ایسے ہی اگر کوئی مرید شیخ کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معافی چاہے تو شیخ پر لازم ہے کہ اسے نہ صرف معاف کر دے بلکہ اسے ایسا عمل بتائے جس سے اس کے نقصان کی تلافی ہو سکے اور خود بھی اس پر خصوصی توجہ ڈالے کیونکہ مریدین اپنے شیخ کا عیال ہیں۔ بایں معنیٰ مشایخ کا فرض ہے کہ وہ اپنے فیوض و برکات سے اپنے مریدین کو نوازیں اور ان کی خامیاں پُوری کریں۔ اور مریدین پر لازم ہے کہ وہ جُملہ امور میں اپنے مشائخ کی

موافقت کریں۔ امورِ شریعت ہوں یا امورِ طریقت، ان کے کسی امر کی مخالفت نہ کریں، نہ ہی ان سے دُوری اختیار کریں۔ سفر و حضر میں ان کی صحبت کو سعادتِ عظمیٰ سمجھیں اور مجاہدہ و ریاضت سے ان کی نگرانی میں اپنے نفس کا تزکیہ کریں۔

حکایت مریدین نے حضرت ابُوعثمان سے عرض کی کہ آپ ہمیں وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: دین پر مجتمع رہو، اپنے اکابر کی مخالفت سے پرہیز کرو اور ہر طاعت و عبادت کی ان سے اجازت لو اور ان کے مشورہ پر طاعات کرو اور اوراد و وظائف کرو۔ حسبِ استطاعت محتاجوں، مسکینوں اور ناداروں کی مدد کرو۔ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری محنت ضائع نہیں کرے گا۔

ف: اگر کسی سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو رحمتِ الٰہی سے نا امید نہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر وقت قبولیت ہی قبولیت ہے۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہٗ نے فرمایا:

۱ بلے نبود دریں رہ نا امیدی
سیاہی را بود رو در سفیدی

۲ ز صد در گر امیدت بر نیاید
بنومیدی جگر خوردن نشاید

۳ در دیگر بباید زد کہ ناگاہ
ازاں در سوئے مقصود آوری راہ

ترجمہ: (۱) ہاں اس راہ میں نا امیدی نہیں کیونکہ سیاہی سے سپیدی ضرور بر آمد ہوتی ہے۔
(۲) سو گھروں سے اگر تیری امید پوری نہ ہو تو بھی نا امیدی سے جگر کو پارہ پارہ نہ کر۔
(۳) اس لیے کہ اچانک کوئی ایسا دروازہ تمہیں مل جائے گا جس سے تو اپنی منزل تک پہنچ سکے گا۔

ف: اللہ تعالیٰ ہر بندے کی توبہ و استغفار قبول فرماتا ہے۔

شرحِ اشعارِ مذکورہ ان اشعار سے معلوم ہُوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں یعنی انبیاء و اولیاء اور صالحین کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ اس کی رحمت بے پایاں ہے ورنہ جسے اللہ تعالیٰ مردود کر دے اسے کوئی نہیں بخش سکتا۔ اور جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دروازے سے دھتکار دیں اسے خلفاء راشدین ہی نہیں بلکہ اُمت کا کوئی فرد بھی گلے نہیں لگائے گا۔ جسے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہیں بخشیں گے اسے کوئی بھی اجازت نہ دے گا اگر اجازت مل بھی جائے تو اسے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ ایسے ہی حال ہے اولیائے کرام کا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وارث ہیں

کہ وہ بھی جسے اجازت نہ دیں اسے کوئی بھی اجازت نہ دے گا۔ اگر دے گا بھی تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ یہ تصور کہ ایک وارث دھتکار دے تو کوئی دُوسرا گلے لگا لے گا۔

(این خیال ست ومحال ست و جنوں)

اس لیے کہ جملہ اولیاء کرام ایک ہی حلقہ کی کڑیاں ہیں۔ جب کوئی بھی کسی ولی سے مُنہ موڑے گا اسے کوئی دوسرا ولی منہ نہ لگائے گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل قبولیت کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ دُعا مصدر اپنے فاعل کی طرف مضاف ہے یعنی آپ کی دعوت وامر برائے اعتقاد وعمل کو نہ بناؤ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا اپنے جلیسوں کی دُعا کی طرح یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کو اپنی دعوت پر قیاس مت کرو اس سے اعراض اور اجابت میں مساہلت ان کی اجازت کے بغیر رجوع ہرگز نہ کرو اس لیے کہ آپ کی دعوت کی اجابت واجب ہے اور آپ کی اجازت کے بغیر رجوع حرام ہے۔

ف : بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے۔

اب معنیٰ یہ ہوا کہ ان کی نداء کو اپنی نداء پر قیاس نہ کرو۔ مثلاً یا محمد نہ کہو اور ان کے نام پر اپنا نام نہ رکھو مثلاً محمد بن عبد اللہ وغیرہ۔ ایسے ہی جیسے اپنے ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ ایسے ہی انھیں مت بلاؤ ایسے ہی جب ان کے حجرۂ اقدس پر جاؤ چلا کر انھیں نہ بلاؤ۔ ہاں ان کا نام اور لقب تعظیم وتکریم کے ساتھ لو۔ مثلاً کہو : یا نبی اللہ ، یا رسول اللہ۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے خود کہا ہے :

یا ایھا النبی ، یا ایھا الرسول ۔

ف : حضرت کاشفی نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو عام نداء سے پکارا لیکن اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکرم ترین القاب سے یاد فرمایا : ؎

یا آدم ست با پدرِ انبیاءٗ خطاب
یا ایھا النبی خطابِ محمد است

ترجمہ : ابو الانبیاء کو یا آدم سے اور اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یا ایھا النبی کے پیارے لقب سے پکارا۔

مسئلہ : فقیہ ابو اللیث نے فرمایا کہ آیت میں معلم الخیر یعنی استاد کا ادب سکھایا گیا ہے۔ یعنی اشارۃً حکم فرمایا کہ اپنے استاذ کی تعظیم وتکریم کرو۔

مسئلہ: آیت سے استاذ کی معرفت کو معرفتِ حق بتایا اور اس سے اہل علم وفضل کی علوِ شان و رفعت مرتبہ کا پتا چلا۔

ف: حقائق البقلی میں ہے کہ احترامِ رسول احترامِ الٰہی او رمعرفتِ نبوی، معرفتِ ایزدی اور ان کی متابعت حق تعالیٰ کی مطابقت ہے۔

تفسیر صوفیانہ التاویلات النجمیہ میں ہے کہ آیت میں مشائخِ طریقت کے ادب کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ وقت کا شیخ ایسے ہے جیسے امت میں نبی علیہ السلام۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ خطابات میں مشایخ کی تعظیم کرو اور ان کی خدمات بجالانے میں ادب کو ملحوظِ خاطر رکھو اور ان کی طاعت کرتے وقت ان کی ہیبت وعظمت کو سامنے رکھو۔

تفسیر عالمانہ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ۔ قد تحقیقیہ ہے اگرچہ یہ مضارع پر تحقیق کے لیے نہیں آتا ہے لیکن یہاں استعارہ کے طور تحقیق کے معنیٰ میں ہے جیسے کبھی لفظ رب تکثیر کے لیے آتا ہے۔ اس لیے تحقیقیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وعید یقینی ہے اس میں شک کی گنجائش کہاں۔ اسی تقاضا کو پورا کرنے کے لیے قد کو تحقیقیہ بنایا گیا۔

ف: الکواشی میں ہے کہ لفظ قد خبر دیتا ہے کہ مستللین بہت کم تھے اور واقعی تھا بھی ایسے ہی کہ اس وقت یہ بہ نسبت دوسروں کے بہت کم تھے۔

حلِ لغات: التسلل بمعنے تدریجاً اور پوشیدہ طور پر درمیان سے نکل جانا۔ مثلاً کہا جاتا ہے:
تسلل الرجل یعنی فلاں آدمی لوگوں سے چوری نکل گیا اور ان سے اتنا دور چلا گیا جس کا کسی کو علم بھی نہ ہو۔

اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس جماعت کو جانتا ہے جو تھوڑے تھوڑے ہو کر چپکے چپکے نکل جاتے ہیں۔
لِوَاذًا وہ شخص جو کسی کے خوف سے چھپ جائے کما فی الوسیط۔

القاموس میں ہے: اللوذ بالشئ بمعنے الاستتار والاحتصان به کاللواذ۔ یعنی لواذ کی طرح ہے بمعنے کسی شے کے ساتھ چھپنا اور محفوظ ہونا۔ یہاں پر اللواذ بمعنے الملاوذة ہے اس لیے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ چھپ کر نکلتے تھے با مفاعلہ مجرد کے معنیٰ میں ہے اس لیے کہ ان میں جو اجازت لے کر جاتے تو دوسرے ان کے ساتھ چھپ کر چلے جاتے تھے۔ تاثر یہ دیتے تھے کہ یہ چھپنے والے ان سے اجازت لے کر جانے والوں کے اتباع سے ہیں لواذاً اس لیے منصوب ہے کہ وہ یتسللون کی ضمیر سے حال ہے بمعنے ملاوذین یا فعل مضمر سے مصدر (مفعول مطلق) مؤکد ہے۔

یہ عبارت یوں تھی :

یلاو ذ ون لسو اذ ا ۔

مسئلہ : جماعت سے نکل جانا عام ہے جنگ سے ہو یا جمعہ کے دن مسجد سے ، ایسے ہی دوسرے حق کے مجمعوں سے (جیسے وہابی دیوبندی سلام وقیام کے وقت بھاگ جاتے ہیں) ۔

شانِ نزول بعض مفسرین نے فرمایا کہ جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن خطبہ پڑھتے تو منافقین ایک دوسرے کے سہارے یا صحابہ کرام سے پیچھے ہٹ کر مسجد سے نکل جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے یہ وعید نازل فرمائی ۔

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهٖٓ چاہیے کہ خوف کریں وہ لوگ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف کرتے ہیں یعنی ان کے حکم کے مقتضیٰ پر عمل نہیں کرتے ۔ صحیح سمت کے بجائے مخالف سمت کو چلے جاتے ہیں ۔ عن کا لفظ اعراض کے معنے کو متضمن ہے بمعنیٰ روگردانی کرنا ۔ اور یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اس لیے حقیقی آمر وہی ہے یا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ مقصود بالذکر آپ ہیں اَنْ تُصِيْبَهُمْ یہ کہ انھیں پہنچے فِتْنَةٌ دنیا کا کوئی دُکھ ان کے بدن یا مال یا اولاد میں مثلاً مریض ہو جائیں یا انھیں قتل کر دیا جائے یا تباہ و برباد ہو جائیں یا ان پر کسی جابر بادشاہ کا تسلّط ہو جائے ۔

ف : حضرت کاشفی نے لکھا کہ ان کے دلوں پر مُہرِ غفلت لگ جائے یا توبہ کی توفیق نصیب نہ ہو ۔

حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا کہ فتنہ سے دل کی سختی اور اس کا معرفتِ الٰہی سے متاثر نہ ہونا مراد ہے ۔

اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ یا انھیں آخرت میں دردناک عذاب پہنچے ۔

ف : جلالین میں ہے ان تصیبھم فتنۃ یہ کہ انھیں کوئی ایسی مصیبت پہنچے جس سے ان کی منافقت ظاہر ہو جائے او یصیبھم عذابٌ الیمٌ یا انہیں دنیا میں بعجلت دنیا میں دردناک عذاب پہنچے ۔ او منع الجمع کا نہیں بلکہ منع الخلو کا ہے فعل کا اعادہ تحذیر کے معنیٰ کے مہتم بالشان ہونے کی وجہ سے ہے اور دو عذابوں کی ترتیب بتاتی ہے کہ یہ امر وجوب کا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ امرہ کی ضمیر شیخ یعنی مرشد کامل کی طرف راجع ہے ۔ اب معنیٰ یہ ہُوا کہ چاہیے ڈریں وہ لوگ جو اپنے مشایخ کے امر کی خلاف ورزی کرتے ہیں ۔ ان تصیبھم یہ کہ انھیں سستی یا قبول خلق یا بلا وقت نکاح کرنے یا بشیخ کی اجازت کے بغیر سفر کرنے اور عورتوں اور لڑکوں میں مبتلا ہونے یا صحبتِ اغنیاء یا بادشاہوں (افسروں کے ہاں خواہ مخواہ) بکثرت آنے جانے یا عہدۂ ملازمت و مراتب دنیویہ کی طلب یا کثرتِ عیال سے آزمائش میں مبتلا ہوں وہ اس لیے کہ

ماسوی اللہ میں مشغول ہونا صوفیاءِ کرام کے نزدیک بہت بڑا فتنہ ہے او یصیبھم عذ ابٌ الیمٌ یا انہیں اللہ تعالیٰ سے منقطع ہونے کا بہت بڑا عذاب پہنچے۔

ف: حقائق البقلی میں ہے کہ یہاں پر فتنہ سے اپنے غیر جنسوں اور مخالفینِ اسلام اور منکرینِ دین کی صحبت مراد ہے (واللہ اعلم) اس لیے کہ ان کی صحبت سے اولیاءِ کرام کے ساتھ دل میں بدظنی پیدا ہوتی ہے (جیسے وہابیہ و دیگر بدمذاہب کے ساتھ میل جول رکھنے والوں کو ہم نے دیکھا اور آج کل یہ گروہ تبلیغی جماعت کا روپ دھار کر عوام اہلِ اسلام کو اولیاءِ کرام سے منحرف کرنے کی تحریک چلا رہا ہے) یقین جانیے کہ اولیائے اللہ سے بدظنی پھیلانے والے اللہ کے دشمن ہیں[1]

ف: حضرت ابوسعید الخراز رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فتنہ بمعنے کسی کو استدراج کے طور نعمتوں سے مالا مال کر دینا حتیٰ کہ اسے معلوم نہ ہو کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

ف: حضرت رویم نے فرمایا کہ فتنہ عوام کے لیے اور بلاءُ خواص کے لیے ہوتی ہے۔

ف: حضرت ابوبکر بن طاہر نے فرمایا کہ فتنہ پر گرفت ہوتی ہے اور بلا سے معافی مل جاتی ہے بلکہ صاحبِ بلا کو ثواب ملتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ خبردار جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ یعنی جملہ موجودات خلقاً و ملکاً و تصریفاً و ایجاداً و اعداماً بدءاً و اعادۃً ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ قَدْ یہ بھی تحقیقیہ ہے۔ اس کی وہی تفصیل ہے جو ہم نے اوپر لکھی ہے یَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ یہ خطاب مکلفین بالاحوال والاوضاع کو ہے منجملہ ان کے موافقت و مخالفت اور

---

[1] صاحبِ روح البیان کی اصل عبارت پڑھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

واعداء اولیائه یقعون کل وقت فی الحق ویقبحون احوالھم عند العامه لصرف وجوہ الناس الیھم وھذہ الفتنة اعظم الفتن۔ (ج ۷، ص ۱۸۶ تحت آیت مذکورہ)

ہمارے دور میں یہ فتنہ زوروں پر ہے کہ اولیائے اللہ کے دشمن مختلف رنگ و روپ دھار کر عوام اہلِ اسلام کو دھڑا دھڑ گمراہ کر رہے ہیں اور پھر مصیبت یہ ہے کہ بقول علامہ اسمٰعیل حقی دین و اسلام کے ٹھیکیدار بھی بنے پھرتے ہیں یہاں تک کہ عوام اہلِ اسلام کی نظروں میں دین و اسلام کے سچے خادم بھی وہی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون فالی اللہ المشتکیٰ۔ اس مسئلہ کی تفصیل اور اولیاءُ اللہ کے اعدائ ن علامات فقیر کی کتاب "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی وہابی دیوبندی کی نشانی" میں پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ

اخلاص و نفاق ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں جانتا ہے کہ جس حال میں تم ہو۔ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ اس کا عطف ما انتم علیہ پر ہے اور یہ یوم مفعول بہ ہے ظرفیہ نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس وقت کو تحقیقاً جانتا ہے جبکہ منافقین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امر کی مخالفت کرنے والوں کو جزاء و عذاب کے لیے حاضر کیا جائیگا یرجعون، الرجع سے ہے جو کہ متعدی ہے الرجوع سے نہیں کیونکہ وہ لازم ہے اور شے کے وقوع کے وقت کو جاننا شے کے وقوع کو مستلزم ہے اور یہ وقوع شے کے علم سے زیادہ بلیغ ہے فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا پھر انھیں ان کے اعمال کی خبر دے گا یعنی ان کے اعمال کو بر سر میدان عام ظاہر کرے گا۔ اس وقت انہیں اپنے قبیح ترین اعمال کا پتا چلے گا، اس وقت ان کے اعمال کی سزا مرتب ہوگی۔ چونکہ خبر دینے اور ظاہر ہونے سے آپس میں ملابست ہے اس لیے یظہر کے بجائے ینبئہم فرمایا۔ ان کی آپس میں ملابست ظاہر ہے وہ یہ کہ دونوں علم کے سبب ہیں۔ اس میں تنبیہ ہے کہ یہ لوگ ان کے اعمال کے ارتکاب کے وقت بے خبر اور اس کے انجام سے لاعلم تھے۔ اس لیے کہ ان پر ان کے خلقیہ امکانیہ کے احکام کا غلبہ تھا اور دنیا میں آثار امزجہ طبعیہ حیوانیہ سے مغلوب تھے وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اور اللہ تعالیٰ ہر شے کو جانتا ہے۔ یعنی اس سے زمین و آسمان کی کوئی شے مخفی نہیں اگرچہ منافقین دنیا میں اپنے اعمال کو مخفی رکھنے کی ہر طرح کی کوشش کرتے رہے۔

؎

آنکس کہ بیافرید پیدا و نہان

چون نشناسد نہان و پیدا بجہان

ترجمہ : وہ ذات جس نے ہر ظاہر و پوشیدہ کو پیدا فرمایا اس سے جہان کی ظاہری و مخفی شے کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلاتِ نجمیہ میں ہے الا ان للہ ما فی السمٰوٰت والارض دنیا و آخرت کی نعمتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں جو بھی ان میں کسی ایک سے چمٹا اللہ تعالیٰ سے دور ہو جائیگا۔ بلکہ جس قدر اس کا تعلق کسی نعمت سے ہوگا اسی قدر اس سے مواخذہ ہوگا ویوم یرجعون الیہ اور انہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں متعلقات کی زنجیروں سے جکڑ کر لایا جائے گا فینبئہم بما عملوا جب تو وہ انہیں ان کے اعمال کی جزا عطا فرمائے گا اگر اعمال اچھے ہوں گے تو جزا اچھی ہوگی ورنہ سزا پائیں گے وَاللّٰهُ بکل شیء علیم اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کے عمل کی مکافات کو جانتا ہے یعنی اگر کھجور کی گٹھلی کے پردے کے برابر نیکی ہے اور اس کی جو جزا ملے گی اور ایسے ہی اس کے برے عمل کی جو سزا ملے گی اسے خوب جانتا ہے کوئی شئے اس سے مخفی نہیں۔

ف : معلوم ہوا کہ دُنیا و آخرت کی ہر شے اہل اللہ پر حرام ہے انھیں آخرت سے اگر کچھ محبت ہے تو صرف اس لیے کہ وہاں دیدارِ الٰہی ہوگا۔ یا بایں معنی کہ اسے آخر بکسر الخاء سے نسبت ہے اور آخر اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔

ف : بعض اہل اللہ فرماتے ہیں کہ انسان کو جو شے اللہ تعالیٰ سے غافل کر دے اسی کا نام دنیا ہے۔

سبق : عاقل پر لازم ہے کہ تعلقات کی رسّی تجرد ذات وصفات کے سر (مخفی بھید) سے توڑ کر امرِ الٰہی میں تفکر کرے یوم جزا و مکافات کے آنے سے پہلے اپنا حساب صحیح کرلے کیونکہ آخر فنا ہے اور اس چندروزہ زندگی کو بقا نہیں، نہ کوئی رہا نہ رہے گا۔

حدیث شریف میں ہے :

ماقال الناس لقوم طوبى لكم الا وقد خبأ لهم الدهر يوم سوء ۔

(جس قوم نے دنیا میں عیاشی کی تو زمانہ نے اسے بُرے دن دکھائے)

کسی شاعر نے کہا : ؎

ان الليالى لم تحسن الى احد

الا اساءت اليه بعد احسان

ترجمہ : زمانہ جس کے ساتھ کچھ نیک سلوک کرتا ہے تو پھر اسی کی بُری طرح خبر لیتا ہے۔

کسی اور نے کہا : ؎

احسنت ظنك بالايام اذ حسنت

ولم تخف شر ما يأتى به القدر

ترجمہ : جب تیرے ساتھ زمانہ حسنِ سلوک کرتا ہے تو اس کی بھلائی سمجھتا ہے تُو اس کی بُری تقدیر سے نہیں ڈرتا (کہ جب بُری تقدیر لاتا ہے تو ناکوں چنے چبوا دیتا ہے)

کسی اور شاعر نے فرمایا : ؎

لا صحة المرء فى الدنيا تؤخره

لا يقدم يوما مؤته الوجع

ترجمہ : نہ صحت وعافیت کسی کی عمر میں اضافہ کرتی ہے اور نہ ہی دکھ درد وقت سے پہلے مارتا ہے۔

واللّٰه بكل شئ عليم اللہ تعالیٰ ہر ایک کی موت اختیاری واضطراری اور اس کے لوٹنے اور دیگر جملہ امور کو سرّاً وجہراً جانتا ہے وہ شخص مبارکباد کا مستحق ہے جسے اس کا مشاہدہ نصیب ہوا اور جس نے ہر وقت

اس کی حاضری کو مدِ نظر رکھ کر تمام زندگی خوف اور مراقبۂ موت پر بسر کی اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا۔

تفسیر سورۂ نور ۳ رجب ۱۱۰۸ھ بروز ہفتہ ختم ہوئی۔
(اسمٰعیل حقی علیہ الرحمۃ)

اور

فقیر اویسی غفرلہٗ اس کے ترجمہ سے بروز ہفتہ ۳ رمضان
۱۳۹۸ھ / ۷ ستمبر ۱۹۷۸ء سوا تین بجے بعد نمازِ ظہر
فارغ ہوا۔

فللّٰہ الحمد علیٰ ذٰلك وصلی اللّٰہ علیٰ حبیبه الاکرم
الف الف مرّۃ وعلیٰ اٰله واصحابه کذٰلك۔
الفقیر القادری ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی رضوی
غفرلہٗ۔ بہاول پور۔ پاکستان

○

سُوْرَةُ الْفُرْقَان

آیاتہا ۷۷	(۲۵) سورۃ الفرقان مکیۃ (۴۲)	رکوعتہا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ۝ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝
وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ
ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ
اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَاۗءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝ۚ وَقَالُوْٓا
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ
الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۙ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ
كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝
اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ۧ

ترجمہ : بڑی برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے محبوب بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان والوں کو ڈرسنانے والا ہو وہ جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اس نے کسی کو اپنی اولاد قرار نہیں دیا اور اس کی شاہی میں اس کا کوئی شریک نہیں اور اس نے ہر شے کو پیدا کرکے پھر اسے ٹھیک اندازے پر رکھی اور انہوں نے اس کے سوا اور معبود ٹھہرا لیے کہ وہ کوئی شے پیدا نہیں کرتے اور وہ خود بھی پیدا کیے ہوئے ہیں اور وہ خود اپنے لیے نقصان اور نفع کے مالک نہیں اور نہ ہی مرنے اور جینے اور اُٹھنے کا اختیار رکھتے ہیں اور کافروں نے کہا یہ تو نہیں مگر بہتان جو اس نے خود گھڑا ہے اور اس پر دوسروں نے اس کی مدد کی ہے سو واقعی یہ لوگ ظلم اور جھوٹ پر آئے اور کہا یہ پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے ہیں جنہیں اس نے لکھ لیا ہے تو وہی اس پر صبح و شام پڑھے جاتے ہیں۔ فرمائیے اسے اس نے نازل کیا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر مخفی بات جانتا ہے بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے اور کہا اس رسول کو کیا ہے کہ وہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے اس پر فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا جو اس کے ساتھ ڈر سناتا رہے یا اسے کوئی خزانہ مل جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھاتا اور ظالموں نے کہا کہ تم پیروی نہیں کرتے مگر ایسے مرد کی جو جادو کیا ہوا ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھیے یہ تمہارے لیے کیسی مثالیں بنا رہے ہیں تو گمراہ ہوئے کہ اب وہ راہ نہیں پا سکتے۔

تفسیر عالمانہ سورہ فرقان مکیہ ہے۔ جمہور کے نزدیک اس کی ستتر آیات ہیں۔
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ بہت بڑی خیر و برکت والی ہے وہ ذات۔ یہاں پر مضاف محذوف ہے دراصل عبارت تبارك خیر الذی الخ تھی۔ تبارك بمعنے تکاثر ہے اور برکت بمعنے خیر کثیر۔ اور قرآن پاک کے نزول کو خیر و برکت اس لیے فرمایا کہ قرآن مجید میں دینی و دنیوی دونوں برکتیں ہیں۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات ہر شے سے زائد اور برکت والی ہیں وہ اس لیے کہ برکۃ تزاید کے معنے کو متضمن ہے اور اس کی ذات و صفات کا ہر شے سے زاید ہونا ہر شے سے بلند ہونے پر بھی دلالت کرتا ہے۔

حکایت مولانا فناری نے تفسیر الفاتحہ میں لکھا کہ صاحب بن عباد کو رقیم و تبارک و متاع کے لغوی معنی میں تردد تھا۔ عرب کے متعدد قبائل میں سے تحقیق فرمائی لیکن اطمینان نہ ہوا۔ ایک دن کسی عورت سے سُنا کہ وہ اپنے بیٹے سے پوچھ رہی تھی: این المتاع ؟ (متاع کہاں ہے ؟) لڑکے نے جواب دیا:

جاء الرقیم واخذ المتاع وتبارك الجبل (کتا آیا اور رومال لے کر پہاڑ پر چڑھ گیا) اس وقت معلوم ہوا کہ الرقیم بمعنے کتا اور المتاع بمعنے وہ رومال جسے پانی سے بھگو کر برتن صاف کیے جائیں۔ اور تبارک بمعنے صعد (اوپر کو چڑھا) ہے۔

حلِ لغات: بعض اہلِ لغت نے کہا:

البرکۃ بمعنے خیرِ الٰہی کا کسی شے میں ثابت ہونا۔ اور جہاں ہر وقت پانی کھڑا رہے اسے بھی برکۃ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ پانی ایک نعمت ہے اور وہ اس جگہ دائم و ثابت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تبارك بمعنے دام دواماً ثابتاً یعنی اس نے ایسا ثبات و دوام کیا کہ وہاں سے ہٹنے کا نام تک نہ لیا۔ اسی لیے اس کا استعمال صیغہ مضارع یعنی یتبارك سے نہیں آیا کیونکہ یہ مضارع میں انتقال (ہٹنے) کا معنیٰ ہوتا ہے۔

ف: برہان القرآن میں لکھا ہے کہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے مستعمل ہے اور وہ بھی محض صیغہ ماضی کے ساتھ۔ اور یہاں پر اسے اس لیے لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس کے مابعد جو مذکور ہوگا وہ عظیم الشان امر ہے۔ یعنی قرآن مجید ایسی عظیم الشان کتاب ہے جس میں جملہ کتبِ الٰہیہ کے علوم موجود ہیں۔

الفرقان مصدر ہے بمعنے فرق بین الشیئین یعنی فصل۔ اور قرآن مجید کو اس لیے فرقان کہا جاتا ہے کہ حق و باطل کے درمیان بہت زیادہ فرق واضح کرتا ہے اور اس سے مومن و کافر کی علامات کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔

عَلٰى عَبْدِهٖ اپنے مخلص ترین عبد، اپنے خاص نبی، اپنے محبوب ترین، صفیہ الاولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔

ف: حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے عبدِ مطلق فرما کر تشریف و تکریم فرمائی۔ اور ظاہر فرمایا ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی علیہ السلام کو عبدِ مطلق نہیں کہا اور زکریا علیہ السلام کے لیے فرمایا عبدہ زکریا۔ تو اس میں ایسا اطلاق نہیں جیسا کہ یہاں ہے۔

ف: ثابت ہوا کہ ہر نبی عبدِ الٰہ ہوتا ہے۔ اس میں نصاریٰ کا رد ہے کہ وہ اپنے نبی علیہ السلام کی عبدیت کے منکر ہیں اسی لیے ہم اہلِ اسلام تشہد میں پڑھتے ہیں عبدہٗ ورسولہٗ۔ اور اس میں عبدہٗ کی تقدیم بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا یہ تنزیل کی غایت ہے یعنی تاکہ وہ رسول قرآن مجید کے ذریعے اپنے معاصرین اور آنے والے انس وجان کے منذر ہوں۔ یعنی انھیں عذابِ الٰہی اور غضبِ خدا سے ڈرائے۔ نذیر بمعنے منذر ہے۔ انذار ایسی خبر دینا جس میں خوف دلانا بھی ہو۔ ایسے ہی تبشیر ایسی خبر دینا جو

خوشخبری پر مشتمل ہو۔

امام راغب نے فرمایا کہ فلک کے جواہر و اعراض کو عالم کہتے ہیں ۔ دراصل اس شے کو کہا جاتا ہے جس سے کسی دوسری شے کا علم ہو، جیسے خاتم وہ آلہ ہے جس سے کسی شے کو ختم کیا جائے ۔ چونکہ وہ آلہ کی طرح ہے اس لیے یہ صیغہ اسم آلہ کے معنے میں استعمال ہوتا ہے ۔ اور عالم کو اس نام سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ یہ صانع حقیقی پر دلالت کرتا ہے ۔ اسے جمع اس لیے لایا گیا ہے کہ کائنات کا ہر نوع ایک مستقل عالم ہے ۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

عالمِ انسان ، عالمِ ماء ، عالمِ نار وغیرہ ۔

اور چونکہ اس عالم میں انسان اشرف المخلوق ہے اس لیے جب کسی دوسرے غیر ذوی العقول کے کسی معاملہ میں شریک ہوتا ہے تو اس کی شرافت کے پیشِ نظر غیر ذوی العقول کے بجائے ذوی العقول کا صیغہ لایا جاتا ہے اسی لیے یہاں بھی صیغہ جمع سالم لایا گیا ۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا کہ جمع سالم یعنی واؤ اور نون کے ساتھ اس صیغہ کو اس لیے لایا گیا تاکہ عقلاء کے جملہ افراد داخل ہوں وہ انسان ہوں یا جن ، اگرچہ ملائکہ بھی اجناسِ عالم سے ہیں لیکن حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و التسلیم رسالتِ عامہ میں شامل نہیں کیونکہ حضور علیہ السلام ملائکہ کے رسول نہیں ۔ اس تقریر پر عالمین میں صرف جن و انس شامل ہیں اور آپ صرف انہی کے رسول ہیں اور بس [1]

اس تقریر پر آیت مذکورا اور حدیث شریف :

ارسلت للخلق کافۃ ۔

(میں تمام مخلوق کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں)

مخصوص عنہ البعض کے قبیل سے ہوں گے ۔

قاعدہ : جملہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہر ایک نبی علیہ السلام ایک مخصوص قوم کے لیے مبعوث ہُوئے ۔

سوال : یہ قاعدہ بایں معنیٰ غلط ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام رُوئے زمین پر رہنے والوں کے نبی تھے ۔

جواب : مبعوث تو عام لوگوں کے لیے ہوئے لیکن آپ کی رسالت کا دائرہ محدود رہا ۔ اس لیے آپ کی رسالت آپ کے بعد آنے والوں کے لیے نہیں تھی ۔

سوال : حضرت سلیمان علیہ السلام کی نبوت بھی عام تھی پھر یہ قاعدہ غلط ہُوا ۔

---

[1] لیکن یہ صرف ابن الشیخ کا نظریہ ہے ورنہ جمہور اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عالمِ کائنات کے ذرہ ذرہ کے رسول ہیں ۔ تفصیل فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھئے ۔ اویسی غفرلہٗ

جواب : اگرچہ جنات آپ کے تابع فرمان تھے لیکن بحیثیت نبوت نہیں بلکہ بحیثیت بادشاہت۔

مسئلہ : یہ آیت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے حجت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جنات کو اطاعت کا کوئی ثواب نہیں ملے گا سوائے اس کے کہ انھیں اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول کی برکت سے عذاب سے نجات نصیب ہوگی اور اگر وہ نافرمانی کریں گے تو سزا پائیں گے۔ اسی لیے صرف نذیرا للعلمین فرمایا ہے۔ اگر انہیں ثواب ملتا تو اس کے ساتھ بشارت کا ذکر بھی ہوتا (جیسا کہ قرآن مجید کا طریقہ ہے)

مسئلہ : الارشاد میں ہے کہ بشارت کا ذکر اس لیے نہیں ہے کہ یہاں صرف کافروں کے احوال بیان ہوں گے۔ ان کے لیے بشارت نہیں ہوتی۔[1]

الَّذِیْ اللہ وہ ذات ہے لَہٗ جو بالذات و بالاستقلال صرف اسی کے لیے ہے بالاشتراک یا لااستقلال اور کسی کے لیے نہیں مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور آسمانوں اور زمینوں کا ملک، اور ملک بمعنے جمہور میں امر و نہی کا تصرف۔ کاشفی نے لکھا کہ آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہی، اس لیے کہ انہیں صرف اسی نے پیدا فرمایا اس لیے ان میں صرف اسی کو تصرف لائق ہے۔

ربط : اس کے بعد نصارٰی کا رد فرمایا کہ :

وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا اس نے کوئی اولاد نہیں بنائی تاکہ اس کا کوئی وارث نہ ہوسکے اس لیے کہ وہ زندہ ہے اس پر موت نہیں اس کا عطف ماقبل کے جملہ ظرفیہ پر ہے۔

حل لغات : المفردات میں ہے کہ اتخذ بمعنے اخذ ہے اور اتخذ اسی کا باب افتعال ہے۔ الولد بمعنے المولود۔ اس کا واحد، جمع، صغیر کبیر، نر، مادہ میں مستعمل ہے۔

ربط : اس کے بعد قریش کا رد فرمایا کہ :

وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ اور آسمانوں اور زمینوں کے ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں کہ اس کے ساتھ جھگڑا کرے یا ایجاد میں اس کی معاونت کرے۔ مثنوی شریف میں ہے : ؎

واحد اندر ملک او را یار نے
بندگانش را جز او سالار نے

---

[1] گویا امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے استدلال کا رد کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کا یہ رد کمزور ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کفار کا رد ہے۔ اس میں بھی اہلِ ایمان کا ذکر کر کے بشارت بیان کی گئی ہے۔
واللہ اعلم۔ اویسی غفرلہٗ

۲ نیست خلقش را دگر کس مالکے
شرکتش دعوت کند جز ہالکے

ترجمہ: (۱) وہ شاہی کا واحد مالک ہے اس کا کوئی مددگار نہیں، اس کے بندوں کا کوئی سالار نہیں۔
(۲) اس کی مخلوق کا کوئی دُوسرا مالک نہیں اگر کوئی اس کی شرکت کرے تو وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ اس نے مراد مخصوصہ معین صورتوں میں جملہ موجودات کو پیدا فرمایا اور اس میں مختلفۃ الاحکام والآثار قوی و خواص مرتب فرمائے فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ○ پھر اس نے ہر شئے کو پُورے انداز سے پر رکھا یعنی جیسے چاہا ہر شے کو تیار کیا اور ہر چیز کے خواص وافعال لائقہ ٹھیک ٹھیک بنائے۔ مثلاً انسان کی ہیئت کو دیکھئے کہ اس میں امورِ معاش و معاد میں نظر و تدبّر و ادراک کا مادہ بنایا اسے مختلف صنائع کے استنباط کا طریقہ اور اعمالِ مختلفہ کو عمل میں لانے کی صلاحیت پیدا فرمائی۔ ایسے ہی دیگر انواع کا حال ہے۔ وَاتَّخَذُوْا اور مشرکین نے اپنے لیے مِنْ دُوْنِهٖٓ اللہ تعالیٰ کے ماسوا ٹھہرائے۔ من دونہ حال ہے ای حال کونهم الخ یعنی ان کا حال یہ ہے کہ انھوں نے کہ ان اشیأ کے خالق کی عبادت سے تجاوز کرکے ٹھہرائے اٰلِهَةً معبودانِ باطلہ جیسے بت وغیرہ لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وہ کسی شے کو پیدا نہیں کر سکتے یعنی اُن کے بُت کسی شے کے پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی شے کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں۔ انھیں کسی شے پر قدرت نہیں۔ کما فی تفسیر ابی اللیث

ازالہ وہم: کفار چونکہ اپنے بُتوں کو ذوی العقول سمجھتے تھے ان کے خیالِ باطل کے مطابق ان کے بُتوں کے لیے ذوی العقول کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے[1]

وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اور وہ دوسری مخلوق کی طرح پیدا کئے گئے ہیں وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ اور اپنے لیے بھی مالک نہیں۔ یعنی انھیں طاقت نہیں ہے ضَرًّا ضرر کے دفع کرنے کی۔ ضرر کو اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ یہ نفع سے اہم ہے وَّلَا نَفْعًا اور نہ نفع حاصل کرنے کی (ان میں طاقت ہے) جب وہ اپنے لیے نفع و نقصان کے مالک نہیں تو پھر دوسروں کو کیسے نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ وہ تو جانوروں سے بھی عاجز تر ہیں کیونکہ جانور اپنے سے نقصان کو دفع اور نفع حاصل کر سکتا ہے وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ○ اور نہ وہ زندوں کو مارنے کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ ہی مُردوں کو زندہ کرنے کی، اور نہ ہی ان میں

---

[1] اس سے وہابیوں نجدیوں، دیوبندیوں کا وہم ملیا میٹ ہوا، وہ کہتے ہیں ان آیات سے بت مراد نہیں بلکہ اولیاً مراد ہیں اس لیے کہ بت تو جماد محض تھے ان کے لیے ذوی العقول کے صیغے کیوں۔ اویسی غفرلہٗ

قیامت میں مُردوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کی طاقت ہے۔ جس کی یہ حالت ہو وہ الوہیت کا استحقاق نہیں رکھتا کیونکہ اس میں الوہیت کے لوازم نہیں بلکہ وہ ان اوصاف سے موصوف ہے جو الوہیت کے منافی ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ اِلٰہ وہ ہے جو قیامت میں مُردوں کو دوبارہ زندہ کر کے اٹھانے کی قدرت رکھتا ہو اور اسے مکمل اختیار ہو کہ وہ جسے جس طرح چاہے جزا و سزا دے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہُوا کہ ضار، نافع، ممیت، محی، باعث صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی معبودِ حقیقی ہے اس کے سوا کوئی بھی معبود نہیں۔ بلکہ جملہ کائنات کا ہر فرد اس کا عبد ہے۔ کما قال تعالیٰ: ان کل من فی السمٰوٰت والارض الا اٰتی الرحمٰن عبدا۔

تفسیر صوفیانہ آیت سے ثابت ہوا کہ جھوٹے پیر اور مکار سجادہ نشین ہی درحقیقت اصنامِ باطلہ ہیں کیونکہ کسی بھی غافل دل کو بیدار کرنا نہیں آتا اور نہ ہی کسی نفسِ امارہ کو زیر کرنے کا طریقہ آتا ہے جو لوگ ایسے جھوٹے پیروں اور مکار سجادہ نشینوں کے مُرید ہوتے ہیں یا اُن کی اتباع کرتے ہیں بُت پرست دراصل یہی لوگ ہیں (بخلاف صحیح طریقہ کے مشایخ عظام کے کہ وہ تو محبوبانِ خدا ہیں اور ان کے ساتھ تعلق مریدی تو بڑی شان ہے صرف منسوب ہونا بھی نجات کے لیے کافی ہے۔ فافهم ولاتکن من الوهابیین[1]

سبق: عقلمند وہ ہے جو ایسے جھوٹے پیروں اور مکار سجادہ نشینوں سے دور رہتا ہے اس لیے کہ صوفیاءِ کرام کے نزدیک حقیقی موت یہی ہے کہ بندہ حقیقت سے ناآشنا ہو۔ اور حقیقی حیاۃ علمِ دین ہے جس خوش بخت کو علم کے ذریعے خلقِ خدا کو فائدہ پہنچانے کا موقعہ ملا اور گمراہوں کو راہِ حق دکھانے کی توفیق نصیب ہُوئی اور اندھوں کو جہالت کے گڑھے سے نکال کر معرفتِ الٰہی کا راستہ دکھانے کا موقعہ میسر ہوا اور غافلوں کے دل بیدار کر کے تجلیاتِ ربانیہ کی طرف لگائے تو سمجھو ایسے خوش نصیب نے انبیاء علیہم السلام کا کارنامہ سرانجام دیا۔ اور یہ کارنامہ ان خوش بختوں کو نصیب ہوتا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے سچے اور صحیح جانشین ہوتے ہیں۔ انہیں سابق دور کی اصطلاح میں علمائے عاملین کہا جاتا ہے اور ہم (اہلسنت و جماعت) انہیں اولیاء اللہ اور پیرانِ طریقت اور مشایخِ کرام کے مقدس اسماء سے یاد کرتے ہیں۔ لیکن افسوس ہمارے عوام بلکہ بعض مولویوں نے بعض جاہلوں اور بدعمل لوگوں کو ایسے القابات دے رکھے ہیں (اعاذنا اللہ تعالیٰ[2]) اور جو اس مرتبہ سے گرا تو اس کی ہر بات کا سننا ایسے ہوگا جیسے بنی اسرائیل نے بچھڑے کی آواز کو آوازِ حق سمجھ رکھا تھا۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہ [2] ایضاً

سبق : جس پیر فقیر کو مندرجہ بالا طریقہ میسر نہ ہو اُس مکّار، فریبی سے دُور بھاگئے۔ اس کا مکر و فریب ویسے ہے جیسے بنی اسرائیل کے بچھڑے سے آواز سنائی دیتی تھی۔

حضرت عارف جامی قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

بلاف ناخلفاں زمانہ غرہ مشو
مرو چو سامری از رہ ببانگ گوسالہ

ترجمہ : زمانہ کے مکّاروں کی باتوں سے دھوکا نہ کھانا اور نہ ہی ان کی راہ پہ چلنا، ان کی آواز سامری کے بچھڑے کی آواز کی طرح ہے۔

سبق : اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

کونوا مع الصادقین۔

(منجملہ صادقین سے ہوجاؤ)

یعنی ان کی صحبت اختیار کرو تاکہ تمہیں بھی ان کی طرح صادق کہا جائے۔ اسی لیے مشایخِ طریقت نے فرمایا کہ انسان پر لازم ہے کہ اُس شخص کی صحبت اختیار کرے جو دینی لحاظ سے احسن ہو یہاں تک کہ اس کی صحبت سے اسے صادقین کی جماعت میں شامل ہونا نصیب ہو۔

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نصیحت حضرت عیسٰی علیہ السلام سے پُوچھا گیا کہ ہم کن لوگوں کی صحبت اختیار کریں۔ آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کی صحبت میں بیٹھو جن کی گفتگو سے تمہارے علم میں اضافہ اور ان کی زیارت سے تمہیں یادِ الٰہی اور آخرت کی ترغیب حاصل ہو۔

حضرت صائب قدس سرہٗ نے فرمایا : ؎

نورے از پیشانیٔ صاحب دلاں دریوزہ کن
شمع خود رامی بری دل مردہ زیں محفل چرا
اے کہ روئے عالمے را جانب خود کردۂ
رونمی آری بروئے صائب بیدل چرا

ترجمہ : اہلِ دل لوگوں کی پیشانی کے نور سے کچھ مانگ اپنی شمع ان سے روشن کر، مردہ ہو کر یہاں سے نہ جا۔ اے برادر! تمام عالم کو تُو نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تو خود کبھی تو اپنے دل کا منہ کسی اہلِ دل کی طرف کر دے۔

اے اللہ! فرقان کے صدقے ہمیں صادقین کی جماعت کی صحبت فرما۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْآ اور کافروں نے کہا۔ ان سے نضر بن حارث، عبداللہ بن امیہ، نوفل بن خویلد اور ان کے ساتھی مراد ہیں۔ اِنْ ھٰذَآ نہیں یہ قرآن اِلَّآ اِفْکُ ن مگر جھوٹ محض جو اصلی حقیقت سے کوسوں دُور ہے۔ افك وہ بات جو حقیقت کے خلاف بیان کی جائے یعنی بناوٹی۔ اس لیے وہ ہوائیں جو خلافِ موقعہ اپنا رُخ بدل لیں انھیں المؤتفکات کہا جاتا ہے۔ ایسے ہی وہ مرد جو حق سے منہ موڑکر باطل کی طرف متوجہ ہوا سے رجل ما فوك کہتے ہیں۔ افْتَرٰىهُ اسے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی طرف سے گھڑا ہے۔

افترآ و کذب میں فرق افترآ اس جھوٹ کو کہا جاتا ہے جو انسان خود گھڑ کر بیان کرے اور کذب عام ہے، اپنا گھڑا ہوا کلام بیان کرے یا کسی دُوسرے کا نقل کرکے۔ کما فی الاسئلۃ المقحمہ۔

وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ اور کلام کے گھڑنے پر مدد کی ہے قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ دُوسرے لوگوں نے۔ اس سے یہود مراد ہیں۔ یعنی یہود (حضرت) محمد (مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو اُمم سابقہ کی خبریں لا کر سناتے ہیں۔ پھر یہ ترمیم و اضافہ اور معمولی سا ردو بدل کر کے قرآن بنا لیتے ہیں فَقَدْ جَآءُوْ بیشک مذکورہ بات کہہ کر انھوں نے کیا ہے۔

قاعدہ: فعل جاء داتی کبھی فَعَلَ کے معنے میں بھی آتا ہے۔ جیسے یہاں پر جاء وا بمعنے فعلوا ہے۔ اس معنے پر یہ دونوں فعل متعدی ہوتے ہیں۔

ظُلْمًا کلامِ مُعجز کو یہود کی طرف سے اعانت کے طور گھڑا ہوا کلام کہہ کر بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کیا کیونکہ انھوں نے افك کو غیر محل میں استعمال کیا ہے۔ وَّزُوْرًا بمعنے بہت بڑا جھوٹ۔ اور ظاہر ہے کہ انھوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر افک کا بہتان باندھ کر بہت بڑے جھوٹ کا ارتکاب کیا اس لیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم افک سے منزّہ تھے۔

امام راغب نے فرمایا کہ کذب کو زُور اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی اصلی جہت (صدق) سے ہٹ گیا ہے کیونکہ اصل میں زور کا معنیٰ ہے سینے کے وسط کا ہٹ جانا ازور ہر وہ انسان جس کا سینہ وسط سے ہٹا ہوا ہو۔

وَقَالُوْٓا اور اُنھوں نے اس قرآن مجید کے بارے میں کہا کہ یہ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ پہلے لوگوں کے من گھڑت افسانے ہیں۔ اساطیر وہ خرافات اور جھوٹے افسانے جنھیں گزشتہ قوموں نے گھڑا۔ جیسے اسفندیار و رستم کے جھوٹے قصے۔ یعنی یہ قرآن ان پُرانے افسانوں کا مجموعہ ہے جنھیں گزشتہ قوموں نے اپنے ہاں لکھ رکھا تھا۔

حلِ لغات اساطیر اسطار کی اور یہ سطر کی جمع ہے۔ یا اساطیر بروزن احادیث۔ اسطورہ بروزن احدوثہ کی جمع ہے۔

القاموس میں ہے کہ السطر بمعنے کسی شے کی صف۔ کتاب ہو یا درخت یا شے دیگر۔ اور بمعنے الخط والکتابۃ والقطع بالسیف ہے۔ اسی لیے قصاب کو ساطر کہا جاتا ہے کیونکہ وہ گوشت کو چھری سے کاٹتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے ؛ اسطرہ بمعنے کتبۃ ہے۔ اور اساطیر وہ باتیں جن کا سر ہو نہ منہ۔

اکْتَتَبَهَا انھیں اس نے لکھنے کا حکم فرمایا۔ خود لکھنے کے بجائے دُوسرے کو حکم فرمانے کا معنیٰ ہم نے اس لیے کیا کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود نہیں لکھتے تھے کیونکہ آپ اُمّی تھے (اکتتب بروزن احتجم افتصد۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب اسی کام کا دوسروں کو حکم دیا جائے۔

المفردات میں ہے کہ الاکتتاب، الاختلاق (گھڑنا) کے معنیٰ میں مشہور ہے۔

فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ تو من گھڑت افسانے جوڑ بنا کر حضور علیہ السلام کے سامنے پڑھے جاتے ہیں تاکہ آپ انہیں پُورے طور یاد کر سکیں کیونکہ خود تو اُمّی تھے لکھتے نہیں تھے اس لیے دوسروں کے لکھے ہوئے کو سُن کر یاد کر کے قرآن مجید تیار کر سکیں۔ الاملاء بمعنے القاء الکلام علی الغیر لیکتبہ (دوسرے کو بات بتانا تاکہ وہ اسے لکھ لے) بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○ بکرۃ دن کے پہلے حصّے کو اور اصیلا اس کے آخری حصے کو کہا جاتا ہے۔ اس سے ہمہ وقت مراد ہے یا بکرۃ سے صبح کا وہ وقت مراد ہے جب لوگ خواب سے بیدار ہو کر منتشر نہیں ہوتے اور اصیلا سے وہ وقت مراد ہے جب لوگ کاروبار سے فراغت پا کر گھروں کو لَوٹتے ہیں۔

قاعدۂ علمِ میقات ضرام السقط میں ہے کہ دن کے پہلے وقت کا نام فجر، اس کے بعد صباح، اس کے بعد غداۃ، اس کے بعد بکرۃ، اس کے بعد ضُحیٰ، اس کے بعد ضحوۃ، اس کے بعد ھجیرۃ، اس کے بعد ظہر، اس کے بعد رواح، اس کے بعد مساء، اس کے بعد عصر، اس کے بعد اصیل، اس کے بعد عشاء اولیٰ، اس کے بعد عشاء آخرہ اس کا وقت شفق کے غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

قُلْ اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کی تردید اور حق کی تحقیق میں فرمائیے اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ اسے اس ذات نے نازل فرمایا ہے جو غیب کو جانتی ہے فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جو کہ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ کی اس صفت کو یہاں پر لانے کی خصوصیت یہ ہے کہ کفّارِ مکّہ باوجودیکہ فصاحت و بلاغت

میں مشہور تھے لیکن قرآن مجید کی آیات کی فصاحت و بلاغت کے سامنے ہتھیار ڈال دیے اور پھر اس میں آنے والے مغیبات اور ان پوشیدہ امور کا ذکر ہے جنہیں سوائے غیب دان رب تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ جب وہ قرآن مجید اس کیفیت کا مالک ہے تو پھر اسے اساطیر الاولین کہنے والا احمق ہی ہوگا۔

اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ بے شک اللہ تعالیٰ ازلاً ابداً دائماً وسیع المغفرۃ والرحمۃ ہے اسی لیے وہ باوجودیکہ تمہیں تباہ و برباد کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن تمہارے غلط اقوال کی وجہ سے تمہاری سزا و عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اگرچہ تم اس لائق ہو کہ تمہیں جلد تر عذاب میں مبتلا کیا جائے۔

ف : آیت سے ثابت ہوا کہ وہ گمراہ قوم جس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان تراشا کہ آپ نے قرآن مجید اپنی جانب سے گھڑا ہے اگر وہ توبہ کرکے بارگاہِ حق میں گڑگڑاتے تو اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بخش دیتا اور ان پر بے پایاں رحمت نازل فرماتا۔ کما قال تعالیٰ :

وانی لغفار لمن تاب۔

(جو میرے ہاں تائب ہو کر آئے میں اسے بخش دیتا ہوں)

ع در توبہ بازست و حق دستگیر

ترجمہ : توبہ کا دروازہ کھلا ہے اور اللہ تعالیٰ بندے کی دستگیری فرماتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی مصلحتوں کی رعایت رکھتے ہوئے اپنی حکمت ازلیہ کے موافق قرآن مجید کو اتارا تاکہ اس سے حضرت الٰہیہ کی طرف اہلِ سعادت ہدایت پائیں اور اہلِ شقاوت گمراہ ہو کر اسے افک کی طرف منسوب کریں۔ کما قال :

واذ لم یھتدوا بہ فسیقولون ھذا افک قدیم۔

(جب وہ اس سے ہدایت نہیں پاتے تو کہیں گے یہ تو پرانا افسانہ ہے)

اور قرآن مجید کا ادراک نورِ ایمان سے ہی ہوسکتا ہے۔ اور کفر ظلمت ہے اور ظلمت سے ظلمت ہی نظر آتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ کفار نے قرآن مجید کو کلام انسانی جیسا ظلمانی کلام سمجھا حالانکہ یہ نورانی اور قدیم اور کلام ربانی ہے۔ ایسے اہلِ بدعت (جیسے معتزلہ وکذٰلک الشیعہ) نے جب ظلمت بدعت سے قرآن مجید کو حدوث کی ظلمت مخلوق اور ظلمانی کلام دیکھا اور کلامِ الٰہی کو انسان کا کلام کہہ کر انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

القراٰن کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق فمن قال بکونہ مخلوقاً فقد کفر بالذی انزلہ۔ (قرآن مجید کلامِ الٰہی ہے غیر مخلوق ہے جو شخص قرآن مجید کو مخلوق کہے وہ کافر ہے اس لیے

کہ اس نے نص صریح کے خلاف کہا)
ہم سب کو اللہ تعالیٰ الحاد اور سُوئے اعتقاد سے محفوظ فرمائے ۔ (آمین)

ف : جُہلاء کی تعلیم اور ملاحدہ و مبتدعہ یعنی بدمذاہب کا رد واجب ہے اسے یُوں سمجھو جیسے زخم پر مرہم رکھی جائے یا جیسے باغی کو قتل کیا جائے اور بدمذاہب کو ایسے طریقہ سے دندان شکن جوابات دئے جائیں جو شریعت و طریقت کے خلاف نہ ہوں ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ وہ کافروں کے غلط خیالات کا رد فرمائیں ۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی بدمذہب نے قرآن مجید اور اسلام پر طعن و تشنیع کی تو اسلاف صالحین نے بڑے مدلل و محقق جوابات لکھے ۔ مثلاً جب معتزلہ نے کہا کہ قرآن مجید کو حادث اور مخلوق کہا تو علماء (اہلسنت) نے خوب خوب تردید کی ایسے ہی ہر زمانے میں مخالفین اسلام کا ہمارے علماء کرام نے رد فرمایا (جیسے دورِ حاضرہ کے مخالفینِ اسلام (مرزائی ، وہابی ، نجدی) کو ہمارے علماءِ کرام نے مسکت جوابات لکھے یہاں تک کہ انہیں منہ کھولنے کی جرأت نہ ہوئی)[1]

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :
"من انتھر" ای منع "بکلام غلیظ صاحب بدعة سیئة مما ھو علیہ من سؤالاعتقاد والفحش من القول والعمل ملأ اللہ تعالیٰ قلبہ امنا وایمانا و من اھان صاحب بدعة امنہ اللہ تعالیٰ یوم القیامة من الفزع الاکبر"۔

(اہلِ بدعت یعنی بدمذاہب کو بدعقیدگی سے زجر و توبیخ کے طور روکے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا جو صاحبِ بدعت یعنی بدمذہب کو ذلیل وخوار کرے اسے اللہ تعالیٰ قیامت کی بہت بڑی گھبراہٹ سے امان عطا فرمائے گا)

ف : الفزع الاکبر سے نفخۂ اخیرہ کہ جس سے قیامت میں مخلوق کو سخت گھبراہٹ ہوگی ، مراد ہے ۔ یا وہ وقت مراد ہے جب کفار کو جہنم کی طرف لے جایا جائے گا ۔ یا وہ وقت مراد ہے جب کفار کو جہنم کے طبقات میں ڈال کر اوپر سے دوزخ کو بند کیا جائے گا ۔ یا وہ وقت مراد ہے جب موت کو ذبح کیا جائے گا ۔

ف : بدمذہب سے جتنی بے مروّتی بلکہ جتنی زیادہ بے حُرمتی اور بے عزّتی کی جاتی ہے انسان کو اتنی ہی قدر و منزلت اور امن و سلامتی و عافیت عطا ہوتی ہے اور جس بدمذہب کی بے عزتی کی جائے گی اس کی جانب کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچے گی ۔ جیسا کہ اوپر ارشادِ قرآنی مذکور ہُوا ۔ (فقیر اویسی غفرلہٗ نے اس نسخہ کو بہاولپور

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

پہنچنے پر آزمایا۔ لیکن افسوس کہ صلحکلیوں نے اسلام دشمنوں کو بجائے سرزنش و ملامت کے گود میں بٹھایا جس کی وجہ سے خود بھی ذلت کا سامنا کیا اور اسلام کو بھی شدید ترین نقصان پہنچایا۔ قیامت میں اسلام دشمنوں سے کچھ زاید صلحکلیوں سے اس جرم کی سزا ملے گی [1]

ہم اللہ تعالیٰ سے امن و امان اور کامل ایمان اور اوامر کی پابندی اور مواعظ پر کاربند رہنے اور نواہی سے بچنے کا سوال کرتے ہیں۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

وَقَالُوْا اور قریش مکہ کے بڑے لیڈروں یعنی ابوجہل اور عتبہ و امیہ و عاص وغیرہم نے اس وقت کہا جب کعبہ معظمہ میں جمع ہوئے مَا استفہامیہ بمعنے انکار الوقوع کے ہے اور مبتدا ہے اس کی خبر لِ هٰذَا الرَّسُوْلِ ہے۔ مصحف میں لام ھٰذاالرسول سے علیحدہ لکھی ملی ہے اور مصحف کی اتباع سنت ہے۔ اس رسول کو کیا ہوگیا ہے۔ یہ حضور علیہ السلام کی تحقیر کے ارادہ پر کہا تھا اور آپ کو رسول بھی بطورِ استہزاء کہا گیا۔ یعنی کون سا سبب ہے اس شخص کو جو رسالت کا دعویٰ کرتا ہے۔ پھر اس کا حال یہ ہے کہ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وہ ہماری طرح کھاتا ہے۔ اور طعام اس شے کو کہا جاتا ہے جو غذا پر مشتمل ہو وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ اور وہ ہماری طرح طلبِ معاش کے لیے بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اسواق' سوق کی جمع ہے ہر وہ جگہ جہاں فروخت کے لیے شے کو لایا جائے۔ کفار کو انکار تھا کہ رسول بشر کی صفات سے موصوف ہو۔ خلاصہ یہ کہ کفار کا عقیدہ تھا کہ "نبی علیہ السلام اپنے دعوئ نبوت میں سچے نہیں۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ نبی وہ ہو جو کھائے نہ پیئے۔ بعض نے کہا کہ کفار کا خیال تھا کہ نبی بادشہ ہو یا فرشتہ' اس لیے کہ فرشتے کھاتے پیتے نہیں۔ اور بادشاہ بازار میں خرید و فروخت کے لیے نہیں آتے۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ رسول علیہ السلام کھاتے پیتے اور بازار میں خرید و فروخت کرتے ہیں تو متعجب ہوئے کہ رسول ہماری مثل ہے فلہٰذا یہ رسول نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ رسول کو ہم سے فطرت اور اوصاف میں ممتاز ہونا چاہیے کیونکہ جیسے رسالت ایک اعلیٰ و اجل مرتبہ ہے ایسے ہی صاحبِ رسالت کو بھی اعلیٰ و اجل ہونا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ وہ بصیرت سے بھی کورے تھے اور محسوسات پر ان کی نگاہ کی بھی کمی تھی ورنہ ظاہر ہے کہ رسل کرام علیہم السلام ظاہری امورِ جسمانیہ سے دوسروں سے ممتاز نہیں تھے بلکہ وہ دوسروں سے اگر ممتاز تھے تو احوالِ نفسانیہ کے لحاظ سے۔ اس لیے کہ بشریت تو صرف صورت کی حامل ہے اور صورت قلب کی سواری ہے اور قلب عقل کی، اور عقل روح کی' اور روح معرفت کی، اور معرفت ایک قدوسی قوت ہے جو عین حق کشف سے صادر ہوتی ہے۔

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

ف : کاشفی نے لکھا کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ نبوت بشریت کے منافی نہیں بلکہ نبوت و رسالت کا حقیقی مقتضیٰ بھی یہی ہے کہ وُہ بشریت کے لباس میں ہو تاکہ تناسب و تجانس کی وجہ سے افادہ و استفادہ میں آسانی ہو۔ ع

جنس باید تا آمیزد بہم

(ہم جنس ہو تاکہ ایک دوسرے سے مل کر رہیں)

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ کافر بہرے گونگے اور اندھے ہیں اسی لیے وہ کچھ نہیں سمجھتے، اس لیے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حواسِ حیوانیہ کی نظر سے دیکھا۔ وہ حواسِ رُوحانیہ ربانیہ سے کوسوں دُور تھے۔ اُنھوں نے وہی دیکھا جیسے عام حیوان کو دیکھا جاتا ہے لیکن ان کے پاس وہ نگاہ نہ تھی جس سے نبوت و رسالت کو دیکھا جاتا ہے اگر وہ اسی نگاہ سے دیکھتے تو یقیناً انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا علم ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین۔ (نہیں ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا : وتراھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون۔ (اور تو انہیں دیکھ رہا ہے کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتے)

وہ غریب بھی مجبور تھے کیونکہ ان کے قلوب تو تھے لیکن ان میں نبوت و رسالت کو سمجھنے کا مادہ نہ تھا اور ان کی آنکھیں تو تھیں لیکن وہ ان سے رسول و نبی علیہ السلام کو نہیں دیکھ سکتے تھے، ان کے کان تو تھے لیکن ان سے قرآن مجید نہیں سُن سکتے تھے جب علم کے جملہ آلات کی جان ان کے ہاں نہیں تھی تو پھر انھیں کیا معلوم کہ رسول علیہ السلام کون ہیں اور ان کے کمالات و معجزات کیسے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

تفسیر عالمانہ لَوْلَآ یہ حرف تحضیض بمعنے ھلا یعنی کیوں نہیں اُنْزِلَ اِلَیْہِ مَلَکٌ نازل کیا جاتا فرشتہ، یعنی ان کے ہاں فرشتہ ایسی ہیئت و صورت میں حاضر ہو جو جن و بشر کی ہیئت و صورت سے مختلف ہو فَیَکُوْنَ منصوب ہے اس لیے کہ لولا کا جواب ہے مَعَہٗ ضمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے نَذِیْرًا ۙ تو ہو وہ فرشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفار کے ڈرانے پر معاون۔ پھر ہمیں بھی اس کی تصدیق سے علم ہوگا کہ واقعی یہ رسول ہیں اَوْ یُلْقٰٓی اِلَیْہِ کَنْزٌ یا اس کی طرف آسمان سے مال و خزانہ نازل ہو جس سے وہ رسول دولتمند ہوکر معاش سے بے فکر ہو جائے۔

ف : کنز بمعنے مال مکنوز یعنی جمع کردہ اور محفوظ مال کو کنز کہا جاتا ہے جسے فارسی میں گنج کہا جاتا ہے اور عام مشہور خزانہ ہے۔

اَوْ تَکُوْنُ لَہٗ جَنَّۃٌ یَّاْکُلُ مِنْھَا ؕ اگر انھیں خزانہ نہیں ملتا تو کم از کم اتنا تو ہو کہ اس کے

پاس کوئی باغ ہو جس سے اپنی معاش صحیح رکھ سکے، جیسے دولتمندوں اور سرمایہ داروں کے ہاں باغات ہوتے ہیں۔
وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اس سے وُہ کافر مذکور ہیں جو اوپر مذکور ہُوئے۔ اور مضمر کے بجائے مظہر لایا گیا تاکہ
ان کے ظلم کی مہر ثبت ہو اور اپنے قول میں حد سے متجاوز ہوئے اسی لیے انھیں ظالمین کہا۔ اور وہ یہ کہ خود تو
گمراہ تھے اب اہلِ ایمان کو گمراہ کرنے کے ارادے پر کہا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ تم اتباع نہیں کر رہے اِلَّا رَجُلًا
مَّسْحُوْرًا ؀ مگر ایسے مرد کی جس کی عقل پر جادو کا غلبہ ہے۔

ف : بعض اہلِ حقائق نے فرمایا کہ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کو اپنے اوپر قیاس کیا۔
اسی لیے اپنے قبیح حال کو ان کی طرف منسوب کیا۔ سحر (جادو) سحر (صبح کی روشنی) سے مشتق ہے جیسے
سحر کی حالت ہوتی ہے کہ وہ روشنی اور تاریکی سے مخلط ہوتی ہے ایسے ہی جادو حق و باطل سے مخلط ہوتا ہے
مسحور کے متعلق خیال کیا جاتا ہے اس نے کام کیا ہے حالانکہ اس نے وہ فعل نہیں کیا اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا
لَكَ الْاَمْثَالَ دیکھئے آپ کے لیے کیسی عجیب و غریب مثالیں بیان کیں۔ یعنی آپ کے حق میں ایسے اقوال
بیان کرتے ہیں جو عقلی لحاظ سے بھی بعید ہے اور آپ کے لیے ایسے احوال گھڑ لیے جو واقعہ سے کوسوں دُور ہیں
وہ صرف اس لیے کہ وہ آپ کی حقیقتِ حال سے بے خبر اور آپ کے جمال جہاں آرا سے غافل ہیں۔

ف : بعض مفسرین نے کہا کہ کفار نے آپ کو مسحور اور فقیر سے مماثلت دی کہ جیسے مسحور نبوت و رسالت کا اہل
نہیں ایسے ہی آپ۔ اور جیسے فقیر ناقص ہوتا ہے کہ وُہ اپنے امورِ معاش کو سر انجام نہیں دے سکتا ایسے ہی آپ
(معاذ اللہ)۔ اسی لیے ان کا مطالبہ تھا کہ آپ کے ساتھ کوئی اور معاون ہو جو نبوت و رسالت کے امور سرانجام
دے سکے۔

فَضَلُّوْا پس وہ کھُلّم کھُلّا حق سے بہک گئے۔ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ؀ اسی لیے وہ سیدھے راستے
پہ نہیں چل سکتے بلکہ گمراہی کی وجہ سے راہِ حق سے کوسوں دُور چل رہے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

بعض اکابر نے فرمایا :
یہ بدبخت نبوت و رسالت پر طعن و تشنیع کر کے استعداد ازلی کھو بیٹھے، اسی لیے وُہ
وصول الی اللہ سے محروم ہو گئے۔

(صفحہ ۳۲۹ ملاحظہ ہو)

تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ
یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ○ بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ○
اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیْرًا ○ وَ اِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا
ضَیِّقًا مُّقَرَّنِیْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ○ لَا تَدْعُوا الْیَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّ ادْعُوْا ثُبُوْرًا
كَثِیْرًا ○ قُلْ اَذٰلِكَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ
مَصِیْرًا ○ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ خٰلِدِیْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ○ وَ یَوْمَ
یَحْشُرُهُمْ وَ مَا یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِیْ هٰۤؤُلَآءِ اَمْ هُمْ
ضَلُّوا السَّبِیْلَ ○ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ وَ
لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ○ فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ
فَمَا تَسْتَطِیْعُوْنَ صَرْفًا وَّ لَا نَصْرًا ۚ وَ مَنْ یَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِیْرًا ○ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا
قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ وَ جَعَلْنَا
بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِیْرًا ○

ترجمہ : وہ ذات بڑی برکت والی ہے کہ اگر چاہے تو تمہارے لیے اس سے بہتر ایسے باغات بنا دے کہ جن کے نیچے نہریں جاری ہوں اور تمہارے لیے اونچے اونچے محل کر دے بلکہ اُنھوں نے تو قیامت کو جھٹلایا اور جو قیامت کو جھٹلاتا ہے ہم نے اس کے لئے بھڑکتی ہُوئی آگ تیار کر رکھی ہے جب وُہ انہیں دور کی جگہ سے دیکھے گی تو یہ اس کا جوش کرنا اور چنگھاڑنا سُنیں گے اور جب وہ زنجیروں میں جکڑے ہُوئے اس کی تنگ جگہ میں ڈال دیے جائیں گے تو وہاں موت مانگیں گے حکم ہوگا آج ایک موت نہ مانگو بلکہ بہت سی موتیں مانگو۔ فرمایئے کیا یہی (جہنم) اچھی ہے یا وہ ہمیشگی کے باغ جس کا وعدہ پرہیزگاروں کے لیے ہے وہ ان کی جزا اور نیک انجام ہے اس میں ان کے لیے من مانی مرادیں ہوں گی جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے تمہارے رب کے ذمہ وعدہ مانگا ہوا اور جس دن اللہ تعالیٰ انہیں اور جن کی وہ پرستش کرتے ہیں اکٹھا فرمائے گا پھر ان کے معبودوں سے فرمائے گا کیا تم نے میرے بندوں کو گمراہ کیا یا یہ خود سیدھی راہ سے بھٹکے تھے وہ عرض کریں گے تجھ کو پاکی ہے ہمیں لائق نہ تھا کہ ہم تیرے سوا اور کو معبود بنائیں لیکن تُو نے انھیں اور ان کے باپ دادا کو آسودہ حال بنایا یہاں تک کہ وہ تیری یاد بھلا بیٹھے اور یہ لوگ تھے تباہ کار۔ تو اب تمہارے معبودوں نے تمہارا دعوٰی جھٹلا دیا سو اب تم نہ عذاب کو پھیر سکو گے اور نہ ہی اپنی مدد کر سکو گے

اور تم میں جو ظالم ہے ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے اور تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے وہ بھی طعام کھاتے اور بازاروں میں چلتے تھے اور ہم نے ایک دوسرے کی آزمائش کی۔ اے لوگو! کیا تم صبر کرو گے اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارا رب خوب دیکھتا ہے۔

تفسیر عالمانہ تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ خیر و برکت والی ہے وہ ذات اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ اگر چاہے تو آپ کے لیے دنیا میں کر دے۔ لیکن وہ چاہتا ہے کہ یہ تمام چیزیں آپ کو آخرت میں عطا فرمائے خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ اس سے بھی بہتر و برتر جو وہ کہتے ہیں کہ ان کے ہاں خزانے ہوں یا باغات۔ لیکن یہ چیزیں میں نے آپ کی آخرت کے لیے چھوڑ رکھی ہیں اور آخرت دنیا سے بہتر و برتر اور دائمی بقا والی ہے۔

حدیثِ لولاک دوبارہ تبٰرك اس لیے لایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام کے لیے بہت بڑی عظمت والا خطاب بیان فرمایا ہے یعنی اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کی عظمت کی وجہ سے تبٰرك کا اعادہ فرمایا اور آپ کے خطاب کی عظمت کا اندازہ ذیل کی حدیثِ قدسی سے لگائیے کما قال تعالیٰ:

لولاك یا محمد ما خلقت الکائنات۔[1] اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ نہ ہوتے تو میں کائنات کو پیدا نہ فرماتا۔

(کذا فی برھان القرآن)

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وہ باغات کہ جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں۔ یہ خیراً سے بدل ہے جو کچھ انہوں نے کہا ان کے بالمقابل اپنے حبیب علیہ السلام کو جو کچھ دیا جائے گا اس کی بہتری و برتری کی تحقیق مطلوب ہے کیونکہ انہوں نے صرف ایک باغ کہا اور یہاں باغات، اور وہ بھی ایسے جن کے نیچے نہریں چلتی ہوں گی وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا اور چاہے تو آپ کے لیے دنیا میں ایسے مکانات بنا دے جو نہایت مضبوط، اونچے اور رفیع الشان ہوں۔

حلِ لغات: امام راغب نے فرمایا کہ اہلِ عرب کہتے ہیں:

قصرت کذا بمعنے ضممت بعضہ الیٰ بعض۔ اسی لیے القصر ہے بمعنے میں نے شے کے

---

[1] **ردِ وہابیہ** حدیثِ لولاک کو وہابی دیوبندی مودودی و جملہ نجدی فرقے موضوع اور نہایت غلط انداز میں اسے ٹھکراتے ہیں حالانکہ یہ حدیث معناً صحیح ہے۔ اس کی تحقیق فقیر کی تفسیر اویسی میں دیکھیے۔ اور فقیر کا رسالہ شرح حدیث لولاک پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ

بعض کو بعض سے ملایا اسی لیے القصر سے مشتق ہے اس کا عطف محل جزا پر ہے یعنی جعل پر۔

الفقر فخری حضور نبی اکرم شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے رب تعالیٰ نے میرے سامنے بطحائے مکہ رکھ کر فرمایا کہ چاہو تو یہ سب آپ کے لیے سونے کے بنا دئے جائیں۔ میں نے عرض کی، نہیں اے میرے پروردگار! میں تو چاہتا ہوں کہ میں ایک دن بھوکا رہوں اور ایک دن سیر ہو کر کھاؤں۔ جس دن بھوکا رہوں اُس دن تیرے سامنے گڑگڑاؤں اور دُعائیں مانگوں اور جس دن سیر ہو کر رہوں اس دن تیری حمد و ثنا بیان کروں۔

ردِ وہابیہ (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کی نفی میں وہابی لوگ کہا کرتے ہیں کہ اگر نبی علیہ السلام کو اختیار ہوتا تو وہ پیٹ پر پتھر کیوں باندھتے اور اپنی معاش میں تنگ کیوں رہتے۔ انھیں مذکورہ بالا حدیث کو ٹھنڈے دل سے پڑھنا چاہیے اور ماننا چاہیے کہ آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیٹ مبارک پر پتھر باندھنا یا معاش میں تنگ رہنا اپنے اختیار سے تھا، ورنہ اگر آپ چاہتے تو بطحائے مکہ سونا بن جاتا جس سے آپ کل کائنات سے زیادہ دنیا دار سمجھے جاتے۔ لیکن یہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت ناپسند تھا) [1]

شانِ نزول کاشفی نے لکھا ہے کہ اسبابِ نزول میں مذکور ہے کہ جب کفارِ مکہ نے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر و فاقہ کا طعنہ دیا تو وہ رضوان جو بہشت کے باغات کی آرائش و زیبائش پر مامور ہے یہ آیت لے کر حاضر ہوا اور ایک نورانی ڈبیہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور میں پیش کی اور عرض کی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ساری دنیا کے خزائن کی کنجیاں اسی میں ہیں اور وہ سب میں نے آپ کو دے دی ہیں اور آخرت کی جتنی نعمتیں و کرامتیں میں نے آپ کے لیے مخصوص کر رکھی ہیں ان میں بھی کوئی کمی نہیں کروں گا۔ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے رضوان! اللہ تعالیٰ سے عرض کیجئے کہ مجھے ان کی ضرورت نہیں میں تو فقر و فاقہ کو ترجیح دیتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ بندۂ صبور و شکور رہوں۔ رضوان نے عرض کی: آپ نے خُوب فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سدا سلامت رکھے۔

ف: یہ بھی حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عالی ہمتی میں شمار ہوتا ہے کہ باوجودیکہ آپ کو فقر و فاقہ سخت تھا اور معاشی لحاظ سے آپ کو ہر وقت تنگی رہتی تھی لیکن آپ نے رُوئے زمین کے خزانوں کی طرف کبھی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھا، اور شبِ معراج تو آپ نے ماسوی اللہ کی طرف معمولی توجہ بھی نہ کی باوجودیکہ علوی کائنات کے خزانے اور

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ

دیگر ملکوتی عجائبات آپ کے سامنے رکھ دیئے گئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مازاغ البصروما طغیٰ۔ ؎

زرنگ آمیزئ ریحان آں باغ
نہادہ چشم خود را مہر ما زاغ
نظر چوں برگرفت از نقشِ کونین
قدم زد در حریم قاب قوسین

ترجمہ: اس باغ میں اس کی خوشبو کی ملاوٹ کی طرف ہمارے محبوب نے آنکھ بھی نہ اٹھائی۔ جب آپ نے کونین کے نقش سے آنکھ پھیر لی تو آپ کو قاب قوسین کے حرم میں قدم رنجہ فرمانے کی اجازت عطا ہوئی۔

اختیار بدست مختار

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ اپنے رب تعالیٰ سے کچھ مانگ لیں تاکہ آپ کو وہ خوشحال فرمائے۔ بی بی فرماتی ہیں کہ میں نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ بھوکے ہیں اور آپ نے شکمِ اطہر پر پتھر بھی باندھا ہوا ہے میں آپ کی اس کیفیت پر رو پڑی۔ میرے رونے پر آپ نے مجھے فرمایا:

یاعائشۃ والذی نفسی بیدہ لو سألت ربی ان یجری معی جبال الدنیا ذھبا لاجراھا حیث شئت من الارض ولکن اخترت جوع الدنیا علی شبعھا وفقرھا علیٰ غناھا وحزن الدنیا علی فرحھا۔ یا عائشۃ ان الدنیا لا تنبغی لمحمد ولا لآل محمد۔	اے عائشہ! مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر میں اپنے رب سے سوال کروں کہ دنیا کے پہاڑوں کو سونے کا بنا کر میرے ساتھ کر دے تو وہ کر دے گا۔ لیکن میں نے اس سے دنیا میں بھوکا رہنا اور فقر مانگا ہے اور حزن کا سوال کیا ہے۔ اے عائشہ! یہ دنیا محمّد اور آلِ محمد کے لائق نہیں۔

مختارِ کل کی ایک بہترین دلیل

فقیر (صاحبِ روح البیان قدس سرہٗ) کہتا ہے:

عصمہ اللہ القدیر کان علیہ السلام من اھل الاکسیر الاعظم والحجر المکرم فان شانہ اعلیٰ من شان	اللہ قدیر نے حضور علیہ السلام کو محفوظ رکھا۔ آپ اکسیرِ اعظم اور قیمتی حجر ہیں آپ کی شان دوسرے انبیاء علیہم السلام سے اعلیٰ سے ہر لحاظ سے

سائر الانبیاء علیهم السلام من کل وجه وقد اوتوا ذلك العلم الشریف و عمل به بعضهم کادریس و موسٰی و نحوهما علٰی ما فی کتب الصناعة الحجریة لکنه علیه السلام لم یلتفت الیه ولو یعمل به ولو عمل به لجعل مثل الجبال ذهبا و لملك مثل ملك کسری وقیصر لانه لیس بمناف للحکمة بالکلیة فان بعض الانبیاء قد اوتوا فی الدنیا مع النبوة ملکا عظیما۔

اور دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی اکسیر کا علم دئے گئے ان کے بعض نے اس پر عمل کیا مثلاً ادریس و موسٰی علیہما السلام جو انہوں نے اپنی کتابوں سے اکسیر کا علم پڑھا اور اسے عمل میں لائے لیکن ہمارے حضور علیہ السلام نے اس کی طرف توجہ تک نہ دی اگر آپ عمل میں لاتے تو بظاہر آپ کے پاس سونے کے پہاڑ ہوتے اور آپ قیصر و کسرٰی کی طرح ظاہری بادشاہ ہوتے کیونکہ یہ نبوت کے بالکل منافی بھی نہیں اس لیے کہ بعض انبیاء علیہم السلام کو نبوت کے ساتھ بہت بڑی بادشاہی عطا ہوئی (جیسے سلیمان علیہ السلام)

فقر فخری کیوں

(صاحبِ روح البیان فرماتے ہیں کہ) حضور علیہ السلام نے اپنے لیے فقر و فاقہ کیوں اختیار فرمایا، اس کے مندرجہ ذیل وجوہ تھے:

(۱) اگر آپ تونگری اختیار فرماتے تو آپ کے ہاں لوگ دنیوی طمع کی خاطر حاضری دیتے۔ اللہ تعالٰی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر و فاقہ کا اختیار دیا تاکہ جو بھی آپ کے ہاں حاضر ہو خالص دین و اسلام کے لیے ہی حاضر ہو۔

(۲) اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر و فاقہ کا اختیار دیا تاکہ فقراء و مساکین کے قلوب کو تسکین نصیب ہو کہ جب انھیں تنگ دستی اور فقر و فاقہ ستائے تو وہ حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ کو یاد کرکے تسلّی

---

[1] یہ عمل وہ ہے جسے آج بھی بعض لوگ حاصل کر لیتے ہیں لیکن جن کی نظر و نگاہ اور زبان و کلام خود کیمیا ہو تو انھیں عمل کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ سیدنا فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ کے ہاں ایک شخص نے مفلسی کی شکایت کی تو آپ نے اسے ڈھیلے پر سورۂ اخلاص پڑھ کر دیا تو وہ ڈھیلا سونا بن گیا پھر وہ احمق گھر جا کر خود وہی عمل کرنے لگا لیکن بے سود۔ واپس حضرت کے ہاں شاکی ہوا کہ آپ نے تو ایک دفعہ سورۃ پڑھی تو ڈھیلا سونا بن گیا میں نے ہزاروں بار پڑھی لیکن کچھ نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا: پہلے زبانِ فرید پیدا کر پھر سونا بنانا مشکل نہیں ہے۔ لیکن اس کے باوجود حضور گنج شکرؒ نے عُسرت میں زندگی بسر فرمائی۔ اویسی غفر لہٗ

پائیں جیسے دولت مند کو مال و دولت سے سکون حاصل ہوتا ہے۔

(۳) تاکہ لوگوں کو تنبیہ ہو کہ مالِ دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت، ذلیل اور بیکار شے ہے ورنہ اگر یہ اچھی شے ہوتی تو اللہ تعالیٰ تو کافر کو مکھی کے پر کے برابر بھی مالِ دُنیا عطا نہ کرتا اور نہ ہی اسے اس کا گھونٹ پینے کو دیتا، ورنہ اللہ تعالیٰ قادر تھا کہ جب کفار نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو قلتِ مال کا طعنہ دیا جاتا تو آپ کو دنیوی مال سے مالا مال کر دیتا لیکن چونکہ دنیوی مال ایک گندی چیز تھی اس لیے محبوب علیہ السلام کو طعنۂ کفار پر مال و دولت کی بجائے خوشخبری سُنائی کہ میں نے جو کچھ آپ کے لیے آخرت کا سرمایہ تیار کیا ہے وہ اس سے کروڑ گنا بہتر و برتر ہے۔

ازالہ وہم جن حضرات انبیاء و اولیاء علیٰ نبینا و علیہم السلام پر مال و دولت کی دُلفرت تھی ان پر بھی طعن و تشنیع نہ کی جائے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے ارادہ و مشیت اور بتقاضائے حکمت و مصلحت مال و دولت عطا فرماتا ہے ورنہ اس قادرِ مطلق کا قانون ہے کہ جس پر معارف و علوم کے دروازے کھولتا ہے اس سے دنیوی مال و دولت کے دروازے بند فرما دیتا ہے۔ دوسروں کو جب مال و دولت عطا فرماتا ہے تو ان پر معارف و علوم کے دروازے بند کر دیتا ہے[۱] قصیدہ بردہ شریف میں ہے: ؎

وراودته[۲] الجبال الشم من ذهب

عن نفسه فاراها ايما شمم

ترجمہ: سونے کے بلند پہاڑوں نے حضور علیہ السلام کو پھسلانا چاہا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت استغنا ظاہر کیا، کچھ پرواہ نہ کی۔

---

[۱] اسی لیے سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ؎

رضينا قسمة الجبار فينا

لنا علم و للجهال مال

فقیر اویسی غفرلہٗ اپنے مسکین سُنّی علمائے کرام کو یہی شعر سنا کر خدمتِ دین میں منہمک رہنے کی استدعا کرتا رہتا ہے۔

[۲] **حل لغات**: راودت ماضی از مراودۃ بمعنے آمد و رفت رکھنا، کسی شے کی تحصیل کے لیے جد و جہد رکھنا۔ کما قال تعالیٰ:

وراودته التی عن نفسه یعنی اسے پھسلانا چاہا۔

جبال جمع جبل (پہاڑ)۔ شم بالضم جمع اشم نہایت بلند۔ الشم، الجبال کی صفت ہے۔ یعنی

(باقی برصفحہ آئندہ)

حل لغات: الشم جمع الاشم و اشم بمعنے ارتفاع - یعنی میں انہیں بہت بلند سمجھتا ہوں یہاں تک کہ ان کی کُنہ تک کوئی نہیں پہنچ سکتا -

۵

واکدت زھدہ فیھا ضرورتہ[لہ]

ان الضرورۃ لا تعدوا علی العصم

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ضرورت نے آپ کے زُہد کو زیادہ کر دیا اس لیے کہ احتیاج دنیوی عصمت پر غالب نہیں ہو سکتی -

---

(بقیہ حاشیہ ص ۳۳۴) الجبال الرفیعۃ - ذھب زر - من ذھب صفت ہے جبال کی - اراھا فاعل ارٰی ضمیر راجع بحضور علیہ السلام - وضمیر ھا راجع بجبال - ایما - ای کسی چیز کی عظمت پر دلالت کرتا ہے - ما زائدہ - شمم بفتحتین بلندی بینی - اس سے مراد کمال استغنا ہے -

ترجمہ: سونے کے بلند پہاڑوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پھسلانا چاہا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت استغنا ظاہر کیا، کچھ پروا نہ کی -

تشریح: اشارہ ہے اس روایت کی طرف:

ان جبریل علیہ السلام نزل فقال ان اللہ یقرءک السلام و یقول لك اتحب ان اجعل ھذہ الجبال ذھبا وتکون معك اینما کنت فتوقف ساعۃ فقال یا جبرائیل ان الدنیا دار من لا دار لہ ومال من لا مال لہ قد یجمعھا من لا عقل لہ فقال لہ جبرائیل ثبتك اللہ یا محمد بالقول الثابت -

ترجمہ: روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آئے اور کہا کہ خدا تعالیٰ بعد تحفۂ سلام کے فرماتا ہے کہ اگر آپ کی خواہش ہو تو میں آپ کے لیے پہاڑوں کو سونا کر دوں اور جہاں آپ جائیں یہ آپ کے ساتھ ہوں - حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعد از تامل فرمایا کہ اے جبرئیل! دنیا اس شخص کا گھر ہے جس کا اور گھر نہیں ہے اور اس شخص کا مال ہے جس کا اور مال نہیں ہے - اس کو بے وقوف آدمی اپنا ذخیرہ سمجھتا ہے - جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ خدا آپ کو اس پر ثابت قدم رکھے -

پانچ پہاڑ تھے جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں یہ آرزو پیش کی تھی: جبل ابو قبیس، جبل حرا، جبل ثور، جبل لطحا، جبل عرفات - اس قسم کی روایات ہم نے تفسیر میں پہلے لکھ دی ہیں -

[لہ] حاشیہ بر صفحہ ۳۳۶ -

(باقی ص ۳۳۶ پر)

حلِ لغات العصم، العصمة کی جمع ہے۔ یعنی آپ کی شدۂ ضرورت آپ کی ازلی عصمۃ پر غلبہ نہیں پاسکتی بلکہ آپ کی ضرورت الٹا آپ کے ترک دنیا دنیہ کو اور مضبوط کرتی تھی۔ نہ ہی آپ کی ہمت نے دنیا کو آنکھ اٹھا کر دیکھا اور نہ ہی آپ کی چشمِ خیال آخرت میں بہکی۔

(حاشیہ ص ۳۳۵)
(اضافہ از اویسی غفرلہٗ)

حلِ لغات : اکدت فعل ماضی از تاکید محکم و مضبوط کرنا۔ زھد بے رغبتی، ترکِ دنیا۔ مفعول اکدت۔ فیھا کی ضمیر جبال یا دنیا کی طرف راجع ہے جو ضمناً لفظ ذھب (جو شعر ماسبق میں ہے) سے سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ دنیا زر و مال کا نام ہے۔ ضرورت سخت احتیاج۔ فاعل اکدت، زھدہٗ کی ضمیر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی طرف راجع ہے۔ لا تعتد صیغہ واحدہ مونث غائبہ معلوم مضارع منفی از عدوان بمعنے حد سے تجاوز کرنا، غالب آنا۔ عِصَم بکسر اول فتح ثانی جمع عصمۃ بمعنی باز داشتن و نگاہ داشتن از گناہ۔ وھی لطف من اللہ تعالیٰ یحمل العبد علیٰ فعل الخیر و یزجرہ عن الشر (یہ خدا تعالیٰ کی مہربانی ہے جو بندہ کو اچھے کام کی طرف راغب کر دیتی ہے اور بُرے کاموں سے بچاتی ہے)

ترجمہ : حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دنیوی حاجت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زُہد کو اور بھی زیادہ مستحکم کر دیا فی الحقیقت احتیاج دنیوی عصمت حقیقی پر غالب نہیں آسکتی۔

تشریح : لوگوں کی دنیوی احتیاج ان کی پرہیز گاری کو کمزور کرتی ہے برخلاف اس کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جس قدر دنیوی احتیاج زیادہ ہوتی اُسی قدر آپ کا زُہد زیادہ مستحکم ہوتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ما یحتاج الیہ کی پروا تک نہ کرتے تھے کیونکہ آپ دنیا اور اُس کی ضرورتوں کو ایک فریب سمجھتے تھے۔ گویا ضرورتوں کا پیش آنا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان کے انصرام میں کم توجہی فرمانا باعثِ استحکامِ زہد ہوتا تھا۔

حدیث شریف

روی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان مضطجعاً سریر مفروش بشئی خفیف رطب اخضر و تحت رأسہ وسادۃ من ادیم مملوۃ بلیف فدخل علیہ عمرؓ مع جماعۃٍ من الصحابۃ فانحرف النبی صلی اللہ علیہ وسلم فرأی عمرؓ اثر الفراش علی جنبیہ فبکیٰ فقال ما یبکیک یا عمرؓ فقال کیف لا ابکی ان کسریٰ و قیصر ینعمان

(باقی برصفحہ ۳۳۷)

وکیف تدعو الی الدنیا ضرورۃ من
لولاہ ثم تخرج الدنیا من العدم

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۶)

فیہ من الدنیا وانت علی ھذہ الحالۃ فقال علیہ السلام یا عمرؓ اما ترضٰی ان یکون لھم فی الدنیا ولنا فی الاٰخرۃ فقال بلٰی۔ فنزل جبرئیل علیہ السلام وقال سنۃ اللہ قد جرت علٰی ان لذۃ الاٰخرۃ تنقص علٰی کل احد یحب ازدیاد لذۃ الدنیا فما کانت لذۃ الدنیا اکثر کانت لذۃ الاٰخرۃ اقل کما فی قولہ تعالٰی اذھبتم طیبٰتکم فی حیاتکم الدنیا۔ لکن اللہ یقول قل لمحمد خذ من عظائم الدنیا ما ترید واطلب ما تشاء فانک مجاب لاتنقص من لذاتک فی الاٰخرۃ بسبب لذاتک فی الدنیا فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام واللہ خیر و ابقٰی۔

ترجمہ: روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک چارپائی پر (جس پر سبز کھجور کا بوریا بچھا ہوا تھا) لیٹے ہوئے تھے اور سر مبارک کے نیچے چمڑے کا تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ ایک جماعتِ صحابہؓ کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اتفاقاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کروٹ لی تو حضرت عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو پر بوریا کے نشان دیکھتے ہی آبدیدہ ہو گئے۔ حضورؐ نے پوچھا: عمرؓ! کیوں روتے ہو؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ میرے رونے کا یہ باعث ہے کہ کسرٰی اور قیصر تو دنیا میں نہایت شان و شوکت اور عشرت سے زندگی بسر کرتے ہیں اور حضور اس حالت میں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، عمرؓ! کیا تو یہ نہیں چاہتا کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت؟ حضرت عمرؓ نے کہا: بے شک میں یہی چاہتا ہوں۔ پس جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا خدا تعالٰی کا یہ قانون ہے کہ دنیا کی لذتیں جس قدر بڑھتی جائیں اُسی قدر آخرت کی لذتیں کم ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ خدا تعالٰی فرماتا ہے کہ تم اپنی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں پا چکے ہو۔ لیکن خدا تعالٰی فرماتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو کہ تم دنیا کی نعمتوں سے جو تمہارا جی چاہے لے لو آپ اس قاعدے سے مستثنٰی ہیں تمہاری لذاتِ آخرت لذاتِ دنیاوی کے حاصل کرنے سے کم نہ ہوں گی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اللہ بہتر و باقی ہے۔ اویسی غفرلہٗ

حل لغات : دعاہ الیہ بمعنے طلبہ الیہ وحملہ علیہ یعنی اسے اس نے طلب کیا اور اس پر اسے ابھارا۔

[اضافہ از اویسی غفرلہٗ

کیف کسی چیز کے حالات دریافت کرنے کے واسطے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں استفہام استبعاد ہے۔ یعنی آپ کی شان سے بعید ہے کہ دنیا کی احتیاج آپ کو اپنی طرف کھینچے۔ تدعو فعل مضارع واحدہ غائبہ مونث۔ دُعا بلانا۔ کیف تدعو استفہام انکاری ہے دنیا مشتق دنو سے بمعنے نزدیک ہونا۔ اِس جہان کو دنیا اس لیے کہتے ہیں کہ یہ باعتبارِ زمان بہ نسبت آخرت کے انسان کی ذات سے قریب ہے۔ یا مشتق ہے دنائیت بمعنی خست وکمینگی سے۔ کیونکہ یہ تقرب الی اللہ کی مانع ہے۔ لولاہ۔ ضمیر ہ راجع بحضور علیہ الصلوٰۃ و السلام۔ مبتدا خبر موجود محذوف۔ لم تخرج صیغۂ جحد۔ یا تو یہ صیغہ معلوم ہے از خروج بمعنے نکلنا ہے۔ یا مجہول از اخراج بمعنے نکالنا۔ اِس جگہ دونوں صحیح ہیں۔ عدم نیستی۔

ترجمہ : کس طرح (ممکن ہے) کہ ایسی ذاتِ اقدس کو اس کی ضرورت دنیا کی طرف بلائے کہ اگر آپ پیدا نہ ہوتے تو دنیا ہی عدم سے وجود میں نہ آتی۔

تشریح : پہلے شعر میں جو بظاہر تعجب پیدا ہوا تھا اُس کو رفع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے حق میں لولاک لما خلقت الافلاک آیا ہے تو پھر ضرورتِ انسانی دنیائے دنی کی طرف کس طرح حضور کی توجہ کو پھیر سکتی ہے۔]

سکونِ عرش نامِ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا :

اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ عیسٰی ان صدق محمدا وامر امتك من ادرکہ منھم ان یؤمنوا بہ فلولا محمد ما خلقت آدم ولولاہ ما خلقت الجنۃ والنار ولقد خلقت العرش فاضطرب فکتبت علیہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ فسکن[1]

اللہ تعالیٰ نے عیسٰی علیہ السلام کو وحی بھیجی اے عیسٰی! ایمان لا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور تیری امت سے جو لوگ ان کا زمانہ پائیں انہیں حکم دو کہ اس پر ایمان لائیں کیونکہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ ہوتا تو میں نہ آدمؑ کو پیدا کرتا نہ جنّت اور دوزخ بناتا جب میں نے عرش کو پانی پر بنایا اس میں جنبش تھی میں نے اس پر لکھا لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، تو وہ ٹھہر گیا۔

---

[1] اس جیسے اور مضامین فقیر کی کتاب "شہد سے میٹھا نامِ محمد" میں پڑھیے۔ اویسی غفرلہٗ

نتیجہ جس کے فیضِ نعمت سے دنیا ایک قطرہ ہو اسے ضروریاتِ دنیا کیسے پریشان کر سکتی ہیں (کذا فی شرح العقیدہ لابن الشیخ)

مثنوی شریف میں ہے : ؎

۱ راہزن ہرگز گدائے را نزد
گرگ گرگ مردہ را ہرگز نگزد

۲ خضر کشتی را برائے آں شکست
تا تواند کشتی از فجار رست

۳ چوں شکستہ می رہد اشکستہ شو
امن در فقرست اندر فقر رو

۴ آنکہ گو داشت از کان نقد چند
گشت پارہ پارہ از زخم کلند

۵ تیغ بہر اوست کو را گردنیست
سایہ افگندست برو بے رحم نیست

ترجمہ : (۱) رہزن کبھی گداگر کو نہیں لوٹتا ۔ بھیڑیا مُردہ بھیڑیے کو گزند نہیں پہنچاتا ۔
(۲) خضر علیہ السلام نے کشتی اس لیے توڑی تاکہ کشتی نالائقوں سے بچ جائے ۔
(۳) جب عاجزی میں نجات ہے تو عاجز ہو ۔ امن فقر میں ہے اسی لیے فقیر ہو کر زندگی بسر کر ۔
(۴) پھر وُہ جو کچھ نقد اپنے پاس رکھتا ہے وہ کلند کے زخم سے پاش پاش ہو جاتا ہے ۔
(۵) تلوار اس کے لیے ہے جس کی گردن ہے سایہ اسی گردن پر ڈالتی ہے پھر اس پر رحم بھی نہیں کرتی ۔

سبق : انسان کو تواضع اور فقر و فاقہ لازم ہے ۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ بلکہ انہوں نے قیامت کی تکذیب کی ۔ الساعۃ سے قیامت اور حشر نشر مراد ہے ۔ اور الساعۃ زمانہ کے کسی ایک جزء کا نام ہے اور قیامت کو الساعۃ سے اس لیے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لے گا ۔ کما قال تعالیٰ :

وھو اسرع الحاسبین ۔ (وہ جلد تر حساب لینے والا ہے)

یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اپنے ارشاد گرامی کانھم یرونھا لم یلبثوا الا ساعۃ من نھار سے متنبہ فرمایا ہے (کذا فی المفردات) ان کی جنایۃ سابقہ کی حکایت سے توبیخ کے اعراض کے

بعد ان کی دوسری جنایت کی حکایت سے توبیخ فرمائی تاکہ انہیں یقین ہو کہ قیامت کے عذاب کا موجب ان کے اپنے اعمال سیئہ ہیں وَ اَعۡتَدۡنَا اور ہم نے تیار فرمایا۔ یہ دراصل اَعۡتَدۡنَا تھا لِمَنۡ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ اس کے لیے جس نے قیامت کی تکذیب کی۔ یہاں بر ضمیر کے بجائے مظہر لایا گیا تاکہ انھیں اپنے عمل یعنی تکذیب بالساعۃ کی خرابی پر تنبیہ ہو۔ سَعِیۡرًا ؕ بہت بڑے شعلوں والی آگ۔

ف : بعض اہل حقائق نے فرمایا کہ آخرت کی آگ ان دنیوی اعمال یعنی حرص علی الدنیا اور اسے اپنا ماویٰ وملجا سمجھنے سے سُلگائی جائے گی۔

اِذَا رَاَتۡهُمۡ یہ سعیر کی صفت ہے یعنی جب کفار اس مقام پر پہنچیں گے جہاں انہیں نارِ جہنم دیکھے گی۔

سوال : رؤیۃ کی نسبت نار کی طرف کیوں، جبکہ وہ دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

جواب : یہ نسبت مجازی۔ اور اسی محاورہ سے ہے جو اہلِ عرب کہا کرتے ہیں :

داری تنظر دارك ۔ (میری دار تیری دار کو دیکھتی ہے)

یہ اس وقت بولتے ہیں جب کسی کی دار دوسرے کی دار کے بالمقابل ہو ملزوم یعنی رؤیت بول کر لازم مراد لیا گیا ہے۔ یعنی وُہ جگہ جہاں سے کوئی شے نظر آئے اور ملزوم سے لازم کی طرف منتقل ہونا مجاز ہے۔

مِّنۡ مَّكَانٍۭ بَعِیۡدٍ دُور کی جگہ سے، یعنی انتہائی بُعد سے جہاں تک دیکھنا ممکن ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ مشرق سے مغرب کی طرف پانچسو سال کی مسافت سے دوزخ کی آگ دکھائی دے گی۔ اس میں اشارہ ہے کہ دوزخیوں اور دوزخ کے درمیان فاصلہ اس دنیوی فاصلے سے نرالا ہوگا۔ سَمِعُوۡا لَهَا تَغَیُّظًا سنیں گے اس سے سخت آواز۔ یعنی وُہ آواز جو ہنڈیا کے جوش مارنے سے خارج ہوتی ہے، اور اس غضب ناک شخص کی آواز کو بھی کہتے ہیں جو غیظ وغضب کے وقت اس کے سینے سے سنائی دیتی ہے وہ بھی جب کسی پر غصہ کرتا ہے تو اس کے سینے سے سخت آواز نکلتی ہے۔ چنانچہ ابن الشیخ نے فرمایا کہ اہلِ عرب کہتے ہیں :

اما رأیت غضب الملك ۔ (کیا تو نے بادشاہ کا غضب نہیں دیکھا)

یہ اس وقت بولتے ہیں جب بادشاہ سے وُہ علامات محسوس ہوں جو ان کی ناراضگی پر دلالت کریں ویسے صرف آواز سے کسی کی شدید رنجش کا خیال نہیں گزرتا جب تک کہ اس میں ناراضگی کے سبب سے آواز کی سختی کا تصور نہ ہو اور وہ کبھی آواز سے محسوس ہوتا ہے اور کبھی آواز کے بغیر بھی۔ اور غضب وہ گرمی جو انسان کو قلب کے خون کے جوش سے محسوس ہو۔ وَّ زَفِیۡرًا زفیر اس آواز کو کہا جاتا ہے جو پیٹ کے اندر سے سنائی دے۔ دراصل یہ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان کی سانس بار بار نکلے یہاں تک کہ پسلیاں پھول جائیں۔

نفسی نفسی کی آواز عبید بن عمیر نے فرمایا کہ جب جہنم کی آگ جوش مارے گی تو ہر نبی مرسل اور ملک مقرب خوفِ خدا کی وجہ سے سربسجود ہو کر گر جائے گا اور ان پر لرزہ طاری ہوگا یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام گھٹنے کے بل گر کر بارگاہِ ایزدی میں عرض کریں گے :

یا رب یا رب لا اسئلك الا نفسی۔

(اے میرے پروردگار ! مجھے بخش دے۔)

اہلسنت کا مذہب : اہل سنّت کے نزدیک نار کی مذکورہ آواز حقیقی ہے اس لیے کہ حیات وغیرہ کے لئے ڈھانچہ ضروری نہیں۔ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ نار بہ ہیئت کذائیہ میں حیات، عقل، رؤیۃ، نطق پیدا فرمادے۔ [اسی بنا پر ہم اہلسنّت انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے لیے معجزات وکرامات کو بلا تامل تسلیم کرلیتے ہیں لیکن معتزلہ جمادات وغیرہ میں حیات کے قائل نہیں اس لیے انھیں اشکال ہے تو ان کی ذریات کو بھی معجزات وکرامات سے طرح طرح کے اشکالات پیدا ہوتے ہیں[1]]

علامہ اسمٰعیل حقّی کا استدلال فقیر (حقی) کہتا ہے کہ اہل سنّت کا مذہب حق ہے جیسا کہ وان الدار الاٰخرۃ لھی الحیوان[2] اس پر قوی دلیل موجود ہے اسی لیے ایسے مقامات پہ کسی قسم کی تاویل کی ضرورت نہیں۔

وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا - مکانا مفعول فیہ دراصل فی مکان تھا اور منھا سابق مضمون کا بیان ہے۔ اسی معنے پر یہ اس سے حال ہے اور ضمیر سعیر کی طرف راجع ہے۔ ضیقا، مکانا کی صفت ہے یعنی اور جب دوزخ کے تنگ مکان میں پھینکے جائیں گے۔ ضیق کی صفت میں اشارہ ہے کہ وہ دوزخ میں جا کر سخت کرب وبلا میں مبتلا ہوں گے جیسے روح جسم میں باوجود فراخی کے تنگی میں ہے۔ یہی راز ہے عرضھا السمٰوٰت والارض میں کہ بہشت میں اتنی وسعت ہے کہ یہ چودہ طبق اس کے ایک گوشے میں پڑے رہیں۔

ف : دوزخ ان کے لیے ایسے تنگ ہو جائے گی جیسے تیر میں تیر کا پھل یا جیسے دیوار میں میخ۔ اس سے ان کے عذاب میں سخت ترین اضافہ ہوگا جیسے ان کے دلوں میں ایسی تنگی تھی کہ ان میں نہ سما سکا (اعاذنا اللہ)

مُقَرَّنِيْنَ دراںحالیکہ ان کے ہاتھوں کو کاندھوں سے ملا کر وہ جکڑ دیئے جائیں گے زنجیروں سے، یا ہر مجرم اپنے ہم جنس کے ساتھ جکڑا ہوگا یعنی اس کا ساتھی شیطان آتشیں زنجیر سے جکڑ کر جہنمی کے ساتھ جکڑ دیا جائے گا۔ اہلِ عرب کہتے ہیں :

---

[1] اضافہ از اویسی غفرلہٗ [2] اور بیشک دارِ آخرت ہی حقیقی حیوٰۃ ہے۔

قرنت البعیر بالبعیر۔ بمعنے جمعت بینهما یعنی میں نے دو اونٹوں کو یکجا ملایا۔ و قرنته بالتشدید میں تکثیر مطلوب ہوتی ہے۔

دَعَوْا اپنے لیے پکاریں گے هُنَالِكَ اسی خوفناک مکان اور اندوہناک حالت میں ثُبُوْرًا ہلاکت کو۔ یہ کلمہ وہ شخص بولتا ہے جو ہلاکت کا آرزومند ہو۔ یعنی اس وقت ہلاکت کی تمنا کرتے ہوئے کہیں گے:

یا ثبوراہ یا ویلاہ یا هلاکاہ تعال فهذا اوانك۔	اے تباہی و ہلاکت آجا اب تیرا آنے کا وقت ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

اول من یکسی یوم القیامة ابلیس حلة من النار بعضها علی حاجبیه فیسحبها من خلفه و ذریته خلفه وهو یقول و اثبوراه وهم ینادون یا ثبورهم حتی یقفوا علی النار فینادی یا ثبوراه وینادون یا ثبورهم۔

(قیامت میں جہنم کا لباس سب سے پہلے ابلیس کو پہنایا جائے گا یہاں تک کہ اس کا بعض حصہ اس کے ابرو تک ہوگا اسے پیچھے سے کھینچا جائے گا اس کے پیچھے اس کی اولاد ہوگی۔ وہ پکارے گا واثبوراہ، اور وہ پکاریں گے اثبورھم۔ ایسے ہی کھینچ کر ان سب کو دوزخ میں لایا جائے گا۔ پھر پکارے گا واثبوراہ۔ اس کی اولاد پکارے گی واثبورھم)

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ بلاواسطہ یا ملائکہ کی زبان میں فرمائے گا:

لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا۔ آج ایک ہلاکت کو نہ پکارو (بلکہ بہت ہلاکتیں تمہیں آئیں گی) تاکہ انہیں تنبیہ ہو کہ یہ عذاب ان کے لیے دائمی ہے۔ یعنی آج ایک دفعہ نہیں بلکہ وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا بار بار پکارو یا اس قسم کی کئی دعائیں اور پکاریں پکارو کیونکہ جس سخت عذاب میں تم ہو وہ تمہارے لیے دائمی ہے اور جتنی بار پکارتے جاؤ گے اتنی بار تمہیں عذاب کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔

قُلْ اَذٰلِكَ فرمائیے کیا یہی عذاب خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ اچھا ہے یا وہ دائمی جنت جس کا متقیوں کو وعدہ دیا گیا۔ اس سے مطلق تقویٰ مراد ہے یعنی ایمان تقویٰ کا صرف دوسرا اور تیسرا مرتبہ مراد نہیں اس لیے کہ ہم اہلسنت کے نزدیک ہر ایمان دار متقی ہے اگرچہ عاصی ہو۔ اور دارالخلد سے وہ نعمتیں مراد ہیں جن کا انقطاع نہ ہو اور نہ ہی ان کے اہل سے واپس لے جائیں اور خلد کی طرف جنت کی اضافت مدح کے لیے ہے ورنہ جنت خود اسی دار کا نام ہے جس میں دوام و بقا ہے اور خلود وہ

شے جو فساد کے عارض ہونے سے بری ہو اور اس کی اسی حالت پر بقا ہو جس حالت پر وہ ہے۔ نیز یہ بھی ہے کہ جنۃ مطلقاً ایک اسم ہے جس میں ضروری نہیں کہ اس میں وہ باغات ہوں جو بہجۃ و سرور پر مشتمل ہیں۔ اور نہ ہی خلود کا معنی اس سے حاصل ہوتا ہے اسی لیے اسے خلد کی طرف مضاف کیا گیا تاکہ اس سے خلود کا معنی حاصل ہو۔

سوال: یہاں لفظ شک سے شک پڑتا ہے کہ ان میں اچھا کون ہے پھر اس میں استفہام اور لفظ تردید کا معنی بھی مطابقت نہیں کھاتا۔ دوسرا عقلاً بھی یہ عبارت صحیح معلوم نہیں ہوتی اسی لیے کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ "شکر زیادہ میٹھی ہے یا مصبّر، اور مصبّر ایک کڑوی دوائی کا نام ہے۔

جواب: (۱) ایسی عبارت دراصل تقریع وتہکم وتحسیر (حسرت دلانا) کے وقت بولی جاتی ہے جبکہ کسی سے کوئی شے رہ جائے اس کے لیے اس طرح کی عبارت بولتے ہیں۔

(۲) الوسیط میں ہے کہ اس میں دونوں جگہوں (دوزخ وجنۃ) کے مابین فرق ظاہر کرنا مطلوب ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ دوزخ بھی ایک اچھا مقام ہے۔

(۳) مجازاً ایسے کہا گیا اگرچہ دوزخ میں خیر وبھلائی کا معنی نہیں یہ ایسے ہے جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں:

العافية خير من البلاء۔

(بیماری سے عافیت بہتر ہے)

اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وہ خطاب فرمایا جو ان میں متعارف تھا۔ كَانَتْ تھی وہ جنۃ لَهُمْ اللہ تعالیٰ کے علم میں متقیوں کے لیے جزا، بتقاضائے کرم ان کے اعمال پر جزا۔ یا در ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بہشت عطا کرنا اس کا کرم ہے یہ تصور ہرگز نہ کرنا کہ یہ دولت اعمال سے نصیب ہوگی (اعمال اس کے کرم کا نتیجہ ہیں) جَزَآءً بمعنے غنا وکفایت یعنی جزاء وہ ہے جس میں اپنے بالمقابل کی کفایت کرے۔ اگر بالمقابل نیکی ہے تو نیک جزا، اگر برائی ہے تو سزا۔ اور الجزیہ وہ ہے جو اہلِ ذمہ سے وصول کیا جائے وہ اس لیے کہ یہی جزیہ چونکہ ان کی جان کی حفاظت کا سبب بنے گا اسی لیے اسے اس نام سے موسوم کرتے ہیں وَّمَصِيْرًا ۝ لوٹنے کی جگہ، یعنی مرنے کے بعد وہیں پر لوٹیں گے۔

ف: المصیر والمرجع میں فرق ہے اس لیے کہ المصیر میں ضروری ہے کہ وہ پہلی جگہ کے خلاف ہو۔ اور المرجع میں دوسری جگہ کے خلاف ہونا ضروری نہیں۔

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ان کے لیے اس میں وہی ہوگا جو وہ چاہیں گے جس قسم کی نعمتیں اور لذتیں مطلوب ہوں گی انہیں وہاں میسر ہوں گی لیکن علیٰ حسبِ مراتب، کیونکہ وہاں اپنے مراتب سے

مافوق کی خواہش بھی نہ ہو گی اس لیے ضروری نہیں کہ ہر بہشتی دُوسرے بہشتی کے مرتبہ کے برابر ہو۔

ازالہ وہم اس سے شرح الاشباہ کی غلطی کا پتا چلا جبکہ اس میں لکھا ہے کہ بہشت میں بھی لواطت کی اگر کوئی خواہش کرے گا تو اس کی خواہش پُوری کر دی جائے گی۔ یہ اس لیے غلط ہے کہ لواطت اخبث الخبائث ہے اس کے لیے حکمتِ ایزدی نے زنا کی طرح کسی زمانہ میں بھی کسی کو اجازت نہیں بخشی جب وہ حکمتِ ایزدی و مشیتِ خداوندی کے خلاف ہے تو پھر وہاں کس طرح کوئی بہشتی اس کی خواہش کرسکتا ہے۔ اس کے جواز کا نظریہ خباثت سے خالی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ آیت کا عموم متعارف پر مبنی ہے۔ اسی لیے بعض مفسرین نے فرمایا کہ بہشت میں ضروری نہیں کہ ہر مراد پُوری ہو بلکہ وہ مراد پُوری ہو گی جو مقتضائے حکمتِ ایزدی کے مطابق ہو گی۔ اور لواطت چونکہ پاکیزہ طبائع والوں کے لیے دُنیا میں بھی اخبث محسوس ہوتی ہے پھر آخرت میں کس طرح اس کی خواہش ہوسکتی ہے۔

خٰلِدِیْنَ یہ جار مجرور کی ضمیر مستتر سے حال ہے اور یہ جائز ہے جب اسے کسی پر اعتماد ہو۔ اور یہاں پر جار مجرور کو مبتداء پر اعتماد ہے اسی لیے اس سے اس کا حال واقع ہونا جائز ہوا۔ کَانَ دخولٌ خلود اور وہ جو کچھ چاہیں گے ہوگا عَلٰی رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا ۝ تیرے پروردگار سے یہ وعدہ سوال کیا ہوا۔ یعنی اس وقت اس سے ان چیزوں کا سوال عرض کیا جائے گا۔

نکتہ لفظ علٰی جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اسی لیے لایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے خلف الوعید ممتنع ہے۔

ف : آخرت میں انسان کی کامیابی کے لیے اتنا کافی ہے کہ اسے بہشت نصیب ہو اور دوزخ سے نجات نصیب ہو۔

حدیث شریف : حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے فرمایا:

"انی لا اعرف دندنتك ولا دندنة معاذ"

یعنی میں نہیں سمجھ رہا کہ تُو اور معاذ کیا کہہ رہے ہو!

یعنی تم اتنے لمبے اور طویل اذکار و دعوات کیوں بولتے ہو۔ میں تمہیں ان سے بھی مختصر اور جامع ذکر و دعا بتانا چاہتا ہُوں، وہ یہ کہ یُوں کہو:

انی اسئال الجنّة واعوذبه من النار۔ (میں بہشت کا سوال کرتا اور دوزخ سے پناہ مانگتا ہوں)

پھر اسے فرمایا کہ حولها ندندن یعنی حول الجنة والنار۔ یا اس کا معنی ہے ان دونوں کے

سوالات کے اردگرد پہلا سوال تھا جنت کے حصول کا، دوسرا دوزخ سے استعاذہ کا۔ (کما فی ابکار الاذکار)

خلاصہ حدیث یہ ہے کہ انسان کو بہشت کے حصول اور دوزخ سے نجات کی کامیابی کافی ہے (کما فی عقد الدر روالللآلی)

ف : ریاض الصالحین میں ہے کہ انسان کو یا تو صرف سالم ہونا چاہیے یعنی صرف فرائض ادا کرے اور معاصی سے اجتناب۔ یا رابح ہونا چاہیے کہ نوافل و سنن و مستحبات کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے یا پھر خاسر، کہ نہ فرائض ادا کرتا ہے اور نہ معاصی سے بچتا ہے اسی لیے ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ رابح بنے ورنہ کم از کم سالم تو ہو' اسے خاسر نہ بننا چاہیے۔

وظیفہ نبوی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دن میں ایک سو بار پڑھتا ہے: "لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہ الملک ولہ الحمد وھو علیٰ کل شیء قدیر" تو اسے دس غلاموں کے آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور اس کے عمل نامے میں ایک سو نیکی لکھی جاتے گی اور اس کے سو گناہ معاف ہوں گے اور اس دن وہ شیطان سے شام تک محفوظ رہے گا۔ اُس سے افضل عمل والا اور کوئی نہ ہوگا جب تک کہ کوئی اس سے زاید نہ پڑھے۔ (رواہ البخاری وغیرہ)

صُوفیاءِ کرام افضل ہیں حدیث شریف سے ثابت ہُوا کہ صوفیاءِ کرام ہم عوام سے افضل ہیں اس لیے کہ جب ایک سو دفعہ پڑھنے والے کا یہ مرتبہ ہے تو پھر ان حضرات کی کیا شان ہوگی جو ہمہ وقت اس قسم کے وظائف میں لگے رہتے ہیں۔ اور سب کو معلوم ہے کہ صوفیاءِ کرام اپنے ہر ورد اور وظیفہ پر سختی سے پابندی کرتے ہیں اور ان کے حضور قلبی کا کیا کہنا! حضور نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے اور ہر وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے ہے

ہر آں کو غافل از حق یک زمانست
دراں دم کافرست اما نہانست

ترجمہ : وہ شخص جو حق تعالیٰ سے ایک ساعت بھی غافل ہے وہ سمجھو کہ اسی گھڑی وہ کافر ہے اگرچہ پوشیدہ۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ اور اے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی اُمت کو یاد دلا تیے کہ جب اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جمع فرمائے گا مَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو معبود بنا رکھا تھا۔ یحشر بمعنے یجمع ہے۔ فَيَقُوْلُ تو اللہ تعالیٰ ان کے معبودوں کو فرمائے گا ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ کیا تم نے گمراہ کیا تھا عِبَادِيْ هٰۤؤُلَآءِ میرے انہی بندوں کو۔ یعنی

تم نے انہیں اپنی عبادت کی دعوت دی اور حکم کیا کہ وہ تمہاری عبادت کریں اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ۞
یا وہ خود گمراہ ہوئے جبکہ اُنھوں نے میرے دلائل و براہین کو صحیح نگاہ سے نہ دیکھا اور نہ ہی مرشد اور رہبرِ کامل کا
فرمان مانا، ان کے فرمان کو سن کر رُوگردانی کی۔ یہاں پر السبیل سے باء جارہ حذف کر کے ضلّوا کو بلا واسطہ
متعدی بنایا گیا ہے جیسے وھو یھدی السبیل میں حرف جارہ حذف کر کے بلا واسطہ فعل یھدی متعدی ہوا
کیونکہ یہ دراصل یھدی الی السبیل یا للسبیل تھا۔
فقیر (حقی) کہتا ہے کہ یہ اپنے نظائر پر محمول ہے معنی یہ ہے کہ وہ سیدھے راستے سے بہک گئے۔
اور لغتِ عرب میں ایسے ہوتا ہے۔

سوال: جب اللہ تعالیٰ مسئول عنہ یعنی کفار کے حال سے ازل سے باخبر تھا تو پھر یہاں پر سوال کرنے کا
کیا فائدہ؟

جواب: بت پرستوں کو مزید تنبیہ کرنا مطلوب ہے تاکہ اپنی خرابی کو ملاحظہ کریں یہ ایسے ہے جیسے عیسیٰ
علیہ السلام کو فرمایا گیا:

ءَ انت قلت للناس اتخذونی و امی الٰھین من دون اللہ۔

(کیا تم نے لوگوں کو فرمایا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بناؤ)

وہ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ بتوں سے سوال کرے گا تو بت حق بات واضح کر دیں گے اس پر بت پرستوں
کی حسرت و حیرت میں اضافہ ہوگا اور اپنے معبودوں کی تکذیب و بیزاری سے گریہ کریں گے اور حسرت کرتے ہوئے
کہیں گے کہ کاش اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کو شریک نہ کرتے۔

قَالُوْا یہ جملہ مستانفہ ہے۔ گویا کسی نے پوچھا کہ پھر بُت اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا کہ وہ جواب دیں گے: سُبْحٰنَكَ تیری پاکی ہے یا اللہ! کفار نے ہمیں معبود بنایا تعجب ہے
یا اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کی کہ یا اللہ! تُو تو شرکا سے پاک ہے۔ یہاں پر کفار کے وہی بت مراد ہو سکتے ہیں
جن کی اُنھوں نے پرستش کی، اگرچہ وہ پتھر وغیرہ یعنی جمادِ محض تھے اور وہ کسی بات کی قدرت نہیں رکھتے تھے۔
لیکن اللہ تعالیٰ ان کے اندر حیات پیدا کر کے انھیں خطاب کی صلاحیت دیتا ہے تاکہ وہ سوال و جواب
کر سکیں۔ مَا كَانَ يَنْۢبَغِیْ لَنَاۤ اور نہ ہی یہ ہمارے لائق ہے اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ یہ کہ
تجھ سے متجاوز ہو کر بنائیں مِنْ اَوْلِيَآءَ یہ من زائدہ نفی کی تاکید کرتا ہے اولیاء، نتخذ کا
مفعول ہے اور یہ صرف ایک مفعول کو چاہتا ہے۔ چنانچہ دُوسرے مقام پر ہے:

قل اغیر اللہ اتخذ ولیا۔

یعنی غیروں کو معبود بنائیں، نہ یہ ہمارے لائق ہے اور نہ ہم اس کے قائل ہیں۔ کیونکہ ہم تو یہ تصوّر بھی نہیں کر سکتے کہ کسی دوسرے کو تیرے سوا معبود بنائیں (حاشا وکلا)۔

ف : ابن الشیخ نے فرمایا کہ ما کان ینبغی لنا الخ کو کنایہ بنایا گیا ہے ان کے اس عقیدے کا کہ ہم تو قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود بنانا جُرم عظیم ہے بلکہ بعید از عقل ہے۔ یہ ان کے صریح انکار سے زیادہ بلیغ ہے مثلاً انھیں کہا گیا کہ تم نے انہیں گمراہ کیا یا تم نے کہا کہ وہ غیر اللہ کو معبود بنائیں تو صراحةً یُوں کہتے نہ ہم نے انھیں گمراہ کیا اور نہ ہی غیر اللہ کو معبود بنانے کا حکم دیا۔

تفسیر صُوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ بیان کی کہ اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی ہم اس کے قائل ہیں کہ ہم غیر اللہ کو معبود بنائیں۔ لیکن انہوں نے خود اس غلطی کا ارتکاب کیا کہ انہوں نے غیر اللہ کی عبادت کی یعنی خدا تعالیٰ کے احکام پسِ پشت ڈال کر انسانوں کے احکام پر عمل کیا جیسے ہم عوام کی عادت ہے ان کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

اولئك هم شر البريه۔

(یہ جملہ مخلوق سے بدتر ہیں)

تفسیر عالمانہ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ متتم بمعنے برخورداری دادن۔ یعنی اے اللہ! ہم نے انھیں گمراہ نہیں کیا دراصل بات یہ ہے کہ تُو نے انہیں طویل عمریں عطا فرمائیں اور طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا تو وہ بجائے اس کے کہ تیری ذات کی معرفت حاصل کرتے اور تیری دی ہوئی نعمتوں کا شکر کرتے لیکن الٹا شہوات میں پڑ کر غلط کاریوں میں منہمک ہو گئے حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ یہاں تک کہ وہ ذکر سے غافل ہو گئے اور جتنی انھیں مواعظ ونصائح کیں سب کو پسِ پشت ڈال دیا۔ یا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ انہوں نے تیری دی ہوئی نعمتوں کو بھلا کر تیری آیات میں تدبر ترک کر دیا اور وہ اسباب جو انھیں ہدایت کے لیے عنایت ہوئے اپنے غلط اختیار سے گمراہی میں لگا دیے اور اضلال کی نسبت ان کی طرف بوجہ ان کے کسب کے ہے ورنہ حقیقی اضلال تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور ان کے معبودوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف اس فعل کا اسناد کیا جو ان کی گمراہی کا سبب بنا۔ اب معنی یہ ہُوا کہ ان کے معبود اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے : یا اللہ! ہم انہیں گمراہ نہیں کرتے تھے اور نہ ہم انہیں گمراہی پر آمادہ کرتے تھے، بلکہ وجہ کچھ اور ہے وہ یہ کہ جب تُو نے دنیوی منفعتوں سے انہیں مالامال فرمایا تو وہ شہواتِ نفسانیہ سے گمراہی کی طرف مائل ہُوئے تو تُو نے حسبِ دستور ان کے اندر گمراہی پیدا فرمائی۔

یہی اہلسنت کا مذہب ہے ؛ یہی نظریۂ توحید ہے بلکہ اس میں واضح ثبوت ہے کہ جملہ اسباب کا

سبب اللہ تعالیٰ ہے ۔

دریں چمن نکنم سرزنش بخود روے
چنانکہ پرورشم میدہند میروم

ترجمہ : اس دنیا کے چمن میں میں خود کو ملامت نہیں کرتا اس لیے کہ میرا عقیدہ ہے کہ جیسے ازل سے میرا مقدر تھا وہ مجھے ملے گا۔

وَكَانُوْا اور وہ تھے تیری قضا اولیٰ میں قَوْمًا بُوْرًا ایک قوم تباہ و برباد ہونے والی ۔ بُور، بائر کی جمع بمعنے ہالک ، اور بُور بمعنے ہالکین (کما فی المفردات) یا مصدر ہے بمعنے اسم فاعل بطور مبالغہ لایا گیا اور اس میں واحد و جمع برابر طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے :

رجل بائر و قوم بُور۔ بور وہ شے فاسد جس میں خیر اور بھلائی نہ ہو۔

امام راغب نے فرمایا :

البوار بمعنے بہت زیادہ کھوٹ ۔ چونکہ کھوٹ شے کو فساد تک پہنچا دیتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا :

کسد حتی فسد ۔ (کھوٹا ہوا یہاں تک کہ فاسد ہوا)

بنا بریں ہلاکت کی بجائے بُور سے تعبیر کیا گیا۔

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے فرماتے گا کہ اب تو تمہارے معبود بھی تمہاری تکذیب کر رہے ہیں بِمَا تَقُوْلُوْنَ تمہارے اس عقیدہ کی، کہ تم کہا کرتے تھے کہ بے شک یہ ہمارے معبود ہیں ۔ یہاں پر باء بمعنے فی ہے ۔ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ پس اب اے میرے ساتھ شریک ٹھہرنے والو ! تمہارے لیے ممکن نہیں صَرْفًا اپنے سے میرے عذاب کو دفع کرنا، نہ ذاتی طاقت سے نہ بالواسطہ۔ وَّلَا نَصْرًا اور نہ ہی کوئی مدد کرنا نہ اپنی اور نہ دوسرے سے جن کی تم نے پرستش کی اور تم نے سمجھ رکھا تھا کہ وہ قیامت میں تم پر سے عذاب ٹال دیں گے اب وہ بھی تمہیں جواب دے چکے ہیں وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ اور اے میرے مکلف بندو ! تم میں سے جو بھی ظلم یعنی شرک کرے گا ۔ ہم نے شرک کا معنی نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ۝ کے قرینہ کی وجہ سے کیا ہے ہم اسے آخرت میں بہت بڑا عذاب چکھائیں گے یعنی اسے ہمیشہ نارِ جہنم میں مبتلا کریں گے ۔ اس لیے کہ یہ بہت بڑے ظلم کی وجہ سے ہوگا ۔ اور ظلم عظیم شرک ہی ہے ۔ اس میں مومن فاسق کو بھی وعید ہے۔

ربط : اس کے بعد کفار کے اس سوال کا جواب دیا جو کہ اُنھوں نے کہا :

ما لھذا الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق ۔ (اس رسول کو کیا ہے کہ وہ طعام کھاتا اور بازاروں میں پھرتا ہے)

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اور ہم نے آپ سے پہلے کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجا اِلَّآ اِنَّهُمْ

بکسر الہمزہ اس لیے کہ یہ ان صدر جملہ میں واقع ہے اور وہ موصوف محذوف کی صفت ہے یا اس لیے کہ عبارت "الا قیل انھم" تھی اور قاعدہ ہے قال یقول کے بعد (ان بکسر الہمزہ) آتا ہے کما فی اسئلۃ المقحمہ۔
لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ط وہ طعام بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی تشریف لے جاتے تھے اور یہ امور ان کی رسالت و نبوت کے منافی نہیں تھی بنا بریں آپ کا کھانا اور بازار میں تشریف لے جانا بھی کوئی نئی بات نہیں وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ اور اے لوگو! ہم نے تمہارے بعض کو لِبَعْضٍ بعض کے لیے فِتْنَةً ط آزمائش بنایا ہے مثلاً فقراء اغنیاء کے لیے اور رسل کرام علیہم السلام مرسل الیہم کے لیے آزمائش ہیں کیونکہ یہ انھیں اپنی طبائع کے خلاف آزمائیں گے اور انھیں ایذائیں دیں گے۔ ایسے ہی بیمار تندرستوں کے لیے اور نچلی سطح کے عوام ، اونچے طبقہ والوں کے لیے اور رعایا بادشاہوں کے لیے اور رشتہ دار رشتہ داروں کے لیے اور اندھے آنکھوں والوں کے لیے اور کمزور طاقت وروں کے لیے آزمائش ہیں۔

ف : حضرت واسطی نے فرمایا کہ ہر شے موجود بھی فتنہ ہے اور شے کے حصول کے بعد اس کا گم ہو جانا بھی فتنہ ہے۔

اَتَصْبِرُوْنَ ج یہ جعلنا کی غایت ہے تاکہ ہم ظاہر کریں کہ کیا تم صبر کرتے ہو یا نہیں۔ اس میں آزمائش پر صبر کی ترغیب دی گئی ہے۔

ف : ابو اللیث نے فرمایا کہ یہ بظاہر جملہ استفہامیہ ہے لیکن درحقیقت امر ہے یعنی اتصبرون بمعنے اصبروا یعنی صبر کرو، جیسے افلا یتوبون بمعنے توبوا (توبہ کرو)۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اے انبیاء علیہم السلام! ہم نے امتوں کا رسول بنا کر تمہیں آزمایا ہے مثلاً اُمت کے بعض لوگ بعض انبیاء علیہم السلام کو کہیں گے کہ ہمیں فلاں نبی علیہ السلام جیسا معجزہ دکھاؤ۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اے انبیاء علیہم السلام! کہ کیا تم اُمت کے غلط سلط اقوال پر صبر کرتے ہو یا نہیں، یا اے امتیو! ہم نے تمہیں تمہاری اپنی باتوں سے آزمائش میں ڈالا ہے۔ اس میں کفارِ مکہ کے مختلف اعتراضات اور غلط سلط باتوں سے حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے۔ گویا یُوں کہا گیا کہ اے محبوب مدنی صلی اللہ علیہ وسلم! کافروں کی بے تکی باتوں اور پریشان کن گفت گو سے غم نہ کیجئے اس لیے کہ ہم نے بعض کو بعض کے لیے امتحان کا سبب بنایا ہے اس لیے کہ سونے کو آگ کی گرمی سے آزمایا جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ع اور تمہارا پروردگار بصیر ہے اسے معلوم ہے کہ ان میں کون صبر اور کون جزع فزع کرتا ہے۔ حضرت امام غزالی قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ بصیر

وہ ہے جسے ہر شے کا مشاہدہ ہو اور کوئی شے اس سے مخفی نہ ہو یہاں تک عرشِ عُلیٰ تا تحت الثریٰ اس کے لیے یکساں ہو۔ لیکن اس ذاتِ باری تعالیٰ کا دیکھنا اس آنکھ کی پتلی اور پلکوں سے پاک اور منزّہ ہے اس لیے کہ اس میں تغیر و تاثر ہے اور یہ حدوث کا مقتضی ہے جب وہ ایسے تغیر سے پاک ہے تو اب معنیٰ یہ ہو گا کہ بصیر اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس سے مبصرات کے تمام نعوت کما لیہ منکشف ہوں اور یہ بصر کے مرئیات کے ادراک سے زیادہ روشن ہے۔ بندے کا بصر کے اس وصف سے حظ پانا ظاہر ہے لیکن ہے ضعیف اور قاصر، اس لیے کہ محدود ہے آگے دیکھے تو پیچھے نہیں دیکھ سکتا ایسے ہی برعکس اور نہ ہی اپنے قریب کو دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی اس کی باطن پر نظر پڑ سکتی ہے صرف ظاہر کو دیکھ سکتا ہے بواطن و سرائر کے دیکھنے سے محروم ہے اور باطناً یعنی علم کے لحاظ سے عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے بصارت اس لیے بنائی تاکہ اس کے آیات و عجائب الملکوت والسمٰوٰت کو دیکھے اور اس کا یہ دیکھنا بطور عبرت کے ہو۔

حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوا کہ مخلوق میں آپ جیسا بھی کوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں، وہ جس کا دیکھنا عبرت کے طور ہو اور خاموشی غور و فکر سے اور اس کی گفتگو ذکرِ الٰہی سے ہو۔ دوسرا باطناً اس کا دیکھنا یوں ہو کہ وہ ہر وقت اس تصور میں مستغرق رہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا اور اس کی باتیں سُن رہا ہے۔ ایسا عمل نہ کرے کہ جس سے اس کی نگاہ سے گر جائے اور ایسا کام اس سے سرزد نہ ہو جس کی اسے اطلاع ہو۔ تو وہ ناراض ہو جائے۔ اگر بندوں سے چھپ کر کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے کہاں چھپے گا۔ اس پر لازم ہے کہ وہ ایسا قول و فعل اور عمل نہ کرے جس کی وجہ سے نگاہِ حق سے دور ہو جائے۔ اور یہ تصور ایمان کے نتائج و ثمرات سے ایک ہے۔ جو شخص گناہ کرتے وقت یہ خیال کرے گا کہ مجھے اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے تو پھر وہ گناہ پر کب جرأت کرے گا۔ اگر کرے گا تو اس جیسا خائب و خاسر کون ہوگا۔ اگر یہ خیال کرے گا کہ اللہ کو کیا خبر، تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اسی لیے یہ نکتہ ہر سالک کے یاد رکھنے کا ہے۔ کما فی شرح اسمائے الحسنیٰ۔

سبق بندے پر لازم ہے کہ وہ ہر وقت قضا و قدرِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم رکھے۔ راحت و سرور ہو یا تکالیف و مصائب، فقر و فاقہ ہو یا دولتمندی و تونگری۔ کیونکہ بسا اوقات وہ اپنے بندے کو اپنی حکمت سے دکھ دے کر ہی اپنی راہ دکھاتا ہے اور اس کا بندے کو مراد سے باز رکھنا (باوجودیکہ اسے بہت بڑی قدرت ہے) بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ حضرت شیخ عطار قدس سرہٗ نے فرمایا: ؎

ا   نگر دیوانۂ شوریدہ میخاست

برہنہ بد زحق کرپاس میخواست

۲ که الٰہی پیرہن در تن ندارم
وگر تو صبرداری من ندارم

۳ خطابی آمد آں بے خویشتن را
کہ کرپاست دہم اما کفن را

۴ زباں بکشاد آں مجنون مضطر
کہ من دانم ترا ای بندہ پرور

۵ کہ تا اوّل نمیرد مرد عاجز
تو ندہی ہیچ کرپاسیش ہرگز

۶ بباید مرد اوّل مفلس وعور
کہ تا کرپاس پایداز تو در گور

ترجمہ : ۱ - شاید کوئی دیوانہ اللہ تعالیٰ سے کپڑا مانگتا تھا اس لیے کہ وہ بیچارہ ننگا پھر رہا تھا ۔
۲ - الٰہی ! کپڑا میرے جسم پر نہیں تو تو صبر کرتا ہے لیکن مجھ سے نہیں ہو سکتا ۔
۳ - اس بیہوش کو آواز آئی' تجھے کفن کا ہی کپڑا ملے گا ۔
۴ - اس پریشان حال مجنون نے زبان کھولی اور کہا کہ اے بندہ پرور ! مجھے معلوم ہے ۔
۵ - کیا مرنے سے پہلے کسی کو کبھی کپڑا نہیں دیتا ۔ (جب دوسروں کو دیتا ہے تو مجھے بھی دے)
۶ - بندے کو پہلے مفلس اور کنگال ہونا چاہیے پھر وہ قبر میں ہمیشہ کے لیے کپڑے حاصل کرے ۔

ف : حکایت میں اشارہ ہے کہ مرد مولیٰ وہ ہے جو اپنی جملہ مرادات کو دبا لے اس لیے کہ نفس کی جب تک مرادیں پوری ہوتی رہیں اس وقت تک وہ اوصافِ ذمیمہ و اخلاقِ قبیحہ سے باز نہیں آتا ۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا فیض ہر وقت جاری ہے لیکن جب تک نفس اپنی بری عادات میں منہمک رہتا ہے اس وقت تک اسے وہ فیض نصیب نہیں ہوتا ۔ نفس کو اس وقت رحمت نصیب ہوتی ہے جب وہ رذائل سے پاک ہو جائے ۔ یہ اہلِ سلوک کے لیے کیمیائی نسخہ ہے ۔ باقی رہے عوام وہ کالانعام ہیں ان کے نفوس امّارہ ہوتے ہیں اسی لیے وہ ہر وقت نفس کی مرادیں پوری کرتے رہتے ہیں ۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو نعمتوں سے نوازے اور دولت مند بنائے تو یہ دراصل اس کی حکمتِ عظیمہ ہے لیکن درحقیقت اس طرح سے وہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے ۔ بالخصوص طالبانِ راہِ حق کے لیے تو

بہت بڑا امتحان ہوتا ہے اس لیے کہ وہ بہت بڑی ذمہ داری کے مالک ہوتے ہیں۔ ان کے لیے لازمی ہے کہ وہ ایسے مواقع پر صبر و سکون اور حوصلہ اور بُردباری سے کام لیں۔ وہی سب کا مددگار ہے اور اسی پہ ہم سب کا سہارا ہے۔

وصلی اللہ علی حبیبہ الکریم وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

فقیر اویسی غفرلہٗ پارہ نمبر ۱۸ کے ترجمہ سے ۷ شوال ۱۳۹۸ھ / ۱۱ ستمبر ۱۹۷۸ء سوموار مبارک کو فارغ ہوا۔ (الحمد للہ علیٰ ذالک)

محمد فیض احمد اویسی رضوی غفرلہٗ۔ بہاول پور۔
